شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ
کی معرکۃ الآراء تصنیف "فصوص الحکم" کی فقید المثال شرح
التوضیح الاھم
فی
شرح فصوص الحکم
مکتبہ آوازِ حق
دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر
091-2560759
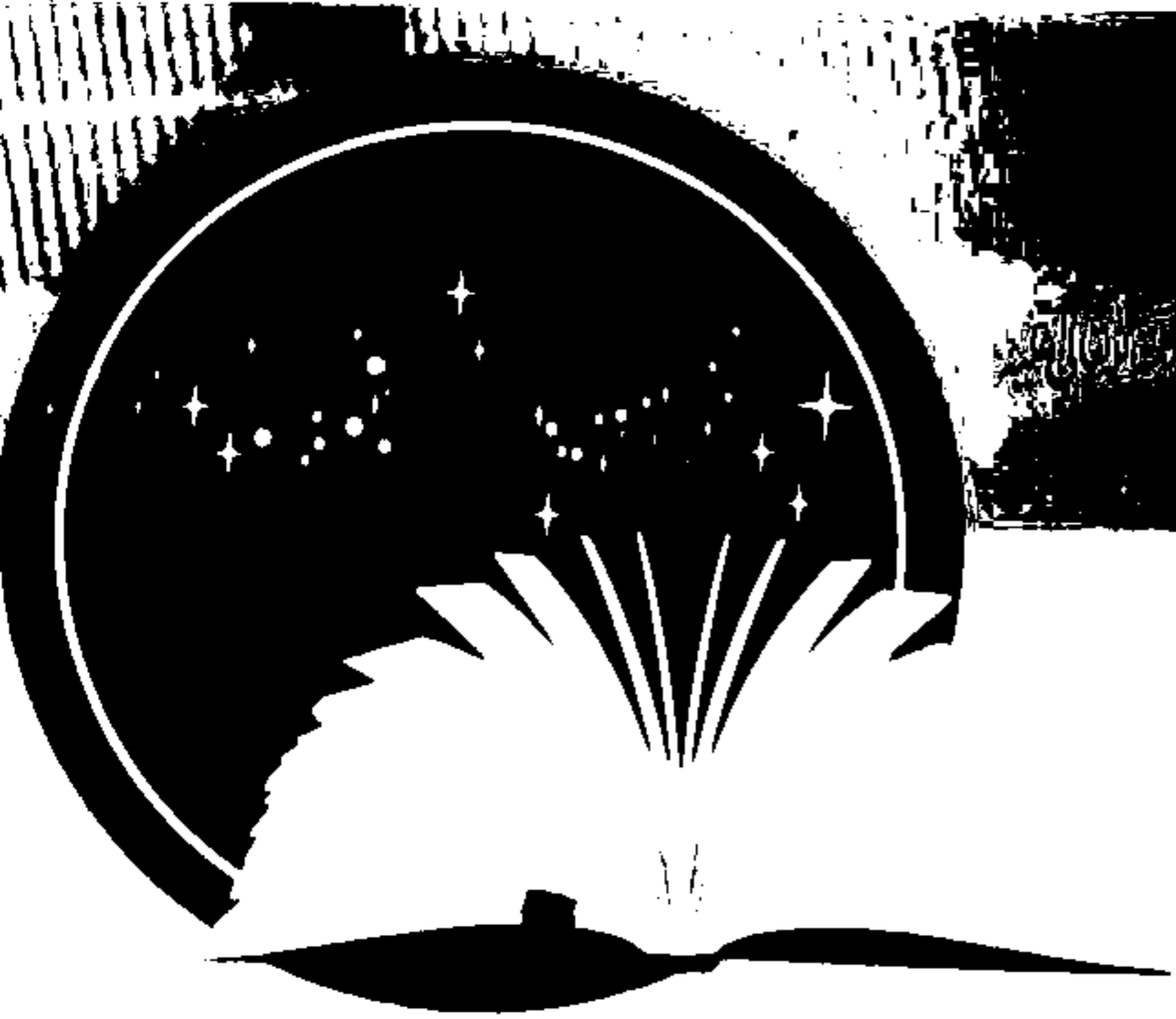
شیخ المشائخ مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی

معرکۃ الآراء تصنیف ''فصوص الحکم'' کی فقید المثال شرح

التوضیح الاہم فی شرح فصوص الحکم

خطبہ

مصنف

شیخ المشائخ مولانا پیر محمد چشتی

بانی، دار العلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر

ناشر:

مکتبہ آوازِ حق دار العلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور

091-2560759

نام کتاب	:	التوضیح الاہم فی شرح فصوص الحکم
مصنف	:	شیخ المشائخ پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کمپوزر	:	عاطف شہزاد چشتی
نظر ثانی	:	اُستاذِ حدیث سید ظاہر علی شاہ
ناشر	:	مکتبہ آوازِ حق دار العلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور
تعداد	:	1100
سالِ اشاعت	:	جنوری 2017ء
قیمت	:	270 روپے

التماس

حضرت قبلہ شیخ المشائخ **پیر محمد چشتی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ تحریر دراصل اُن کی زیرِ سرپرستی شائع ہونے والے جریدہ ماہنامہ آوازِ حق میں ماہ بہ ماہ قسط وار شائع ہوتی رہی۔ حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی حیات میں ہی اِس پر نظرِ ثانی کا کام مکمل کر کے اسے کتابی صورت میں ترتیب دے دی تھی مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ اور آپ علیہ الرحمۃ 5 فروری 2016ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اس کتاب کی تدوین واشاعت میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کے حوالہ جات میں ہر ممکن احتیاط برتی گئی ہے تاہم ادارہ کسی بھی نادانستہ غلطی کے لیے معذرت خواہ ہے اور اس کی نشان دہی کے لیے قارئین کا ممنون ہوگا۔

اس کتاب کے مضمون اور بیان کردہ حقائق کے حوالہ سے ہم اپنے معزز قارئین کی آراء، تجاویز اور مثبت تنقید کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

اِس کتاب کے حوالہ سے قارئین کے ذہن میں کوئی اشتباہ ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے بھی ادارہ ہٰذا سے رابطہ کیا جا سکتا ہے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اُس کا ازالہ کیا جا سکے۔

منجانب:۔

صاحبزادہ ڈاکٹر مولانا صدیق علی چشتی

﴿کتاب ملنے کے پتے﴾

☆ نظامیہ کتاب گھر۔زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور0301-4377868

☆ دارالنور دکان نمبر ۴ مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور04237247702

☆ مکتبہ غوثیہ۔ یونیورسٹی روڈ، بالمقابل عسکری پارک کراچی021-34926110

☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور 04237247301

☆ مکتبہ المصطفیٰ چکدرہ0343-9070902

☆ شبیر برادرز زبیدہ سنٹر ۴۰، اُردو بازار لاہور042-37246006

☆ مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی0514907446

☆ اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم03335833360

☆ مکتبہ دارالاحناف کامران مارکیٹ نیواڈا مردان03119231283

☆ مکتبہ غفوریہ قادریہ طارق آباد تندوڈاک سوات03449294923

☆ مکتبہ اہلسنت مکہ سنٹر دوکان نمبر ۳، بیسمنٹ نزد لوئر مال تھانہ اُردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رضائے مصطفیٰ پیپل منڈی پشاور۔0300-5864762

☆☆☆☆☆

فہرست

پیش لفظ

اسلامی علوم وفنون سے شغف رکھنے والے اہل علم حضرات کے ہاں بالعموم اور علم تصوف و عرفانیات کے شائقین کے لیے بالخصوص، حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف متوفی 1240ء) کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ کی علمی رفعت اور اعلیٰ روحانی منزلت کی بدولت آپ ''شیخ اکبر'' اور ''امام المؤحدین'' کے القابات سے مشہور ہوئے۔ اگرچہ شیخ اکبر رحمہ اللہ کو مختلف علوم وفنون پر مکمل دسترس حاصل تھی مگر آپ علیہ الرحمۃ کو زیادہ شہرت ایک عظیم صوفی باصفاء اور بطور روحانی شخصیت کے حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ صاحب تصانیفِ کثیرہ ہیں اور ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد پانچ سو (500) کے قریب ہے جن میں سے تقریباً ایک سو (100) کے لگ بھگ مطبوع ہیں جبکہ زیادہ تر تصانیف ابھی بھی قلمی مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ کی جملہ دستیاب تصانیف کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس موضوع پر بھی آپ علیہ الرحمۃ نے قلم اُٹھایا اُس موضوع کا حق ادا کر دیا۔ علم تصوف اور سلوک وعرفان کے حوالہ سے آپ علیہ الرحمۃ کی دو تصانیف ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کو اس حد تک شہرت حاصل ہوئی کہ یہ دونوں کتابیں آپ علیہ الرحمۃ کی پہچان بن گئیں۔

اپنی ان دونوں کتابوں میں شیخ اکبر رحمہ اللہ نے قرآن واحادیث کے رموز واسرار اور حقائق و معارف کو اپنے مخصوص عرفانی اندازِ بیان میں تحریر فرمایا۔ آپ علیہ الرحمۃ کے اسلوبِ بیان میں آپ کو حاصل قوتِ مکاشفہ کو بنیادی دخل رہا ہے جس کی وجہ سے ان دونوں تصانیف کے بعض مندرجات کو سمجھنے میں کئی شخصیات کو اشتباہ اور مغالطہ ہوا۔ جن کو بنیاد بنا کر آپ کی تصانیف سے لوگوں کو بدظن کرنے کی بھی کوششیں ہوتی رہیں جن کا تسلسل آج بھی قائم ہے۔ اِس حوالہ سے اہل علم اور صاحبانِ ذوق سے مخفی نہیں کہ حضرت امام المؤحدین شیخ اکبر رحمہ اللہ کی تحریر کو کماحقہ سمجھنے کے لیے انتہائی اعلیٰ علمی سطح رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ اکبر کی تصانیف کے ساتھ ایک خاص قلبی تعلق استوار کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ جس

کے بغیر شیخ اکبر رحمہ اللہ کی تحریرات بالخصوص ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کے مندرجات کو سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ ''فتوحات مکیہ'' کی نسبت ''فصوص الحکم'' کا حجم بہت کم ہے اس وجہ سے اس کتاب کی عبارات کی تشریح وتوضیح اور علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھ کے لیے ایک ماہر علومِ شرعیہ اور کامل فی السلوک والعرفان شخصیت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا لازمی شرط ہے۔

برصغیر میں فصوص الحکم شریف کو درساً پڑھانے کا سب سے مشہور سلسلہ اعلیٰ حضرت قبلۂ عالم سیدی پیر مہر علی شاہ صاحب (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ) کی ذات والاصفات کا مرہونِ منت ہے۔ حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ سے یہ سلسلۂ درس فصوص الحکم شریف، آپ کے قابلِ فخر خلیفہ حضرت امام الواصلین، جامع المعقول والمنقول، ظاہری وباطنی علم کے بحر ذخار قبلہ پیر سید امام شاہ (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ مہر آباد، لودھراں) کو منتقل ہوا۔

حضور سیدی وسندی واُستاذی ووالدی حضرت مولانا قبلہ پیر محمد چشتی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ) کو ربِ کریم نے یہ سعادت نصیب فرمائی کہ جہاں ایک طرف آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے وقت کے نابغۂ روزگار شخصیات مثلاً (جامع المعقول والمنقول استاذ العلماء حضرت مولانا عطاء محمد بندیالوی، حضور قبلہ غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی، حضرت قبلہ مولانا سردار احمد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ فیصل آباد) سے ظاہری علومِ شریعۃ کا اکتساب کیا تو دوسری طرف امام المؤحدین والمکاشفین محی الدین بن عربی رحمہ اللہ کے روحانی علوم کے وارث حضرت قبلہ امام الواصلین پیر سید امام شاہ صاحب (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ) سے بھی راہِ سلوک وطریقت کے وہ اسرار ورموز نصیب ہوئے جن کی ایک جھلک زیرِ نظر کتاب کی صورت میں قارئین کے ہاتھ میں ہے۔

موجودہ پُرفتن دور میں کہ جہاں دجل وفریب کو شریعت وطریقت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، سلوک وعرفان کی ابجد سے بے خبر جُہال طریقت وسلوک کی راہ کو بدنام کر رہے ہیں، حقیقی مشائخ ناپید ہوتے جا رہے ہیں بالخصوص شیخ اکبر رحمہ اللہ کی تعلیمات کو سمجھنے کا ذوق رکھنے والے بھی معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ اِس صورتحال میں شیخ اکبر رحمہ اللہ کی سلوک وعرفان کے اسرار ورموز سے لبریز تحریر فصوص الحکم شریف کو سمجھنے کے لیے حضور شیخ المشائخ حضرت قبلہ پیر محمد چشتی رحمہ اللہ نے ''خطبہ فصوص الحکم'' کی توضیح وتشریح کرنے کا

بیڑہ اس نیت سے اُٹھایا کہ جہاں ایک طرف شیخ اکبر رحمہ اللہ کی اس مشہور تحریر کو سمجھنے کے لیے ''پیرِ کامل'' میسر آئے گا تو دوسری طرف سلوک و عرفان کی مکمل روح کو بھی شریعت مطہرہ کی روشنی میں سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

حضرت شیخ المشائخ رحمہ اللہ نے خطبہ فصوص کو بنیاد بنا کر راہِ سلوک و عرفان کے جملہ لوازمات و مقتضیات کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ اس بنا پر حضور شیخ المشائخ قبلہ پیر محمد چشتی صاحب (نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) کی زیرِ نظر تحریر بنام ''التوضیح الاھم فی شرح فصوص الحکم'' کو اگر حصولِ عرفان کے لازمی نصاب کی تشریح کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بعض قارئین کے ذہن میں شاید یہ بات آئے کہ زیرِ نظر کتاب ''التوضیح الاھم فی شرح خطبة فصوص الحکم'' ہونا چاہیے کیوں کہ شیخ المشائخ رحمہ اللہ نے اس کتاب میں فصوص الحکم شریف کی تمام کتاب کی بجائے صرف اس کے خطبہ کی تشریح و توضیح پر توجہ مرکوز فرمائی ہے تو اس حوالہ سے عرض ہے کہ اگرچہ زیرِ نظر کتاب درحقیقت فصوص الحکم کے خطبہ کی وضاحت کے لیے ہی لکھی گئی ہے مگر سیدی و سندی حضور شیخ المشائخ حضرت قبلہ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا پیر محمد چشتی رحمہ اللہ نے اس خطبہ کی وضاحت و تشریح کے لیے ایسا بابرکت و جامع منہج اور اندازِ تحریر اپنایا ہے کہ جس میں آپ علیہ الرحمۃ نے مکمل فصوص الحکم کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے لازمی راہنما اُصول پوری شرح وبسط کے ساتھ کچھ اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ ان اُصول و قواعد کو علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھنے کے بعد پوری کتاب فصوص الحکم شریف کی سمجھ بڑی حد تک آسان ہو جاتی ہے۔

خطبہ فصوص کی جامعیت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر راہِ سلوک کے ابتدائی مسافر کو صحیح معنیٰ میں کامل ولی اللہ اور عالم باعمل شیخ طریقت کی رہنمائی و سرپرستی میں اس خطبہ کو پڑھنے اور سمجھنے کا موقع میسر آ جائے تو فصوص الحکم کا یہی خطبہ اور اس میں موجود معارف نہ صرف فصوص الحکم شریف کے باقی حصہ میں مذکور حقائق کو سمجھنے کی بنیاد بن جاتے ہیں بلکہ طریقت و سلوک کے مسافروں کے لیے اس راہ میں آنے والے تمام مراحل کو ہر ایک کے علمی و روحانی استعداد کے مطابق سمجھنے میں آسان بنا دیتے ہیں۔ اس کی عملی مثال حضرت شیخ کبیر صدر الدین قونوی رحمہ اللہ خود ہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

''مجھے حضرت شیخ اکبر (نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) سے فصوص الحکم کی پوری کتاب کے بجائے

صرف خطبہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی مگر میرے مربی ومحسن حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ نے مجھے اس انداز سے اس خطبہ فصوص کی تعلیم دی اور اس میں موجود رموز وحقائق سمجھائے کہ اس کے بعد فصوص الحکم کی باقی ماندہ کتاب کے اسرار ومعارف مجھ پر خود بخود کھلتے چلے گئے۔"

حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمۃ کے اپنے فرمان کے مطابق نہ صرف اس کتاب "فصوص الحکم" کو بلکہ شیخ اکبر رحمہ اللہ کی دیگر کتب فی السلوک والعرفان کو بھی سمجھنے کے لیے جہاں موقوف علیہ علوم وفنون پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے وہاں شیخ اکبر رحمہ اللہ کی تحریرات کے ساتھ خصوصی قلبی لگاؤ اور زیادہ سے زیادہ وقت ان کے مطالعہ میں بسر کرنا ازبس ضروری ہے۔

شیخ اکبر رحمہ اللہ کے کلام میں موجود معرفت الٰہی کے چھپے خزانوں تک رسائی کے لیے مندرجہ بالا دو پیشگی شرائط پر پورا اُترنے والے تمام حضرات کو یقینِ کامل ہونا چاہیے کہ ہر ایک کو اپنی اپنی علمی و روحانی استعداد کے مطابق معرفت وعرفان کا حصہ ضرور ملے گا۔ (انشاء اللہ)

ادارہ "آوازِ حق" کو حضور شیخ المشائخ رحمہ اللہ کے پہلے عرس مبارک کے موقع پر زیر نظر کتاب شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اس موقع پر ہم قوی اُمید رکھتے ہیں کہ حضور شیخ المشائخ قبلہ پیر محمد چشتی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ) کے دامنِ فیض سے وابستہ تمام حضرات کو اس کتاب کی صورت میں ایک بہترین تحفہ میسر آئے گا۔

رب کریم سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور شیخ المشائخ قبلہ پیر محمد چشتی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ) کی چھوڑی ہوئی علمی وراثت اور روحانی امانتوں کو صحیح معنی میں آگے منتقل کرنے اور اصل حقداروں تک احسن انداز میں پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین، بجاہ سید المرسلین سیدنا ومولٰنا محمد وآلہ وصحبہٖ اجمعین

العبد

صاحبزادہ مولانا ڈاکٹر صدیق علی چشتی

دار العلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر

حالاتِ مصنف بقلم مصنف

نوٹ:۔ زیرِ نظر مضمون حضرت شیخ المشائخ قبلہ پیر محمد چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں ہی آج سے تقریباً چھ (۶) سال قبل سپردِ قلم کیا تھا۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اِس مضمون کو اُسی تناظر میں دیکھا اور پڑھا جائے۔

آج 2010ء سے تقریباً 73 سال قبل شاگروم میں پیدا ہوا۔ شاگروم نام کا یہ وسیع و عریض گاؤں درہ تریچ کی آخری آبادی ہے ضلع چترال تحصیل ملکھو کا یہ درہ میری پیدائش سے پہلے بھی مردم خیزی میں مشہور تھا جس میں نوابی دور کے علم دشمن ماحول میں بھی محمد جناب شاہ اور قاضی بدر الدین خواجہ جیسی ہستیاں بالترتیب عصری اور مذہبی علوم کی روشنی پھیلا رہی تھیں۔ نوابوں کے تعلیم دشمن ماحول سے آزادی اور ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہو جانے کے بعد بھی چترال کے اِس درہ سے اچھے خاصے اہلِ علم پیدا ہوئے میری پیدائش ریاستی دور کے جس ماحول میں ہوئی وہ کچھ اِس طرح تھا کہ نوابوں کے بچوں کیلئے ابتدائی تعلیم کا انتظام مقامی طور پر میسّر تھا جبکہ قرآن شریف ناظرہ پڑھنے اور نماز روزہ جیسے ضروری احکام سے روشناس ہونے کے ساتھ مڈل تک دُنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے پشاور، دہلی، لاہور اور انگلینڈ کا رُخ کیا کرتے تھے جبکہ رعایا کے بچوں کی تعلیم کا قطعاً کوئی انتظام ہی نہیں تھا مگر یہ کہ نوابوں کے کارندوں سے چھپ کر ریاست کی حدود سے نکلنے میں کامیاب ہوتا تو سفر و غربت اور بے وطنی کی صعوبتیں برداشت کر کے مذہبی یا عصری تعلیم کی کچھ روشنی پاتا جن کی تعداد اکائیوں سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔

فقدانِ تعلیم کی اِس بدحالی کے ساتھ معاشی زبوں حالی کا یہ عالم تھا کہ نوابوں کی گزر اوقات رعایا سے ظلماً وصول کیے جانے والے غلہ ہائے عشر پر ہوا کرتی تھی تو عام آدمیوں کی معیشت

کا کہنا ہی کیا تھا درہ تریچ میں سب سے زیادہ قطعہ اراضی کے مالک ہونے کے باوجود ہمارے خاندان میں بھی عمومی خوراک جو کی روٹی یا باجرہ کی روٹی ہوا کرتی تھی لیکن اِس کے ساتھ ہمارے خاندان پر ربّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ کا خاص کرم یہ تھا کہ ہرن کے گوشت سے ہمارا گھر کبھی خالی نہ ہوتا تھا، میرے دادا جان (نام رحیم ولد عبدالکریم) جو اپنے وقت کے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ وفاداری، امانتداری، سخاوت، شجاعت اور صدقِ لہجہ میں مشہور تھے جن کی وفا شعاری کو دیکھ کر مہتر چترال نواب محمد ناصر الملک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اُنہیں امین دربار کے عہدے پر فائز کیا تھا جس کی بدولت اُن کے بیٹوں کو شاگروم سے ملحق بالائی شکارگاہوں کی اختیارداری اور ہر جگہ سے شکار کی اجازت تھی۔ میرے تایا شہزادہ رحیم (مرحوم) سرکاری شکاری ہونے کی بنا پر پورے چترال میں شکاری کے نام سے ہی مشہور تھے میرے (مرحوم) والداُن سے عمر میں تقریباً تین سال چھوٹے تھے، گھریلو ذمہ داریوں سے زمینوں کی دیکھ بھال تک جملہ انتظامات کے نگران تھے جبکہ میرے چھوٹے چچا امام رحیم (مرحوم) اُن کے نائب ومعاون تھے۔ میرے والد محمد رحیم ولد نام رحیم ہرن کے شکار سے لے کر ہر موسم کے پرندوں تک کا شکار کرنے میں پورے درہ تریچ میں اپنی مثال آپ تھے۔ شانِ قدرت ہے کہ شکار کر کے کھانے اور کھلانے والے اِس عظیم شکاری کو اِس حوالہ سے وہ شہرت نہیں ملی جو اُن کے بڑے بھائی شہزادہ رحیم کو ملی۔

علاقائی ماحول اور خاندانی روایات کا شعور پانے کے بعد میں بھی اُس راہ پر چلنے لگا جس پر چلتے ہوئے اپنے بڑوں کو دیکھا تھا لیکن شکار کے حوالہ سے میرے اور میرے بڑے بھائی جان مولانا شیر محمد مدظلہ العالی کا معاملہ اپنے بزرگوں سے مختلف رہا کیوں کہ ہمارے والد مرحوم و مغفور نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف اپنے بڑے بھائی سے کئی گنا زیادہ فعّال اور ہر موسم کے شکار کا بہترین شکاری ہونے کے باوجود اپنے بڑے بھائی جیسی شہرت اِس حوالہ سے نہ پا سکے جبکہ میرے بڑے بھائی میرے مقابلہ میں کئی گنا اچھا شکاری ہوتے ہوئے بھی اِس حوالہ سے میری شہرت کو نہ پہنچ پائے حالانکہ وہ ہر موسم کے اچھے شکاری تھے چھوٹے پرندوں کے شکار کے حوالہ سے میری

فنکاری کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی درخت کے نیچے بیٹھ کر گھنٹہ سے دو گھنٹے کے دورانیہ میں پچاس ساٹھ کی تعداد میں پرندے مار گراتا تھا مجھے مواد پہنچانے اور ذبح کرنے پر مقرر لڑکوں کا کہنا ہے کہ روزانہ کی یہ تعداد دو سو سے بھی زیادہ ہوا کرتی تھی۔ صحیح تعداد کے متعلق حتمی صورت مجھے یاد نہیں ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)

یہاں پر شاید قارئین کو اُن پرندوں سے متعلق تعجب ہو کہ اِس کثرت سے آنے والے وہ کیسے پرندے ہونگے اور وہ شکار گاہ کیسی ہوگی؟ تو اِس کے متعلق یہ ہے کہ اُن دِنوں میں یعنی آج سے تقریباً نصف صدی قبل ہر قسم شکار کی بہتات ہونے کی طرح گندم اور باجرہ کی فصل جب پکنے کے قریب ہوتی تھی تو اُسے کھانے کے لیے پرندوں کی یہ نسل کثیر تعداد میں آیا کرتی تھی۔ جس کو کھوار زبان میں شوبچ کہا جاتا ہے جو جسامت میں اندازاً تین چڑیوں کے برابر ہوتا ہے اور رنگت کے اعتبار سے اُن کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک خاکستری سفید، دوسری وہ جس کا سر اور گردن سمیت سینے کا بالائی حصہ سرخ باقی سارا حصہ خاکستری جو خوبصورتی و دلکشی میں اپنی مثال آپ ہے اور گوشت اُس کا بہت لذیذ ہوتا ہے۔ درہ تریچ سمیت چترال کے بالائی حصہ کی تینوں تحصیلوں میں اُس کی کثرت کیساتھ آمد کا موسم ماہ ستمبر ہوا کرتا تھا لیکن دُنیا کی ارتقائی زندگی کے دوسرے شعبوں میں نمایاں تبدیلیاں آنے کی طرح ہر موسم کے شکار میں بھی کافی حد تک تبدیلیاں آچکی ہیں۔ کیمیائی کھاد کی وجہ سے گندم کی پیداوار زیادہ ہونے کی بناء پر باجرہ کی کاشت ہی ہمارے علاقہ سے ناپید ہو چکی ہے یہ باجرہ بھی خاص نسل کا ہوتا تھا جس کو کھوار زبان میں اُڑین کہا جاتا تھا جو آج سے نصف صدی قبل ہماری عمومی خوراک ہوا کرتا تھا اور گندم کی فصل ستمبر میں پکنے کے بجائے ترقی کر کے اگست کے اوائل میں ہی تیار ہوتی ہے جس وجہ سے شوبچ کی اُس کثرت سے آمد ہی نہ اُس کے شکار کا رواج۔ اگر کوئی اِکا دُکا دانہ اُڑتا ہوا نظر آتا ہے اُسے ماضی کی یادگار تصور کیا جاتا ہے۔ جس درخت کو میں نے شکار گاہ بنایا ہوا تھا وہ شتلک کی درمیانہ سائز کی لمبائی والا درخت تھا جس کی لمبائی اندازاً ۱۵ سے ۲۰ فٹ تک ہوگی جس کے نیچے اندازاً آٹھ کنال میں پھیلی

ہوئی گندم کی فصل اور بعض سالوں میں اُڑین کی فصل ہوا کرتی تھی۔ وہ دلکش و حسین منظر میرے لئے بھولنے کی چیز نہیں ہے جب لیسِرک وَ اِشپیرُ و سِرک شوتیچ کا روم (سیل) آ کر اُوپر سے درخت کو ڈھانپتا تھا اور نیچے سے میں شونجور سے اُنہیں مار گرایا کرتا تھا۔ الغرض اُس وقت کے شکار کے حوالہ سے اپنے ماضی کے کِن کِن حسین جھروکوں کا تصور نہیں کرتا بلکہ ایک ایک کے تصور پر کلامِ اِقبال بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ ع

یاد آتا ہے مجھ کو گزرا ہوا زمانہ

مذہبی تعلیم میں آنے کے غیبی اسباب:۔ برادری کی بزرگ ہستی صوفی گل محمد مرحوم کے پاس دوسرے لڑکوں کے ہمراہ قرآن شریف کا ناظرہ سبق پڑھ رہا تھا۔ ایک دن سبق یاد نہ ہونے کی وجہ سے اُن کے ہاتھوں مار پڑی اُنہوں نے کہا کہ ''شیر ڈشمن بتی گوئے تہ کریمتو کتابان برے تان اَچا کسیر'' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ شیر محمد عالم دین بن کر آئے گا تجھ پر کتابیں لاد کر اپنے پیچھے پھیرائے گا۔ مزید وضاحت اِس کی یہ ہے کہ میرے بڑے بھائی صاحب کا نام شیر محمد ہے جس کو لڑکپن میں شیر کہہ کر پکارا جاتا تھا اور وہ مذہبی تعلیم کے لیے مسافرت میں تھا۔

صوفی گل محمد کی اِس بات کا مجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میں نے بھی مذہبی تعلیم کے لیے مسافرت اختیار کی، عرصہ ایک سال تک انگور کلی علاقہ ورسک چارسدہ میں ترکی حاجی صاحب مرحوم کے مدرسہ میں اپنے بڑے بھائی مولانا شیر محمد اور گاؤں کے اور چند لڑکوں کے ہمراہ مولانا عبدالعزیز چترالی (مرحوم) کے درس میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ دوسرے سال میں پشاور شہر میں آ کر اُس وقت کے دارالعلوم سرحد واقع مسجد غلام جیلانی میں داخلہ لیا تقریباً تین سال تک یہیں پر ابتدائی کتابیں حضرت مولانا مفتی عبداللطیف، حضرت مولانا پائندہ محمد عرف کابل اُستاذ، حضرت مولانا محمد عمر چکسر استاذ جیسے کہنہ مشق و مشفق اساتذہ سے پڑھی۔ اِس دوران کے میرے رفقاءِ درس میں سے مولانا محمد وزیر سکنہ نشکو چترال (مرحوم)، مولانا کبیر شاہ سکنہ مدک چترال

(حیات)، مولانا حاجی ابراہیم سکنہ ورکوپ چترال (حیات)، مجھے یاد ہیں جو ہر اعتبار سے قابل ستائش طلباء تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے اِن تین سالوں میں دارالعلوم کے تمام طلباء میں نمایاں حیثیت رہی کسی بھی کتاب اور کسی بھی امتحان میں کوئی اور مجھ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے نہیں پایا۔ اِس پر مستزاد یہ کہ دارالعلوم کے سالانہ جلسہ میں طلباء کی نمائندگی کرتے ہوئے عربی زبان میں جو تقریر کیا کرتا تھا وہ مزید شہرت کا سبب بنی۔ تین سال یہیں پر اوسط درجہ تک کتابیں پڑھنے کے بعد اُس وقت کے جامعہ اشرفیہ واقع ہندو متروکہ بلڈنگ نیلا گنبد لاہور چلا گیا لیکن لیٹ پہنچنے کی وجہ سے داخلہ نہ مل سکا تو مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں داخلہ لیا لیکن اسباق میں تسلی نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ کر اُس وقت کے احسن المدارس واقع جامع مسجد الحنفیہ راولپنڈی میں جا کر داخلہ لیا اور مولانا اللہ بخش نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ اور سید عارف اللہ شاہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی نگرانی میں چند کتابیں پڑھ کر سالانہ ماہ رمضان کی تعطیلات میں دورہ تفسیر پڑھنے کے لیے وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ حضرت ابوالحقائق مولانا عبدالغفور ہزاروی کے درس تفسیر میں شامل ہوا۔ جس میں (40) شرکاءِ درس میں سے جن رفقاء کے نام مجھے یاد ہیں، اُن میں:

❶ پیر طریقت رہبر شریعت مولانا علاء الدین صدیقی مالک النور چینل انگلینڈ (حیات)۔
❷ مولانا عبداللہ شاہ (مرحوم) مہتمم مدرسہ انوار الابرار ملتان۔
❸ مولانا حافظ فضل احمد حال امریکہ۔
❹ مولانا شیخ الحدیث نور حسین شیخ الدرس جامعہ مراڑیاں شریف گجرات۔
❺ مولانا صادق شاہ کشمیری جن کی حیات وممات کا علم نہیں ہے۔
❻ پیر طریقت رہبر شریعت مولانا عابد حسین شاہ م (مرحوم) جو حضرت جماعت علی شاہ محدث علی پوری نارووال پنجاب کے سجادہ نشین تھے۔
❼ مولانا مفتی عبدالشکور جو حضرت ابوالحقائق نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ کے صاحبزادے تھے جو اَب

مرحوم ہو چکے ہیں۔

وزیر آباد کے دورہ تفسیر میں چالیس (40) دن کا دورانیہ کامیابی کیساتھ گزارنے اور امتیازی پوزیشن حاصل کرنے کے بعد دوسرے سال مولانا غلام رسول رضوی شیخ الحدیث و بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے درس میں شامل ہوا اِس دوران اُن سے استفادہ کرنے کے علاوہ اُس وقت کے متعدد مشاہیر علماء لاہور سے بھی مستفیض ہونے کا اچھا موقع مل گیا۔ تعلیمی سال یہیں پر کامیابی کے ساتھ گزارنے اور امتیازی پوزیشن پانے کے بعد حضرت استاذ العلماء دُنیائے تدریس کے تاجدار مولانا عطاء محمد چشتی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے درس میں سیال شریف حاضر ہوا یہیں پر ایک سال کامیابی کے ساتھ گزارنے کے بعد جب استاذ مکرم بندیال کو منتقل ہوئے اُن کی ہمراہی میں وہیں جا کر دو سال تک حضرت کی کفش برداری کی سعادت پائی۔ سیال شریف سے لے کر بندیال شریف تک اِس دورانیہ میں حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالحق بندیالوی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی، حضرت شیخ المعقولات والمنقولات مولانا غلام محمد تونسوی جیسے قابل فخر رفقاء درس کی معیت رہی، بحمدہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ ابتک یہ سب کے سب حیات ہیں، جو علمی امانت کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

درسِ نظامی کی آخری کتابوں کے اختتام پر غالباً 1961ء تھا، ملتان جا کر دورہ حدیث شریف کی تکمیل کے لیے شیخ الحدیث مولانا السید احمد سعید الکاظمی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے درس حدیث میں شامل ہوا، اُسی سال تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی بنیاد بھی رکھی گئی تھی جس کے صدر حضرت غزالی زماں اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام جہانیاں سکنہ ڈیرہ غازی خان مقرر ہوئے تھے اُن ہی کی کوششوں سے 1961ء میں تنظیم المدارس پاکستان کے زیرِ انتظام مدارس کے اُن طلباء کا تحریری امتحان لیا گیا تھا جو دورہ حدیث پڑھ کر فارغ تحصیل ہونے والے تھے وَن یونٹ کا زمانہ تھا موجودہ پاکستان کے چاروں صوبوں کو ملا کر مغربی پاکستان کہا جاتا تھا، سیاسی آزادی نہیں تھی،

فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان (مرحوم) کا دور تھا، ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) ایوب خان کے وزیر خارجہ تھے۔ تنظیم المدارس پاکستان کے اُس تاریخی امتحان میں مجھے ملک بھر سے فارغ تحصیل ہونے والوں میں پہلی پوزیشن پانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جس کے بعد میری تدریسی خدمات حاصل کرنے کیلئے جامعہ غوثیہ کہروڑپکا ملتان، جامعہ نعیمیہ لاہور، جامعہ سراج العلوم خانپور رحیم یارخان کے منتظمین ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے جبکہ میرے شیخ فی الحدیث حضرت غزالی زماں نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف مجھے اپنے مدرسہ انوار العلوم ملتان میں ہی مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن خانپور کے حافظ سراج احمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی طلب کو اپنی پسند پر ترجیح دیتے ہوئے مجھے خانپور ضلع رحیم یارخان بھیج دیا۔ جہاں پر تقریباً دو سال تک منتہی طلباء کو پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی جن میں سے مولانا سید محمد فاروق القادری سجادہ نشین خانقاہ قادریہ، گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یارخان، مولانا عزیز الرحمٰن درانی سکنہ خانپور، مولانا حافظ محمد خان، مولانا محمد احمد سکنہ خاص رحیم یارخان حال انگلینڈ، مولانا نذیر احمد حال مقیم مکہ معظمہ، مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم سکنہ دنین چترال کے نام اِس وقت یاد ہیں جبکہ حافظ سراج احمد مرحوم اور اُن کے صاحبزادے مولانا مختار احمد درانی مہتمم مدرسہ سراج العلوم جس اخلاص و محبت سے پیش آتے رہے، وہ اب بھی مجھے یاد ہے۔

1964ء میں جب جامعہ عباسیہ بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں تبدیل ہو کر تخصص فی التفسیر والحدیث کے لیے اُمیدواروں کو امتحان کے لیے بلایا گیا میں بھی اپنے شیخ فی الحدیث کی ہدایات کے مطابق سراج العلوم خانپور کی تدریس سے استعفیٰ دے کر اُس میں شامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی توفیق سے اُس تاریخی امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کی جس کا ملک بھر میں چرچا ہوا، سکالرشپ کے خصوصی اعزاز کے ساتھ تخصص فی التفسیر والحدیث کی کلاسوں سے مستفیض ہونے کے ابھی صرف چھ (6) ماہ گزرے تھے کہ جامعہ انوار العلوم ملتان کے طلباء نے کچھ داخلی سازشیوں کے دخل عمل سے ہنگامہ برپا کیا تو حضرت غزالی زماں نے حالات کنٹرول کرنے کے لیے شیخ

الدرس بنا کر انوار العلوم ملتان بھیج دیا۔ شبانہ وروز محنت کر کے جب یہاں پر خوشگوار علمی فضا قائم کرنے میں کامیاب ہوا تو یہاں کے کچھ کہنہ مشق سازشیوں نے میری سادگی اور نوجوانی کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھا کر اعتماد کا ایسا دھوکہ دیا کہ حضرت غزالی زماں اور مفتی مسعود علی القادری رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تعالٰی سے ہدایات لیے بغیر محض سازشیوں کے دھوکہ میں آکر موسم گرما کی تعطیلات کا اعلان کر دیا۔ میرا یہ فیصلہ نہ صرف دینی مدارس کے مزاج و روایت کے منافی تھا بلکہ ہر اعتبار سے نامناسب و غلط تھا مجھے اپنی اِس غلطی کا احساس تب ہوا جب حضرت غزالی زماں نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی طرف سے تفصیلی خط گھر کے پتہ پر وصول ہوا، جس میں اِس کے پس منظر سے مجھے آگاہ کرنے کے ساتھ اِس کو نوجوانی کی ناتجربہ کاری اور حاسدوں کی سازش سے بے علمی کا نتیجہ قرار دے کر مجھے جلد از جلد انوار العلوم واپس پہنچنے کا فرمایا گیا تھا۔ حضرت کا یہ مکتوب گرامی اُس وقت مجھے وصول ہوا جب میں بیماری سے نڈھال تھا اور علاج کے لیے میو ہسپتال لاہور جانے کی تیاری تھی جس کے بعد حضرت مفتی اعجاز ولی شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ لاہور نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی وساطت سے میو ہسپتال لاہور کے ایک بڑے ڈاکٹر جو پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم کے برادرِ محترم تھے جن کا نامِ گرامی یاد نہیں آ رہا۔ اللہ تعالیٰ اُس جہاں میں اُنہیں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے کی نگرانی میں زیرِ علاج رہا۔ تقریباً تین ماہ لاہور میں علاج کے اِس دورانیہ میں جامعہ نظامیہ لاہور میں بڑی کلاسوں کو چند اسباق بھی پڑھاتا رہا، اِس دوران مجھ سے استفادہ کرنے والوں میں سے قاری خوشی محمد مرحوم اور مولانا حکیم اللہ داوگی مانسہرہ (ابھی حیات ہے) کے نام اِس وقت یاد ہیں۔

علاج سے فائدہ نہ ہونے پر کچھ تجربہ کار حضرات کے مشورے اور حضرت غزالی زماں کی نگرانی میں حضرت کے ہمسایہ حکیم عطاء اللہ مرحوم سکنہ محلّہ قدیر آباد ملتان کے پاس پہنچا۔ نبض دیکھ کر اُنہوں نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ جگر کی حرارت حدِ اعتدال سے تجاوز کیے ہوئے

ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، ڈاکٹروں کی غلط تشخیص اور بے مصرف گرم دوائیوں نے ''جلتے پر تیل کا کام'' کیا ہے۔ انجام کار حکیم عطاء اللہ مرحوم کے علاج سے چند ہفتوں میں بیماری سے نجات پانے کے بعد تصوف کی جان ''فُصوص الحِکَم'' شریف پڑھنے کا دیرینہ شوق پورا کرنے کے لیے حضرت غزالی زماں کی اجازت سے مہر آباد شریف گوگڑاں، ضلع لودھراں امام الواصلین، افضل العاملین، سند الکاملین، جامع المعقول والمنقول سیدی وسندی ومرشدی امام شاہ نوّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی خدمت میں مہر آباد شریف پہنچا۔ صحیح النسب بخاری سادات کی یہ بستی کسی وقت ''چاہ نئی والا'' کے نام سے مشہور تھی، لیکن حضرت امام الواصلین کی علمی شخصیت، قال اللہ قال الرسول کی تعلیم و تبلیغ اور خلق خدا کی روحانی تربیت کی بدولت آہستہ آہستہ بستی کا نام تبدیل ہو کر سیدوں کی بستی مشہور ہونے لگی اور جس روز حضرت پیر مہر علی شاہ نوّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے اپنے چہیتے خلیفہ کی احوال پرسی کے لیے یہاں پر قدم رنجہ فرمایا اُس دن سے اِس کا نام مہر آباد شریف پڑ گیا اور یہ دلکش نام اتنا مشہور ہوا کہ نئی نسل کو پرانے نام کا پتہ ہی نہیں ہے یہیں پر ڈیڑھ ماہ میں حضرت امام الواصلین نوّرَ اللہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف سے فصوص الحکم شریف کا درس سبقاً سبقاً پڑھا۔ درس کے اختتام پر عید الفطر کی صبح کو عید گاہ جانے سے قبل اپنے مبارک ہاتھوں سے میری دستار بندی فرمائی۔ یہاں پر اگر مہر آباد شریف میں قیام کے دوران حضرت کے لیل ونہار کے حوالہ سے اپنے حسین مشاہدات کا تذکرہ کروں یا فصوص الحکم شریف کے درس کے حوالہ سے فیوضات و برکات اور مکاشفات کی تفصیل میں جاؤں تو اِس سے مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن میں نے یہیں پر اپنے ماضی کے جھروکوں کی صرف اور صرف اجمالی جھلک ضبط تحریر میں لانے کے سوا اور کچھ نہ کرنے کا التزام کیا ہوا ہے ورنہ مہر آباد شریف سے میری کافی سے زیادہ حسین یادیں وابستہ ہیں۔ تاہم فرمانِ الٰہی ''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ''(۱) پر عمل کرتے ہوئے اِس حقیقت

۱۔ الضحیٰ، 11۔

کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت کے فیض رساں درس میں فصوص الحکم شریف پڑھنے کے بعد شرح صدر کی وہ توفیق مجھے میسّر ہوئی جس کے بعد الٰہیات کے مشکل سے مشکل مسائل آسان ہونے لگے، درسِ نظامی کے جملہ فنون و کتب میں پوشیدہ رموز کا عقدہ کھلنے لگا اور بالخصوص قرآن وسنت کے معارف تک رسائی کی سبیل میسر ہوئی جسکے بعد فتاویٰ درالمختار کی اُس بات پر مجھے حق الیقین کا درجہ حاصل ہوا جو اُنہوں نے امام مجدالدین فیروز آبادی صاحب القاموس فی اللغۃ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وَمِن خواص کُتُبِہ اَنّ مَن واظَبَ علی مطالعتھا انشرَحَ صدرُہ لفَكِّ المُعضلاتِ وَحَلِّ المشكلات''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتابوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو ہمیشہ اُن کا مطالعہ کرتا ہے اُس کو لاینحل اور مشکل مسائل کا عقدہ کھولنے کے لیے شرح صدر کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

اِس کے بعد حضرت غزالی زماں نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی طرف سے جامعہ غوثیہ سکھر جاکر شیخ الدرس کا منصب سنبھالنے کا حکم ملا۔ تقریباً دو سال تک وہیں پر حضرت مولانا مفتی محمد حسین قادری نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی نگرانی میں خدمات انجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اِس دوران حضرت مفتی صاحب مرحوم کی کمالِ شفقت ومحبت کیساتھ نواب وحید احمد خان ایڈوکیٹ مرحوم کا اخلاص اور حاجی محمد یعقوب مرحوم اور اُن کے بیٹوں کی میری ساتھ محبت بھولنے کی چیز نہیں ہے۔

یہاں پر مجھ سے درس پڑھنے والے حضرات میں صرف مولانا شمیم الحسن القادری حال خطیب کشمور، مولانا محمد فاروق مرحوم، مولانا مفتی محمد شریف خطیب روہڑی سکھر، مولانا حبیب احمد شیخ

۱۔ فتاویٰ الدرالمختار، ج 1، ص 358، مطبوعہ مجتبائی دھلی۔

الحدیث جامعہ نوریہ کوئٹہ بلوچستان کے نام یاد ہیں۔

بعدازاں حضرت غزالی زمان کی ہدایات کے مطابق جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور کی بنیاد 31 دسمبر 1966ء کو رکھ کر حسب استطاعت مذہبی خدمات انجام دے رہا ہوں۔اب تک میرے حلقہ درس سے بلاواسطہ علم وعمل کی تربیت حاصل کرنے کے بعد نمایاں خدمات انجام دینے والے حیات حضرات میں مندرجہ ذیل کے نام یاد ہیں:

(1) مولانا ڈاکٹر صدیق علی چشتی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔

(2) مولانا سید محمد فاروق القادری، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ غفوریہ گڑھی اختیار خان، ضلع رحیم یار خان۔

(3) مولانا شاہ منیر چشتی، شیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ جنیدیہ کارخانو خیبر روڈ پشاور۔

(4) مولانا سید محمد عرفان المشہدی خطیب یورپ۔

(5) مولانا حبیب احمد نقشبندی شیخ الحدیث جامعہ نوریہ کوئٹہ بلوچستان۔

(6) مولانا محمد قاسم چشتی شیخ الدرس دارالعلوم جامع مسجد العربی النہان، خاران بلوچستان۔

(7) مولانا مفتی غلام صدیق قادری خطیب اعظم کوہ دامن اضاخیل متنی سرحد۔

(8) مولانا محمد صدیق نقشبندی شیخ الدرس دارالعلوم غوثیہ خالو غازی ہری پور۔

(9) مولانا پیر سید شیخ الدرس دارالعلوم قادریہ غفوریہ طارق آباد سوات۔

(10) مولانا قاری محمد انور بیگ امجدی چشتی قادری خطیب الجامع السنہری مسجد پشاور و مہتمم مدرسہ حدیقۃ القرآن پشاور۔

(11) مولانا محمد یعقوب القادری خطیب بروٹھہ اٹک۔

(12) مولانا سید منیر اللہ شاہ قادری خانقاہ قادریہ گڑھی بلوچ پشاور۔

(13) مولانا محمد درود پکتیا افغانستان

(14) مولانا محب الرحمٰن فاروقی ملکھو چترال۔

(15) مولانا قاری عطاء اللہ خطیب بلیم چترال۔

(16) مولانا جہاں شاہ رائین چترال۔

(17) مولانا محمد ضیاء الدین کراچی، اُستاذ جامعہ وقاریہ نارتھ ناظم آباد کراچی۔

(18) مولانا اخونزادہ عبدالرحمٰن لوگرا افغانستان۔

(19) مولانا سید محمد صدیق بخاری خطیب شاہور جنوبی وزیرستان۔

(20) مولانا سید افضل مہتمم مدرسہ اسلامیہ حیات العلوم جلال آباد افغانستان۔

(21) مولانا حبیب اللہ خان شیخ الدرس دارالعلوم قادریہ اسبنڑ لوئر دیر۔

(22) مولانا عزیز الرحمٰن درانی خان پور ضلع رحیم یار خان۔

(23) مولانا نعمت اللہ استاذِ جامعہ شمس العلوم نقشبندیہ خاران بلوچستان۔

(24) مولانا شادی خان چشتی خطیب ڈوڈا لکی مروت۔

(25) مولانا صاحبزادہ عبدالولی مہتمم مدرسہ جامعہ مومنیہ قادریہ ماشوگگر ضلع پشاور۔

(26) مولانا صاحبزادہ حمدُاللہ سجادہ نشین حاجی محمد امین عمرزئی چارسدہ۔

(27) مولانا میاں محمد عمر انبار مہمند ایجنسی۔

(28) مولانا محمد اسحاق صدیقی شیخ الدرس فیضان مدینہ ایبٹ آباد۔

(29) مولانا الشیخ محمد عبداللہ خطیب داوٗدزئی پشاور۔

(30) مولانا محمد صاحب الحق کٹھانہ پاتراک کوہستان ضلع دیر۔

(31) مولانا عبدالقادر چشتی خطیب کالام ضلع سوات۔

(32) مولانا احسان الملک باچا خطیب راموڑہ چکدرہ۔

(33) مولانا صاحبزادہ فضلِ منان خطیب کوہاٹ۔

(34) مولانا نور عزیز چشتی لیکچرار ڈگری کالج بروک وسپور چترال۔

(35) مولانا حبیب اللہ چشتی خطیب پڑانگ غار تنگی۔

(36) مولانا کلیم اللہ اُستاذ دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور۔

(37) مولانا قاری محمد حکیم مہتمم وخطیب جامعہ نجم النساء، گلبہار پشاور،......الحمدللہ علی توفیقہ اِفاضہ وتربیت کا یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

عمر کی اِس منزل میں ماضی کے نشیب وفراز کے آئینہ سبق سے جن تلخ وشیرین تجربات کا احساس کرر ہا ہوں اُنہیں آئندہ کی امانتِ حیات کو بامقصد بنانے کے لیے رہنما اُصول سمجھ کر سفرِ حیات طے کرر ہا ہوں، جن کی کچھ جھلکیاں یہ ہیں۔

جوانی کی عمر میں جو کام مجھے کرنے چاہئے تھے اور جن کو بہتر انداز میں انجام دے سکتا تھا وہ نہ کر پایا، جس کی سب سے بڑی وجہ مذہبی تعصب سے آلودہ معاشرہ ہے، تحقیق دشمن ماحول اور محدودیت کا زندان ہے، سیاست ناآشنا معاشرہ کا حصہ ہونا ہے، اپنے وجود میں موجود خداداد صلاحیتوں سے بے اعتنائی اور زنگ آلود ماحول کی خرابی سے ناتجربہ کاری تھی۔اے کاش! عمر کی اِس منزل میں پہنچ کر تجربہ کی جو روشنی محسوس کرر ہا ہوں یہ اگر جوانی میں مجھے حاصل ہوتی تو ع

ہم بھی آدمی تھے بڑے کام کے

○ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا بے حد احسان ہے کہ عصبیت کے اُس حصار سے نکال کر حق پرستی، حق جوئی اور حق بینی کی شاہراہِ استقامت پر چلنے کی توفیق دی، لقمۂ حلال نصیب فرمایا، صبرو استقامت اور قناعت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

○ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت مجھ پر یہ بھی ہوئی کہ ابناءِ جنس کی روش کے برعکس کسی مذہبی ادارہ، انجمن، مدرسہ اور کسی بھی فورم کو حصولِ دُنیا کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ عائلی مصارف سے اضافی وسائل کو دینی مدرسہ سے لے کر تبلیغِ حق کی راہ میں صرف کرنے کی توفیق شاملِ حال رہی، تقریر سے لے کر تحریر تک اور خطابت سے لے کر تدریس تک حسبِ استطاعت جس کی توفیق مل رہی ہے۔اُسے دُنیاوی لالچ، شہرت، معاوضہ، نام ونمود وغیرہ کسی بھی دُنیوی مفاد سے بالاتر رہ کر حسبۃً للہ انجام دینے کی بھی توفیق مل رہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

احسان دراحسان اور کرم بالائے کرم سمجھتا ہوں۔

○ رب کریم ﷻ کی مجھ پر خصوصی عنایت یہ بھی رہی کہ قناعت کی توفیق سے مجھے نوازا ہے کہ عائلی زندگی میں مابہ الکفاف سے زیادہ کی خواہش کبھی نہیں کی۔ ضروریاتِ زندگی کے تمام گوشوں میں کفایت شعاری کی اِس توفیق کا ثمرہ ہے کہ کئی بار گزراوقات مشکل سے ہونے کے باوجود کسی کو بھی اپنی بے استطاعتی پر مطلع ہونے نہیں دیا، اپنے کسی بھی قریبی دوست احباب اور عقیدت کیشوں کا زیرِاحسان نہ ہوا، ہر حال میں ورثۂ نبوت، محراب ومنبر کے تقدس اور علمی وقار کے تحفظ کو پیشِ نظر رکھا۔ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے قائم کردہ دارالعلوم کے مصارف کے لیے حکومتی امداد یا اہلِ ثروت کی زکوٰۃ وخیرات کو بھی کبھی خاطر میں نہیں لایا، دُنیا سے استغناء کی یہ توفیق رب کریم جَلَّ جَلَالہٗ وعم نوالہ کی مجھ پر خصوصی عنایت کے سوااور کچھ نہیں ہے ورنہ ؎

مَن انم کہ مَن دانم

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَصَحَابَتِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وَاَنَا الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ

پیر محمد

چِشْتِي طَرِيْقَةً، وَالْحَنَفِي مَسْلَكًا، وَالْمُسْلِم مَذْهَبًا،

وَالْچترالِي مولدًا، وَالْبِشَاوَرِي مَسْكَنًا

☆☆☆☆☆
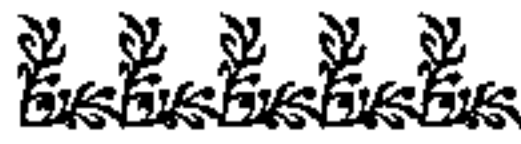
میری زندگی کے کتنے حسین لمحات تھے وہ جب میں حضرت امام الواصلین جامع المعقول والمنقول، ظاہری و باطنی علم کے بحرِ ذخار مولانا و مرشدنا و مربینا سید امام شاہ نَوَّرَاللّٰہُ تَعَالٰی مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے حضور مہر آباد شریف میں درسِ تصوف لے رہا تھا۔ حضرات صاحبزدگان والاشان سید نصر الدین شاہ، سید فخر الدین شاہ، حافظ سید قمر الدین شاہ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی راہِ طریقت کا ایک مسافر سمجھ کر میری خدمت کر رہے تھے، ویسے تو مہر آباد شریف کے پیرزادگان کے ایک ایک فرد کا میں احسان مند ہوں کہ سب نے میرا خیال رکھا ہے، خدمت کی ہے اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے جبکہ حضرت صاحبزادہ والاشان سید اصغر علی شاہ مدظلہ کی خدمات و مہربانیوں کا حساب ہی بے حساب ہے، جنہوں نے میرے قیام و طعام کا خاص خیال رکھا (فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآءِ)۔ یہاں پر میں حضرت امام الواصلین کے تلامذہ کے سلسلہ میں خادمِ خاص حافظ اللہ دتہ کی خدمات کا تذکرہ نہ کروں تو بے انصافی ہوگی جنہوں نے میرے کپڑے دھونے اور استری کرنے کا ذمہ اُٹھایا ہوا تھا۔ معلوم نہیں کہ اب وہ وفات ہیں یا زندہ اگر وفات ہوں تو اللہ تعالیٰ اُس جہاں کی راحتیں اُنہیں نصیب فرمائے اور اگر حیات ہوں تو جہاں پر بھی ہوں اللہ تعالیٰ اُنہیں خوش رکھے اور ایمان کی سلامتی نصیب فرمائے۔

حقیقت یہ ہے کہ درس تصوف کے لیے مہر آباد شریف قیام کے حوالہ سے کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو بھلایا جا سکے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت صاحب کے درسِ تصوف اور خاص کر فصوص الحکم شریف کے درس کے حوالہ سے اپنے مشاہدات کی ایک جھلک قارئین کی نذر کروں۔ تعلیم و تربیت کے حوالہ سے حضرت کی حکمتِ عملی کی ایک مثال یہ ہے کہ ہر شاگرد کو درس شروع کرنے سے پہلے اخلاقِ رذیلہ سے اُس کے دل و دماغ کو پاک کرنے کی کوشش کرتے تھے جو اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ

کا نمونہ تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ''(۱)

حضرت امام الموحدین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيف کی تصریحات کے مطابق آیاتِ قرآنی کی ترتیب تقاضائے فطرت کا عکس ہوتی ہے۔ اِس آیت کریمہ میں کتاب وحکمت کی تعلیم دینے سے پہلے تزکیۃ النفس کو مقدم رکھنے کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ تزکیہ کا رُتبہ تحلیہ سے مقدم ہے یہ اِس لیے کہ تعلیم وتربیت سے روحانی ترقی وزینت حاصل ہوتی ہے اور یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب انسان کا نفس امارہ سے نکل کر مطمئنہ بن جائے جس کی دست آوری خود کو اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اہل طریقت کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اپنے متوسلین ومتبعین کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرتے ہیں بعدازاں اُنہیں اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم وتربیت دیتے ہیں کیوں کہ گندے برتن میں دودھ نہیں ڈالا جاتا بلکہ غلاظت وگندگی سے برتن کو دھوکر پاک و صاف کرنے کے بعد ہی اُس میں دودھ ڈالا جاتا ہے۔

اہل طریقت کی تعلیمات کے مطابق حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں تعلیم وتربیت کرنے والے کاملین کی مثال دودھ پلانے والوں کی ہے اور تعلیم وتربیت پانے والوں کی مثال دودھ پینے والوں کی ہے اور تعلیم وتربیت پانے سے پہلے اخلاقِ رذیلہ سے آلودہ حضرات کی مثال غلاظت سے آلودہ برتن کی ہے جسے پاک وصاف کیے بغیر اُس میں دودھ نہیں ڈالا جاتا۔ اِسی طرح کاملین اہل طریقت بھی اپنے شاگردوں اور متبعین کو اخلاقِ رذیلہ کی گندگی سے جب تک پاک وصاف نہیں کرتے اُس وقت تک تعلیم وتربیت نہیں دیتے۔ صحابی رسول حضرت سیدنا انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث کی کتابوں میں روایت آئی ہے جس کے مطابق اللہ کے حبیب سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ

(۱) آل عمران:164۔

الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ"(۱)

یعنی تعلیم وتربیت کا متلاشی رہنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور نا اہل کو تعلیم وتربیت دینا ایسا ہے جیسا خنزیر کو سونے اور موتیوں کے جواہرات کا ہار پہنانا۔

کون نہیں جانتا کہ خنزیر ہار پہنانے کا اہل نہیں ہوتا، اِسی طرح اخلاقِ رذیلہ کے خنزیر کو مارے بغیر تعلیم وتربیت بے مصرف ہوتی ہے اور اخلاقِ رذیلہ کی مختلف شکلوں میں تکبر سب سے بڑی بلا ہے، تعلیم وتربیت قبول کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور نفس امارہ کی سب سے بڑی مثال ہے (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ)۔ امام مصلح الدین السعدی الشیرازی نے سچ فرمایا:

تکبر عزازیل را خوار کرد — بزندانِ لعنت گرفتار کرد

ذواتِ قدسیہ اور نفوسِ معصومہ کے سوا ہر انسان میں کچھ نا کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں جن سے چھٹکارا پانے کے لیے راہِ سلوک اختیار کیا جاتا ہے چاہے فرضی ہو یا نفلی، میں بھی دوسرے سالکین راہِ حق کی طرح درسِ نظامی کی تکمیل کرنے کے بعد راہِ سلوک کا مسافر بنا۔ حافظ نذیر احمد صاحب کی معیت میں مہرآباد شریف حضرت امام الواصلین کی خدمت میں حاضر ہوا، سوچا تھا کہ اگر حضرت پیر امام شاہ صاحب شیخ محی الدین ابن عربی کی فصوص الحکم شریف مجھے پڑھانے میں کامیاب ہوئے تو اُنہیں راہِ حق کے عارف وکامل تسلیم کروں گا۔ علم کے حوالہ سے میری خود بینی اور عجب وتکبر کو زائل کرنے کا جوہر دکھایا، تو اُنہیں منصب ارشاد کے اہل سمجھوں گا اور آیت کریمہ "وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" کے مطابق اُسوۂ نبوی ﷺ کا مظہر پایا تو اُن کے مرید بامراد ہو کر دست بیعت ہو جاؤں گا۔

حضرت کی حکمت کہیں یا کرامت:۔

جب مجھے فصوص الحکم شریف کا پہلا درس پڑھانے لگے تو فصوص الحکم شریف کے پورے خطبہ کی عبارت پڑھنے کا فرمایا۔ میں نے عبارت پڑھی حضرت نے پوری توجہ کے ساتھ سُنی اختتام پر

(۱) سنن ابن ماجه، ج:1، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔

تشریح وتقریر شروع کرانے سے پہلے دستِ دُعا بلند فرمایا اور اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ سے بہت سی التجائیں کی میں اُس وقت اگرچہ سرائیکی زبان نہیں سمجھتا تھا تاہم اتنا محسوس کیا کہ یہ سب کچھ میرے لیے ہو رہا ہے کہ مجھ میں موجود خود بینی وتکبر کی نجاست کو زائل کر کے مجھے روحانی تعلیم وتربیت دینے کے قابل بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی جا رہی ہے، دُعا سے فارغ ہونے کے بعد سب سے پہلے فصوص الحکم شریف کے اولین جملہ "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ مُنَزِّلِ الحِکَمِ عَلَی قُلُوْبِ الْکَلِمِ بَاَحَدِیَةِ الطَّرِیْقِ الْاَمَمِ مِنَ الْمَقَامِ الْاَ قْدَمِ وَاِن اخْتَلَفَ النِّحَلُ وَالْمِلَلُ لِلِاخْتِلَافِ الْاُمَمِ" کے بنیادی حصہ "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ مُنَزِّلِ الحِکَمِ عَلَی قُلُوْبِ الْکَلِمِ" کی صحت سے متعلق پوچھا کہ یہاں پر اسم جلالت موصوف اور مُنَزِّلِ الْحِکَمِ الی آخر الجملہ اُس کی صفت ہے جبکہ صفت اور موصوف کے مابین مطابقت ضروری ہے جبکہ یہاں پر "مُنَزِّل" کی اضافت "حِکَم" کی طرف اضافت لفظی ہے جو مفید تعریف نہیں ہوتی تو پھر اسم جلالت جیسے اعرف المعارف کے لیے صفت واقع ہونے کا کیا جواز ہے؟

سوال کی نوعیت پر میں نے ہر طرف سے نظر دوڑائی بظاہر اُسے ناقابل انکار سمجھا لیکن جواب سے اپنے آپ کو ایسا ہی عاجز پایا جیسے لفظ "یقطین" کی حقیقت سے متعلق میر سید السند کی طرف کیے جانے والے سوال کے جواب سے امام سعد الدین تفتازانی عاجز ہوا تھا۔

حضرت کا یہ اندازِ اصلاح دراصل میرے لیے تنبیہ تھا کہ کتابوں میں پڑھا ہوا علم توفیقِ عرفان کے بغیر کارآمد نہیں ہے، مفید مقصد نہیں ہے اور پیش آنے والی علمی پیچیدگیوں کا علاج نہیں ہے حالاں کہ علم نحو کی کتابوں میں پڑھا ہوا مسئلہ اچھی طرح مجھے یاد تھا کہ اضافت لفظی وہ ہوتی ہے جس میں صیغہ صفتی اپنے معمول کی طرف مضاف ہو اور یہ بھی یاد تھا کہ اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے شرط ہے کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو اِس کے ساتھ علم کلام کی کتابوں میں پڑھا ہوا یہ مسئلہ بھی یاد تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہر فعل اور اُس وحدہ لاشریک کی ہر صفت اُس کی شان کے لائق ہوتی ہے جب اُس کی ذات زمانہ کے کسی خاص حصہ میں مقید نہیں ہے تو پھر اُس کے افعال وصفات

بھی ماضی و حال اور مستقبل کی قید و بند سے آزاد و ماوراء ہیں یہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود اصل سوال کا جواب سمجھنے سے قاصر رہا کہ جب لفظ "مُنَزِّلِ الْحِکَمِ" اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کی بناء پر زمانہ حال واستقبال کی قید میں مقید نہیں ہے تو پھر اضافت لفظی کہاں رہی جب اضافت لفظی نہیں تو پھر اضافت معنوی متعین ہو جاتی ہے کیوں کہ نفسِ اضافت جنس ہے جو اضافت لفظی و معنوی جیسے دو متضاد انواع میں منحصر ہے جن میں سے ایک کا ہونا دوسرے کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح ایک کا نہ ہونا آپ ہی دوسرے کے متعین ہونے پر دلیل ہے۔ ایسے میں فصوص الحکم شریف کے دیباچہ کی یہ عبارت ایسے ہی درست و بے غبار قرار پاتی ہے، جیسے سُوَرِ قرآنی کے دیباچہ کا آغاز "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" بے غبار ہے، یعنی جیسے "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اور "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" کا اسم جلالت کے لیے صفت واقع ہونا ظاہری صورت کی بناء پر نہیں بلکہ معنوی حقیقت کی بنیاد پر ہے اسی طرح فصوص الحکم کی عبارت "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُنَزِّلِ الْحِکَمِ" میں بھی لفظ "مُنَزِّلِ الْحِکَمِ" کا اسم جلالت کے لیے صفت ہونا ظاہری صورت کے بجائے معنوی حقیقت پر استوار ہے جس کے اشباہ ونظائر کے سلسلہ دراز میں سورۃ غافر شریف کی ابتدائی آیات "تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ o غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ"(۱) بھی ہے جن میں بندوں کے حق میں اضافتِ لفظی اور نکرہ قرار پانے والی شکلیں اللہ تعالیٰ کے لیے اضافت معنوی اور معرفہ ہیں۔

الغرض حضرت الاستاذ نَوَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَرْقَدَهُ الشَّرِیْف کی طرف سے مجھ پر کیے گئے سوال کا جواب دینے سے عاجزی نے مجھے تنبیہ کی کہ میں ابھی خام ہوں، اندھوں میں کانا سردار رہ کر عُجب و تکبر کا اسیر اور بے عرفان ہوں اور میں نے سمجھ لیا کہ حضرت نے اِس اندازِ تنبیہ سے میری اصلاح کی سمت متعین کی ہے اور کتابوں میں پڑھے ہوئے علم کو منتہائے علم سمجھنے کے گھمنڈ و تکبر سے مجھے بچانے کی سبیل نکالی ہے تاکہ تکبر جیسے کبیرہ گناہ کی آلودگی سے تطہیر و تزکیہ کرنے کے بعد تعلیم و تربیت

---

(۱) غافر:2-3۔

کے قابل بنا سکے کیوں کہ تعلیم وتربیت کے ذریعہ تحلیہ کی زینت دینے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے گناہ سے تطہیر وتزکیہ ہو ورنہ گندے برتن میں دودھ ڈالنے کی طرح سب کچھ ضائع ہو سکتا ہے جس سے بچنے کے لیے راہِ سلوک کے جملہ کاملین نے منازلِ سلوک میں سے توبہ کو منزل اول قرار دیا ہے جس پر عمل کرتے ہوئے میرے اُستاذ ومرشد نے بھی فصوص الحکم شریف کے پہلے سبق میں ہی مجھے منزل توبہ کا مسافر بنا دیا ہے جسے حضرت کی حکمت عملی اور حسن تربیت کا کرشمہ بھی کہا جا سکتا ہے اور کرامت بھی یہ ہے حضرت کے درسِ عرفان وتصوف کی ایک جھلک۔ باقی رہا یہ سوال کے حضرت نے اپنی طرف سے اُٹھائے جانے والے سوال کا، جس کا جواب میں نہ دے سکا، کیا جواب دیا اور علم الکلام والعرفان اور فصوص الحکم شریف کے اِس اولین جملہ میں چھپے ہوئے عرفان درعرفان کے کن کن موتیوں سے میرے دامن بھر دیئے۔ وارد ہونے والے اشکال کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ:

''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کا اسم جلالت کے لیے صفت ہونے سے لے کر حضرت شیخ محی الدین کے اِس اندازِ کلام تک اور ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' سے لے کر ''غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ'' جیسے مقاماتِ مقدسہ تک بظاہر اضافت لفظی دکھائی دینے والے یہ الفاظ حقیقت میں اضافت لفظی نہیں بلکہ معنوی ہیں کیوں کہ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہونے کی وجہ سے حال واستقبال کی قید میں مقید ہونے سے پاک وماوراء ہیں اپنے موصوف یعنی ذات باری تعالیٰ کا دائم الوجود والاستمرار ہونے کی طرح یہ بھی ہمیشہ سے قائم ودائم ہیں جن میں انقطاع نام کی کوئی چیز نہیں ہے ماضی میں نہ حال اور نہ استقبال میں جبکہ اضافت لفظی میں صیغہ صفتی اپنے معمول کی طرف مضاف ہوتا ہے اور صیغہ صفتی کے عمل کے لیے بمعنی حال یا بمعنی استقبال ہونا شرط ہے اور شرط کے بغیر مشروط کا وجود ممکن نہیں ہوتا لہٰذا اِن کے اور اِن کے مضاف الیہ کے درمیان عامل ومعمول والا تعلق بھی نہیں ہوگا۔ ایسے میں اِن کی نحوی اور بلاغی حیثیت اضافت معنوی کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اضافت معنوی مفید تعریف ہوتی ہے جس وجہ سے اِن سب کا اِسم جلالت کے لیے صفت واقع ہونا درست ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ راہِ طریقت کے ہر

سالک کے لیے پانچ چیزوں کو جاننا ضروری ہے:

❶ ذاتُ اللہ تعالیٰ۔ ❷ افعال اللہ تعالیٰ۔ ❸ صفاتُ اللہ تعالیٰ۔

❹ اسماءُ اللہ تعالیٰ۔ ❺ احکامُ اللہ تعالیٰ۔

ذاتِ الٰہی کی پہچان بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مطابق اِس طرح ہے کہ وہ واجب الوجود ہے کہ اُس کا وجود ضروری اور عدم محال ہے اور اُس کا وجود عین ذات ہے اور ازلی ہے کہ ابتداء نہیں ہے اور مسبوق بالعدم نہیں ہے، اَبَدی ہے کہ انتہا نہیں ہے، سب کا خالق و مالک اور مربّی ہے، سب اُسی کے محتاج اور وہ سب کے لیے محتاج الیہ علی الاطلاق ہے۔ سب اُسی کے ساتھ مربوط ہیں جس کے بغیر کچھ نہیں ہے وہ سب کے ساتھ ہے جبکہ محسوس و معقول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْاَبْصَارَ''(۱)

وہ اول بلا ابتداء ہے، آخر بلا انتہا ہے، ظاہر غیر محسوس اور باطن ماوراء العقل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُوَالظَّاهِرُوَالْبَاطِنُ وَهُوَبِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ''(۲)

کوئی جگہ، کوئی مجلس اور گفتگو نہیں ہے جس میں اُس کی ماوراء العقل والحس ذات موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مَايَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّاهُوَرَابِعُهُمْ وَلَاخَمْسَةٍ اِلَّاهُوَسَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَااَكْثَرَاِلَّاهُوَمَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا''(۳)

اور فرمایا: ''وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْتُفِيْضُوْنَ فِيْهِ''(۴)

---

(۱) الانعام:103۔

(۲) الحدید:3۔

(۳) المجادلة:7۔

(۴) یونس:61۔

نیز فرمایا: ''هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُوْنَ فِيهِ''(۱)

کل ممکنات کی جملہ حقائق میں جلوہ فرمائی کرنے والی اس ذات کی لامتناہی حیثیات و اعتبارات ہیں جن میں سے ایک اُس کی پہچان کی حیثیت بھی ہے جس سے اسماء الحسنیٰ وجود میں آئے ہیں جو بنیادی طور پر 99 ہیں جبکہ اِن میں سے ہر ایک سے لامتناہی اسماء وجود پاتے ہیں اور ہر اسم کے مظاہر بھی ایک دوسرے سے ایسے ہی جدا ہیں جیسے مختلف انسان ہزار ہا چیزوں میں شریک ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے جدا ہیں اور حقائق کائنات میں پائے جانے والی ظاہری چیزیں چاہے مبصرات ہوں یا مسموعات، مشمومات ہوں یا ملموسات اور مذوقات ہو یا وجدانیات یہ سب کے سب ذاتِ الٰہی کی پہچان کی خاص حیثیت یعنی اسم ''اَلظَّاهِرُ'' کے مظاہر و جلوے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ مستقل جہاں ہے کہ اس کے دائرہ وسعت کا احاطہ کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ جتنا اُس وحدہ لاشریک کی توفیق ہو جبکہ دنیائے کائنات کی حقائق میں پائے جانے والی باطنی چیزیں یعنی معقولات و فطریات اور وجدانیات یہ سب کے سب ذاتِ الٰہی کی پہچان کی دوسری حیثیت یعنی اسم اللہ ''اَلْبَاطِنُ'' کے مظاہر و جلوے ہیں۔ پہلے طبقہ کی طرح اِس کے جزئیات کی وسعت کا احاطہ بھی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے مگر جس حد تک اُس کی توفیق شامل حال ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَآءَ''(۲)

چڑیا کو دریا سے پانی لیتے ہوئے دیکھ کر حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

''اِنِّی عَلٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهُ يَامُوْسٰی مَانَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا

(۱) الاحقاف:8۔

(۲) البقرة:255۔

اَلْعُصْفُوْرِفِی الْبَحْرِ ''(۱)

اسم ''اَلظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ'' کے یہ مظاہر وجلوے زمرہ ممکنات میں ہونے کی وجہ سے اِن میں سے بعض انسانوں کی نگاہ میں اور بعض طبعی تقاضوں کی بِنا پر جبکہ بعض زمانہ کے اعتبار سے اول و آخر بھی کہلاتے ہیں جو اپنی جگہ مستقل حقیقت ہے اِس حوالہ سے پہچانے جانے والے جملہ حقائق بالترتیب اِسم اللہ (اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ) کے مظاہر وجلوے ہیں۔

حقائق الاشیاء کی اِس ترتیب یا اِن حیثیات سے پہچان کا جو سلسلہ دنیا میں جاری ہے یہ سب کچھ ذات اللہ کے کرشمے ہیں، اُس کی ہستی اور اُس کے وجود کی دلیل ہیں چاہے اَنفسی کہلائیں یا آفاقی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''سَنُرِیْهِمْ آیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ ''(۲) کیوں کہ ذاتِ الٰہی اگر نہ ہو تو اُس کے اسماء کا تصور نہیں رہے گا جب اسماء کا تصور نہیں ہوگا تو اسماء اللہ کے اِن مظاہر کا تصور نہیں رہے گا جب اِن مظاہر کا وجود و تصور نہیں ہوگا تو پھر ذات اللہ کی پہچان ممکن نہیں ہوگی کیوں کہ ذاتِ الٰہی کے بغیر اِن کا وجود ممکن نہیں ہے جبکہ اِن کے بغیر ذاتِ الٰہی کی پہچان ممکن نہیں ہے یعنی اگر وہ نہ ہو تو یہ کہاں سے ہوں گے اور یہ نہ ہوں تو پھر اُس کی پہچان کدھر سے ہوگی:

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آیَۃٌ   تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی حقائق الاشیاء کی ایک ایک چیز اپنے وجود میں ذاتِ الٰہی کی محتاج ہونے کی بنا پر اُس کی وحدانیت پر دلالت کر رہی ہے کہ اصل وجود اُسی کا ہے باقی سب اُسی کے فروع وعکوس ہیں، اُسی کے سایے اور اُسی کے مظاہر وجلوے ہیں۔ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) بخاری شریف کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم فیکل العلم الی اللہ تعالیٰ۔

(۲) فصلت:53۔

"اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَااھْتَدَیْنَا، وَلَاتَصَدَّقْنَاوَلَاصَلَّیْنَا" (۱)

اے اللہ! اگر تیری ہستی نہ ہوتو ہم ہوسکتے ہیں نہ ہماری نماز وصدقہ جیسی کوئی نیکی۔

ذاتِ الٰہی کی انسان کو پہچان ہونے کے وسائل میں اسماء الٰہی کے اِن مظاہر کے علاوہ کچھ صفات بھی ہیں جن کے مفہوم کا تعین اسماء الٰہی کے اِن مظاہر کی طرف اضافت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جیسے علیم، سمیع، بصیر، قدیر، مرید، متکلم جیسے اوصاف حقیقیہ میں ہوتا ہے کہ مظاہر میں سے کسی چیز کی طرف اضافت کے بغیر صفت علم متعین ہوسکتی نہ کسی مسموع کی طرف مضاف ہوئے بغیر صفتِ سمع اِسی طرح مظاہر میں سے کسی کی طرف منسوب ہوئے بغیر صفتِ بصارت پہچانی جاسکتی ہے نہ کسی مقدور کی طرف منسوب ہوئے بغیر صفتِ قدرۃ علی ہٰذ القیاس صفتِ کلام اور صفت تکوین بھی ہیں کہ ذاتِ الٰہی کے اسماء میں سے کسی اسم کے مظہر کے بغیر صفت "کُنْ فَیَکُوْنُ" کا تشخص ممکن ہوسکتا ہے نہ صفتِ کلام کی کسی اور شکل کا۔

جیسے اسماء اللہ اور اُن کے مظاہر کے وسیلہ سے ذاتِ الٰہی کی اِن صفات کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔اِسی طرح اِن صفات کے وسائل سے افعال اللہ کی پہچان بھی ممکن ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِی اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ" (۲)

یعنی یہ کام اللہ کا ہے جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔

اللہ تعالیٰ کا ہر کام جو مظاہرِ اسماء کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، ذاتِ الٰہی کا مستقل بالوجود اور واحد فی الوجود ہونے پر بھی دلیل ہوتا ہے۔نہ صرف زمین وآسمان کے اِس نظام کو بحال رکھنا اور آیت کریمہ "لَوْ کَانَ فِیْھِمَا آلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا" (۳) کا مفاد بلکہ تفصیل کے

(۱) بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر۔

(۲) النمل:88۔

(۳) الانبیاء:22۔

درجہ میں ذاتِ الٰہی کے ہر فعل، ہر کام، ہر تکوین اور "کُنْ فَیَکُوْنُ" کے ہر مظہر کا یہی حال ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کے سوا کسی اور کے لیے مستقل وجود کی نفی پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ مستقل بالوجود اور واجب الوجود ایک چیز کے دو نام ہیں۔

افعال اللہ کی ایک جھلک اور صفت کلام کی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ ذاتِ الٰہی نے اپنی صفت کلام کی شان سے اپنے کچھ برگزیدہ بندوں یعنی ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ کلام فرمایا اور اُن کے ذریعے عام انسانوں کو اپنے احکام پہنچائے ہیں۔ ذاتِ الٰہی کی طرف سے صفت کلام کی حیثیت سے نازل ہونے والے اِن احکام پر عمل کرنا باقی چاروں سے متعلق عرفان پانے کا موجب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر جو جتنا زیادہ عمل کرتا ہے اتنا زیادہ عارف باللہ ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ عارف باللہ ہونے کا تصور اسماء اللہ سمیت اُن کے مظاہر کے عرفان اور صفات اللہ سمیت اُن کے متعلقات کے عرفان اور اللہ کے افعال سمیت اُن کے متعلقات کے عرفان کی سعادت پائے بغیر ممکن نہیں ہے گویا اللہ کے احکام کا علم اور اُن سے متعلق اپنے علم کے مطابق عمل کرنا وہ جوہر کمال ہے جس کی برکت سے انسان کو معرفت کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔ اللہ کے حبیب سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَفَّقَهُ اللّٰهُ لِمَا لَا يَعْلَمُ" (۱)

یعنی جس نے احکام اللہ سے متعلق اپنے علم کے مطابق عمل کیا اُس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُن چیزوں کی معرفت اُسے نصیب فرماتا ہے جن کو اِس سے پہلے یہ نہ جانتا تھا۔

سالکین راہ طریقت اور الھیات خمسہ کی ترتیب:۔

ذاتِ الٰہی سے لے کر احکامِ الٰہی تک اِن پانچوں کو عرفاء کی زبان میں الٰھیات خمسہ کہا جاتا ہے سالکین راہِ طریقت کے لیے اِن کی ترتیب اِس طرح ہے کہ علم و عمل کے اعتبار سے

(۱) تفسیر روح المعانی، ج:1، ص:91، مطبوعہ بیروت۔

احکامِ الٰہی سب سے مقدم ہیں کہ اِس کے مطابق علم وعمل کے بغیر راہِ سلوک میں آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے یعنی اِس کے بغیر اسماء الٰہی کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے نہ صفاتِ الٰہی کی، افعالِ الٰہی کی، نہ ذاتِ الٰہی کی، عقیدہ درست ہوسکتا ہے نہ عمل اور عارف کہلاسکتا ہے نہ سالک جبکہ اِس میں کامل ہونے کا دارومدار اخلاص پر ہے جس کو قرآن وسنت میں احسان بھی کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قُلْ اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ''(۱)

نیز فرمایا:''قُلْ اِنِّیٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰہَ مُخْلِصًالَّہُ الدِّیْنَ''(۲)

اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ''(۳)

نیز فرمایا:''اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرٰکَ''(۴)

احکامِ الٰہی پر علم وعمل میں اخلاص جتنا زیادہ ہوتا ہے اُسی شرح تناسب سے سالک کو عرفان کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

حصولِ عرفان کی ترتیب:۔

عرفان کی سعادت جو احکام اللہ پر اخلاص کے ساتھ علم وعمل کا لازمی ثمرہ ہے اِس کا آغاز اسماء اللہ سے ہوتا ہے کہ ان کے مظاہر یعنی حقائق الاشیاء کے وہ عقدے کھلنے لگ جاتے ہیں جو کتابوں کی ورق گردانی کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتے ہیں اِسی فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا''یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا

(۱) الانعام:162۔

(۲) الزمر:11۔

(۳) مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان، ص:14۔

(۴) مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان، ص:17۔

كَثِيْرًا "(۱) یہ عرفان کی اولین منزل ہے۔

بعدازاں اِسی کے وسیلہ سے **صفات اللہ** کے رموز واسرار کھلنے لگ جاتے ہیں، جو عرفان کی دوسری منزل ہے۔

بعدازاں **افعال اللہ** یعنی اللہ تعالیٰ کی صفتِ تکوین سے متعلقہ رموز واسرار کا اِنکشاف ہونے لگ جاتا ہے، جو عرفان کی تیسری منزل ہے۔

جس کے بعد ذاتِ الٰہی سے متعلقہ رموز واسرار کے پردے کھلنے لگ جاتے ہیں، جو عرفان کی چوتھی منزل ہے۔

حصولِ عرفان کی اِس فطری ترتیب کے مطابق اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"کُلُّ اَمْرٍ ذِی بَالٍ لَا یُبْدَأُ فِیْهِ بِاسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ"

یعنی جس قابلِ ذکر کام کو اللہ کے نام کے بغیر شروع کیا جائے وہ نامکمل رہ جاتا ہے۔

اور آیت کریمہ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے مدد لیتے ہوئے "بِاللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہنے کے بجائے اللہ کے اسم سے مدد لیتے ہوئے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہنے کا عرفانی فلسفہ بھی یہی کچھ ہے کہ دوسرے تمام خلائق اسماء اللہ کے مظاہر ہونے کی طرح انسان بھی **اسماء اللہ** کا مظہر ہے اور انسان کا بلاواسطہ ارتباط اسماء اللہ کے ساتھ ہے جس کے بعد صفات اللہ اور افعال اللہ کے وسائط سے گزرنے کے بعد ذاتِ الٰہی کا عرفان نصیب ہو جاتا ہے۔ الغرض ذاتِ الٰہی حقیقت جامعہ ہے جس کی پہچان اُس کے اسماء وصفات اور افعال وتکوین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔"

الٰہیات خمسہ کی اِس ترتیب اور مدارج العرفان کی اِس جھلک کے بعد حضرت الاستاذ نے اصل اشکال کا تفصیلی جواب اِس طرح ارشاد فرمایا کہ:

---

(۱) البقرة:269۔

''اسم جلالت جو اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی اسم ہے اور باقی تمام اسماء کے مقابلہ میں زیادہ معرفہ بلکہ اعرف المعارف ہے اس پر محمول ہونے والے اوصاف چاہے ''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ '' کی شکل میں ہو یا ''مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ '' کی شکل میں اور ''غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ '' کی صورت میں ہو یا حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی عبارت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُنَزِّلِ الْحِکَمِ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَلِمِ '' جیسی کسی بھی انداز میں ہو بہر حال وہ اپنے موصوف و مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں جس میں تعدد ہے نہ تغیر، تقدیم ہے نہ تاخیر، زمانہ کی قید سے مقید ہے، نہ مکان و جہت کی حد میں محدود۔ متکلمین اسلام نے جو کہا ہے کہ اوصاف اللہ تعالیٰ لا غیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات اُس کی ذات سے غیر نہیں ہیں اِس سے مقصد بھی یہی ہے کہ اُس وحدہ لاشریک کے اِن بے شمار اسماء و اوصاف کا مصداق اُس کی ذات کے سوا کوئی اور نہیں ہے اور ذاتِ الٰہی دائم الوجود والاستمرار ہونے کا مقتضا یہی ہے کہ اُس کے جملہ اوصاف و اسماء اور افعال بھی دائم الوجود والاستمرار ہوں جس کے مطابق ذاتِ الٰہی اپنی شان تقدس کے ساتھ جب سے موجود ہے اُس کے یہ تمام اوصاف و جملہ کمالات بھی اُس کے ساتھ موجود ہیں، اُس کی ذات اقدس میں تقدیم تاخیر اور ماضی و مستقبل کی قید نہ ہونے کی طرح اُس کی اِن صفات و کمالات میں بھی ایسی کوئی قید نہیں ہے گویا جس وقت اللہ تعالیٰ نبی اکرم سید عالم ﷺ پر نازل کیے جانے والے احکام کے منزل تھا اُسی طرح پہلے سے بھی منزل تھا اور بعد میں بھی منزل ہے اِسی طرح ''وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ''(۱) کی صفت تکلیم جو کوہ طور کے خاص مقام اور خاص تاریخ میں سمجھی جاتی ہے بجائے خود نا قابلِ انکار حقیقت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ہونے کی حیثیت سے حادث ہرگز نہیں بلکہ پہلے سے دائم الوجود والاستمرار تھی اب بھی اُسی طرح دائم و قائم ہے جس میں اُس خاص واقعہ سے قبل کسی قسم کے حدوث و عدم نے کبھی راہ پائی ہے نہ اُس کے بعد اب تک بلکہ ابد الآباد تک عدم کے راہ پانے کا امکان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ

(۱) النساء: 164۔

کے اوصاف وافعال میں حدوث وعدم اور ماضی ومستقبل جیسی قیود وتحدیدات کا تصور صرف اُن کے متعلقات میں ہے کہ بشمول انسان ترقی پذیر کائنات میں تغیر ہی تغیر ہے۔ جو اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کے جس دائم الوجود والاستمرار صفت یا فعل کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اُس وقت سے اُسے انسانی معاشرہ میں پہچانا جاتا ہے جو کبھی ماضی کی شکل میں اور کبھی حال ومستقبل کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کا فعل اور اُس کی صفت اُس پر محمول ہونے کی حیثیت سے دائم الوجود والاستمرار ہے جبکہ خلائق کی جانب سے اور متعلق ہونے والی چیز کے حوالہ سے حادث ومتغیر کہلاتا ہے لیکن اِس حیثیت سے حمل نہیں ہے۔

خلاصہ:۔ اللہ تعالیٰ کے اوصاف وافعال میں جہاں حمل ضروری ہے وہاں تغیر نہیں ہے، ماضی ومستقبل اور مکان وجہت کے ساتھ تحدید نہیں ہے اور حدوث وعدم کا تصور نہیں ہے اور جس حیثیت سے اِن اوصاف وافعال کا ذات باری تعالیٰ پر حمل کرنا جائز نہیں ہے وہاں یہ سب کچھ موجود ہیں جس کا نام دنیا اور اُس کے لوازمات ہے جو اسماء الٰہی کے مظاہر وپہچان کے ذرائع ہیں۔

حضرت نے خطبہ کی تفصیلی تشریح کا افاضہ کرنے سے پہلے اُس کے مندرجات کو پانچ الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا۔ جس کے مطابق؛

اول حصہ:۔ جو حمد وصلوٰۃ پر مشتمل ہے اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُنَزِّلِ الْحِکَمِ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَلِمِ بِاَحَدِیَّةِ الطَّرِیْقِ الْاَمَمِ مِنَ الْمَقَامِ الْاَقْدَمِ وَاِنِ اخْتَلَفَتِ النِحلُ وَالمِلَلُ لِاخْتِلَافِ الاُمَمِ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُمِدِّ الْهِمَمِ مِنْ خَزَائِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ بِالْقِیْلِ الْاَقْوَمِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَسَلَّمَ'' تک ہے جس میں جملہ خلائق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے احسانات کو بیان کرنے کے بعد بالخصوص نوع بنی آدم پر نبی اکرم سید عالم ﷺ کی طرف سے قرآن شریف کے ذریعہ کیے جانے والے احسانات کو بیان کیا ہے۔

دوسرا حصہ:۔ جو ''اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مُبَشِّرَةٍ اُرِیْتُهَا فِی الْعَشْرِ الْاٰخِرِ مِنَ مُحَرَّمٍ سَنَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ وَسِتَّةِ مِائَةٍ بِمَحْرُوْسَةِ دِمَشْقَ وَ

بِیَدِہٖ ﷺ کِتٰبٌ فَقَالَ ھٰذَا کِتٰبُ فُصُوْصِ الْحِکَمِ خُذْہُ وَ اخْرُجْ بِہٖ اِلَی النَّاسِ یَنْتَفِعُوْنَ بِہٖ فَقُلْتُ السَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَاُولِی الْاَمْرِمِنَّا کَمَا اُمِرْنَا ''تک ہے جس میں فصوص الحکم شریف کی اہمیت بتائی ہے کہ یہ رسول اکرم سید عالم ﷺ کی طرف سے اُمت کو عطیہ ہے کہ سن ہجری کے 627ھ کو ماہ محرم کے آخری عشرہ میں ایک سچے خواب کے ذریعہ حضور سید عالم ﷺ نے یہ مجھے عطا فرمائی اور حکم دیا کہ میں اِسے لوگوں تک پہنچاؤں۔

تیسرا حصہ:۔ جو ''فَحَقَّقْتُ الْاُمْنِیَۃَ وَاَخْلَصْتُ النِّیَّۃَ وَ جَرَّدْتُ الْقَصْدَ وَالْھِمَّۃَ اِلٰی اِبْرَازِ ھٰذَا الْکِتَابِ کَمَا حَدَّہٗ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ غَیْرِ زِیَادَۃٍ وَّلَا نُقْصَانٍ وَ سَئَلْتُ اللّٰہَ تَعَالٰی اَنْ یَّجْعَلَنِیْ فِیْہِ وَفِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِیْ مِنْ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ لَیْسَ لِلشَّیْطَانِ عَلَیْھِمْ سُلْطَان، وَاَنْ یَخُصَّنِیْ فِیْ جَمِیْعِ مَا یَرْقُمُہٗ بَنَانِیْ وَیَنْطِقُ بِہٖ لِسَانِیْ وَ یَنْطَوِیْ عَلَیْہِ جَنَانِیْ بِالْاِلْقَاءِ السُّبُّوْحِیِّ وَالنَّفْثِ الرُّوْحِیِّ فِی الرُّوْعِ النَّفْسِیِّ بِالتَّاْیِیْدِ الْاِعْتِصَامِیِّ حَتّٰی اَکُوْنَ مُتَرْجِمًا لَامُتَحَکِّمًا، لِیَتَحَقَّقَ مَنْ یَّقِفُ عَلَیْہِ مِنْ اَھْلِ اللّٰہِ اَصْحَابِ الْقُلُوْبِ اَنَّہٗ مِنْ مَقَامِ التَّقْدِیْسِ الْمُنَزَّہِ عَنِ الْاَغْرَاضِ النَّفْسِیَّۃِ الَّتِیْ یَدْخُلُھَا التَّلْبِیْسُ. وَاَرْجُوْ اَنْ یَّکُوْنَ الْحَقُّ لَمَّا سَمِعَ دُعَائِیْ قَدْ اَجَابَ نِدَائِیْ ''تک ہے جس میں اِس کتاب کی تصنیف کرنے میں اپنی حیثیت بتائی ہے کہ اِس حوالہ سے میری حیثیت ترجمان کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے رویا صادقہ میں کلام نفسی پر مشتمل جو کتاب مجھے دی ہے اُسے کلام لفظی کا لباس پہنانے میں میری طرف سے ذرہ برابر کمی وبیشی نہیں ہوئی ہے اور کتاب کے مندرجات ومضامین اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کی طرف سے ہونے کی بدولت غلطی سے محفوظ ہونے کی طرح اِس کے الفاظ و ترتیب بھی تائید الٰہی کی برکت سے محفوظ ہیں اور کتاب نبوی ﷺ کے مترجم ہونے میں مخلص ہونے کا نتیجہ ہے کہ یہ سارا عمل تلبیس ابلیس اور شیطانی اغراض ومفاسد سے مقدس ومنزہ ہے۔

چوتھا حصہ:۔ ''فَمَا اُلْقِیَ اِلَّا مَا یُلْقٰی اِلَیَّ، وَلَا اُنْزِلُ فِیْ ھٰذَا الْمَسْطُوْرِ

الَّا مَايُنَزَّلُ بِهٖ عَلَيَّ. وَ لَسْتُ بِنَبِيٍّ وَلَا رَسُوْلٍ وَلٰكِنِّيْ وَارِثٌ وَ لِاٰخِرَتِيْ حَارِثٌ......

فَمِنَ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا ۔ وَاِلَى اللّٰهِ فَارْجِعُوْا

فَاِذَا مَا سَمِعْتُمْ ۔ مَا اَتَيْتُ بِهٖ فَعُوْا

ثُمَّ بِالْفَهْمِ فَصِّلُوْا ۔ مُجْمَلَ الْقَوْلِ وَ اجْمَعُوْا

ثُمَّ مُنُّوْا بِهٖ عَلٰى ۔ طَالِبِيْهِ لَا تَمْنَعُوْا

هٰذِهِ الرَّحْمَةَ الَّتِيْ ۔ وَسِعَتْكُمْ فَوَسِّعُوْا

تک ہے۔ جس میں یہ بتایا ہے کہ نبی اکرم سید عالم ﷺ کی طرف سے رُویا صادقہ میں مجھے دیے جانے والی اِس کتاب کے تمام الفاظ الہامی ہیں کہ جو کچھ قدرت کی طرف سے میرے دل اور میری زبان پر القا ہوئے ان ہی کو اِس میں لکھا ہے حالاں کہ میں نہ رسول ہو نہ نبی، بلکہ یہ سعادت مجھے اِس لیے نصیب ہوئی کہ میں نبی الانبیاء والمرسلین ﷺ کا وارث ہوں اور اپنی آخرت کے لیے علم و عمل میں اخلاص کاشت کرنے والا ہوں اور اِس کے پڑھنے پڑھانے والوں پر لازم ہے کہ اِسے اللہ ﷻ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے عطیہ سمجھ کر یاد کریں اور اس کے مختصر و جامع الفاظ کے مضامین کو خود سمجھنے کے بعد دوسروں کو تفصیل کریں اور اِس کے در پے رہنے والوں کو سکھانے سے بخل نہ کریں بلکہ اِس وسیع رحمت کے فیض کو عام کریں۔

پانچواں حصہ:۔ ”وَمِنَ اللّٰهِ اَرْجُوْاَنْ اَكُوْنَ مِمَّنْ اُيِّدَفَتَاَيَّدَ وَقُيِّدَ بِالشَّرْعِ الْمُحَمَّدِيِّ الْمُطَهَّرِ فَتَقَيَّدَ وَقَيَّدَ، وَحَشَرَنَافِيْ زُمْرَتِهٖ كَمَاجَعَلَنَامِنْ اُمَّتِهٖ“ تک ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کی طرف سے کتاب عطا کیے جانے کی سعادت سے لے کر اصل کے عین مطابق الفاظ کا لباس پہنانے کی توفیق تک اور الفاظ کے الہام سے لے کر منشاءِ نبوی ﷺ کی تکمیل تک یہ تمام سعادتیں جو مجھے نصیب ہو رہی ہیں یہ سب کچھ شریعت مقدسہ کی تابعداری کے ثمرات ہیں جس کے بغیر سفرِ سلوک ممکن ہے نہ کوئی اور روحانی سعادت۔

خطبہ کے اِس اجمالی تجزیہ کے بعد حضرت نے اِن میں سے ہر ایک کی تفصیل کا افاضہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

لِسانی حیثیت سے اِن کے مفردات کی حقیقت اور مرکبات کی نحوی اور بلاغی حیثیت کو ازخود نہ سمجھنے والوں سے اِس کتاب کے مقاصد کو سمجھنے کی توقع کرنا فضول ہے ایسے ناقصوں کے لیے اِس کا پڑھنا ممنوع ہے اور اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے یہ جن لوگوں تک پہچانے کا حکم دیا ہے اُن سے مراد صرف وہی حضرات ہیں جو اِن چیزوں کو ازخود سمجھتے ہوئے کتاب کے اصل مقاصد اور اُس کے مندرجات کی جامعیت میں پوشیدہ معارف تک رسائی کے لیے اُستاذ و مرشد کے محتاج ہوتے ہیں اِس لیے ہم بھی صرف اسی چیز کو موضوعِ سخن بنا لیتے ہیں جس کے مطابق اولین جملہ ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ مُنَزِّلِ الْحِکَمِ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَلِمِ ''میں لفظ ''حِکَمِ'' جو حکمت کی جمع ہے سے مراد عرفان و اِدراک ہے اور لفظ ''کَلِمِ'' جو کلمۃ کی جمع ہے سے مراد جملہ خلائق ہیں اور خلائق کے دلوں پر عرفان و اِدراک نازل کرنے سے مقصد یہ ہے کہ خلائق کو ایک دوسرے کی پہچان سے لے کر احکامِ الٰہی، اسماء الٰہی، صفاتِ الٰہی، افعال الٰہی اور اِن کے جملہ متعلقات و مظاہر اور ذاتِ الٰہی تک جس کا بھی اِدراک و عرفان اور شعور و آگاہی حاصل ہے یہ سب کچھ منزل من اللہ ہے دُنیائے عرفان کا یہ نزول ایسا ہی ہے جیسا دُنیائے اجسام کے نزول سے متعلق قرآن شریف میں فرمایا ہے ''وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ''(۱) جیسا منزل من اللہ ہوئے بغیر لوہا جیسے معدنیات ارضی کا وجود ممکن نہیں ہے اِسی طرح بشمول انسان جملہ خلائق میں پائے جانے والے شعور و آگاہی کا وجود بھی منزل من اللہ ہونے کے اِس خاص ارتباط کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ خلائق کے دلوں پر اسماء الٰہی کی وساطت سے ذاتِ الٰہی سے منعکس و منزل ہونے والے شعور و آگاہی کا احاطہ کرنا انسان کے لیے ممکن ہے نہ کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی خلائق کا احاطہ کرنا جیسا ''مُنَزِّلِ الْحِکَمِ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَلِمِ ''جل جلالہ وعم نوالہ نے فرمایا:

(۱) الحدید:25۔

"وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ"(۱)

یعنی تیرے رب کے لشکر کا احاطہ اُس کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا۔

نیز فرمایا: "تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ"(۲)

یعنی ساتوں آسمانوں وزمین اور اُن میں موجود خلائق اُس کی تسبیح کرتی ہے اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اُس کی تسبیح وتحمید نہ کرتی ہو جبکہ تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

ظاہر ہے کہ اپنے خالق و مالک جل جلالہ وعم نوالہ کی تسبیح وتحمید کرنا شعور وآگاہی اور علم وعرفان کے بغیر ممکن نہیں ہے جس کو بشمول انسان جملہ خلائق میں نازل فرما کر اور ہر ایک کو اُس کے مقتضائے فطرت کے مطابق نواز کر دنیا کے اِس سارے نظام کو چلا رہا ہے یہ اُس وحدہ لاشریک کا وہ احسان ہے جو موجب و مقتضی بن رہا ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کے لیے جس کے مطابق حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ اپنے اِس قول وعمل یعنی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُنَزِّلِ الْحِكَمِ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَلِمِ" کہنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ کچھ غافل انس وجن کو چھوڑ کر باقی تمام خلائق کا ذرہ ذرہ ہمہ وقت یہ کہہ رہا ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ"(۳)

یعنی سب کی طرف سے وہی لائق ستائش ہے گزشتہ گھڑی میں بھی اور آئندہ لحظہ میں بھی۔

نیز فرمایا: "فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"(۴)

یعنی اللہ ہی علی الاطلاق ستائش کے قابل ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب تمام خلائق کا رب۔

---

(۱) المدثر:31۔

(۲) الاسراء:44۔

(۳) القصص:70۔

(٤) الجاثیة:63۔

نیز فرمایا: ''وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ''(۱)

یعنی اُس کے علم سے یہ نہیں پاتے مگر جو وہ چاہے۔

نیز فرمایا: ''وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ''(۲)

یعنی زمین بھر کے درخت سے قلمیں ہوں اور سمندر اُس کی سیاہی ہو اس کے بعد سات سمندر اور ہوں پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گی۔

خلائق کے اِس لامتناہی انواع واقسام میں ہر ایک کا وجود اور اُس کا علم وادراک اور اُس کے جملہ اعمال وکیفیات اور حرکات وسکنات اور شعبہ حیات کا ہر گوشہ ''مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ'' ہے جس کے بغیر اِن کا وجود ہے نہ عمل، ظاہر ہے نہ باطن، اول ہے نہ آخر جبکہ اِس کے بغیر انسان کو اُس وحدہ لاشریک کی پہچان نہیں ہوسکتی گویا اُس وحدہ لاشریک کا وصف ''مُنَزِّلِ الْحِكَمِ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَلِمِ'' ہمارے لیے اُس کی پہچان کا ابتدائی وسیلہ ہے جسے محسوس کرتے ہوئے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے سَفرِ عرفان کا آغاز اِسی سے کیا جس کے مطابق بظاہر ایک صرف ایک دکھائی دینے والا یہ جملہ پوری خلائق کو محیط ہے جس کو سمجھنے کے بعد سفرِ عرفان کے باقی منازل میں یہ سفرِ اول یعنی سیر الی اللہ کا اولین زینہ ہے اِس کے بعد ''بِـاَحَـدِيَّةِ الطَّرِيْقِ الْاَمَمِ مِنَ الْمَقَامِ الْاَقْدَمِ'' کہنے سے مصنف کا مقصد نزولِ حِکَم کا راستہ بتانا ہے کہ خلائق کے قلوب پر نازل کیے جانے والے علوم وادراک ایسے معتدل باطنی راستے سے آرہے ہیں جو سب کے لیے ایک ہے، جو ماوراء العقل والحواس ہے اور اُس مبداء ومقام کا فیض ہے جو تغیر وحدوث سے پاک اور قدیم ہے یعنی مبداء فیاض جل جلالہ وعم نوالہ اور اُس کے اسماء کے اِن مظاہر وخلائق کے مابین باطنی ارتباط وکشش ہے۔ جیسا قرآن شریف میں ہے:

---

(۱) البقرة:255۔

(۲) لقمان:27۔

''اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ''(۱)

اِس کے بعد ''وَاِنِ اخْتَلَفَتِ النِّحَلُ وَالْمِلَلُ'' کہنے سے مصنف کا مقصد یہاں پر اُٹھنے والے ایک اعتراض کا جواب دینا ہے اعتراض یہ اُٹھ رہا تھا کہ اِن متنوع اور متبائن انواع کی خلائق پر نازل ہونے والے شعور وآ گاہی اور علوم ومعارف کا راستہ ایک کیسے ہوسکتا ہے جبکہ طبائع کا اختلاف فیض کے راستوں کے اختلاف کو چاہتا ہے، نیز اِن میں سے ہر ایک اپنی جگہ مستقل اُمت اور مخصوص مزاج وطبیعت کے حامل ہیں۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ''(۲)

یعنی نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اُڑتا ہے مگر تم جیسی اُمتیں۔

حقیقت کی اِس روشنی میں اِن پر افاضہ ہونے والے شعور وادراک اور علم وعرفان کے راستے کو ایک کہنا مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے بھی خلاف ہے۔

''رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی''(۳)

یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کے لائق صورت دی پھر راہ دکھائی۔

ظاہر ہے کہ راہ دکھانے سے مقصد شعور وآ گاہی اور علم وادراک کے افاضہ کرنے سے ہی عبارت ہے جو ہر نوع کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے تو پھر سب کے لیے ایک راستہ ہونے کا کیا تصور باقی رہتا ہے۔ مذکورہ عبارت میں اِس کا جو جواب دیا ہے اُس کی تقریر اِس طرح ہے کہ اِس سوال کا تعلق تصویر کے صرف ایک رُخ کے ساتھ ہے کہ اِس میں خلائق کے اختلاف طبائع اور ان کے جُد اجُد اطور وطریقے کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے جو بجائے خود درست ہے جبکہ ہم نے اِن سب کو ملنے والی توفیق شعور وادراک کے آغاز اور اس کے مبداء فیاض سے ابتداء

(۱) ھود:56۔

(۲) الانعام:38۔

(۳) طٰہٰ:50۔

ہونے والے راستہ کو ایک کہا ہے اور اُس کا فی الواقعہ ایک ہونا اِس لیے ضروری ہے کہ اُس کی ابتداء وانتزاع جس ذات وحدہ لاشریک سے ہو رہی ہے وہ سب کے لیے برابر اور سب کی نسبت معتدل و مستقیم ہے، سب سے مقدم سب کی اصل اور سب کے لیے مفیض ہے، جس میں تعدّد ہے نہ تغیّر اور نہ اختلافِ طبائع بلکہ یہ سب کچھ خلائق کی جانب میں ہیں جو ہمارے موضوعِ سخن ہی نہیں ہے۔ اِس کے بعد ''لاِخْتِلَافِ الْاُمَمِ'' کہنے سے مقصد اِس سے متصلاً قبل مذکور ہونے والے نِحل و مِلل کا فلسفہ بتانا ہے کہ دوسرے خلائق کے ساتھ بالخصوص انسانوں میں خصوصیات اور نظریات و مسالک کا اختلاف اِس وجہ سے ہے کہ ان کے طبائع میں اختلاف ہے جس کا مزاج اور رُجحانِ طبع جس طرف کو ہو جائے اُدھر چلنا اور اُس کے مطابق زندگی گزارنا ہی معمول بن جاتا ہے۔

حاشیتی اضافہ:۔ یہاں پر حضرت اُستاذ یم کا خصوصی افاضہ یہ ہے کہ اُنہوں نے حضرت شیخ اکبر کی عبارت میں اِن تینوں الفاظ یعنی (نحل، مِلل، اُمم) سے متعلق فرمایا کہ اِن سے متبادر الی الذہن اور قریب اِن کے شرعی مفہوم ہیں جو انسانوں کے ساتھ مختص سمجھے جاتے ہیں اور دُنیائے انسانیت کے اول سے آخر تک مختلف طبقوں اور اُمتوں کے اختلاف در اختلاف کے سلسلہ دراز کو شامل ہیں تاہم علمِ بلاغت کے خاص صنف ''صَنعَتِ اِیہام'' کے قبیل سے ہو کر اِن کے لُغوی مفہوم بھی مراد ہو سکتے ہیں جو نہ صرف نوعِ انسان کو بلکہ جملہ انواعِ عالم کو شامل ہو سکتے ہیں اِس پر قرینہ اور شاہد یہ ہے کہ مصنف کے پیشِ نظر اور اصل موضوعِ سُخن یہاں پر اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ''مُنَزِّلِ الْحِکَمِ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَلِمِ'' کی توضیح ہے اور ظاہر ہے کہ ''حِکَمِ'' اور ''کَلِمِ'' پر آیا ہوا الف لام استغراق کے لیے ہے جو جملہ خلائق پر نازل ہونے والے شعور و آگاہی اور علوم و عرفان کی تمام قسموں کو محیط ہے اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ:

صَنعَتِ ایہام کا انداز صرف اِس ایک مقام پر نہیں بلکہ حضرت شیخ اکبر نے فصوص الحکم شریف کے متعدد مقامات پر اور الفتوحات المکیہ کے مختلف مقامات پر بھی اِس انداز پر کلام فرمایا ہے جس کی

حقیقت تک نارسائی کی وجہ سے کچھ علماء نے مصنف پر اعتراضات کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اِس کے بعد نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ پر جملہ صلوٰتیہ کے ابتدائی الفاظ "وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُمِدِّ الْهِمَمِ" کہنے سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دُنیائے کائنات میں کارِخیر کے لیے جتنی بھی ہمتیں پائی جاتی ہیں اُن کی اصل اور منبع حقیقتِ محمدیہ ہے کہ جہاں پر بھی، جس سے بھی اور جب بھی کارِخیر کے لیے کوئی ہمت پائی گئی ہے یا پائی جائے گی اُس کا ارتباط اِس حقیقتِ پاک کے ساتھ ہے یہ اُس کے لیے منبع اور اصل سرچشمہ ہے جو آیت کریمہ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "(۱) کا مفاد ہے گویا حقیقتِ محمدیہ کی طرف سے اہل ہمت پر ہونے والا یہ احسان جملہ صلوٰتیہ پڑھنے کا مقتضی تھا جس پر دوسرے خلائق کی طرح مصنف نے بھی عمل کیا ہے۔

اِس کے بعد "مِنْ خَزَآئِنِ الْجُوْدِ" کہنے سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کارِخیر کے سلسلہ میں وجود میں آنے والی یہ ہمتیں اللہ تعالیٰ کے اُن خزائن میں سے ہیں اور آیت کریمہ "وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ "(۲) کے اُن مظاہر میں سے ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے جودوسخا کے ساتھ ہے۔

اِس کے بعد لفظ "وَالْكَرَمِ" کہنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جودوسخا کے یہ مظاہر جو کارِخیر کی ہمتوں کی شکل میں پہچانے جاتے ہیں اُس وحدہ لاشریک کے کرم کے ثمرات ہیں جو آیت کریمہ "وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ "(۳) کا مفاد ہے۔

اِس کے بعد لفظ "بِالْقِيْلِ الْاَقْوَمِ" کہنے سے نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے مُمِد ہونے کی ایک واضح صورت اور مابہ الامداد کا ظاہری مظہر بتانا چاہتے ہیں کہ وہ قرآن شریف ہے جو "وَاِنَّهٗ

---

(۱) الانبیاء: 107۔

(۲) المنافقون:7۔

(۳) علق:3۔

لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (۱) اور ''اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ'' (۲) اور آیت کریمہ ''یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا'' (۳) سے مفہوم ہے۔

خطبہ کے اِن پانچوں حصوں کی عبارۃ النص اور اِن کے بنیادی مقاصد کی مذکورہ تفصیل کے بعد حضرت کی تشریح کے مطابق ان کے کچھ قابل تشریح مفردات کی وضاحت اِس طرح ہے کہ:

پہلے حصہ میں مذکور لفظ ''حِکَم'' جو ''حِکْمَة'' کی جمع ہے عُرفاء کی زبان میں بالخصوص صاحب فصوص الحکم کے مطابق لُغوی مفہوم سے خاص ہے جو عبارت ہے ''مَعْرِفَةُ حَقَائِقُ الْاَشْیَآءِ عَلٰی مَاهِیَ عَلَیْهِ وَالْعَمَلُ بِهَا'' سے یعنی صوفیاء کرام کے نزدیک عمل کے بغیر محض علم کو حکمت نہیں کہا جاتا جبکہ لُغت میں اِسے کبھی محض علم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی عمل کے لیے اور ظاہر ہے کہ جس عمل کو حکمت کہا جاتا ہے اُس کے لیے بھی علم ضروری ہے جس وجہ سے حکمت کو علم وعمل کی طرف تقسیم کر کے حکمت نظری اور حکمتِ عملی کہا جاتا ہے جبکہ صوفیا کرام اور عرفاء اسلام کی زندگی علم وعمل دونوں سے عبارت ہے کیوں کہ وہ اُس علم سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جس کے مطابق عمل نہ ہو یا اخلاص نہ ہو اور اُس عمل سے بھی اجتناب کرتے ہیں جس میں اخلاص نہ ہو ایسے میں اِن مقدس حضرات کی تقریر وتحریر میں عمل کے بغیر حکمت کا تصور ہو سکتا ہے نہ علم کے بغیر بلکہ اِن کے نزدیک یہ دونوں لازم وملزوم ہیں تو پھر یہاں پر حکمت سے مراد ''حَقَائِق الْاَشْیَآء'' کے اوصاف، خواص، لوازمات جیسے واقعی حالات کو جاننے کے ساتھ اُس کے مطابق عمل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے نہ صرف اتنا بلکہ اِن حضرات کے نزدیک انسانی حکمت کے اِن دو اجزاء یعنی علم وعمل دونوں میں اخلاص کی دست آوری اصل الاصول ہے کیوں کہ سلوکِ طریقت کے مطابق اخلاص کو علم وعمل کی

---

(۱) الشعراء:196۔

(۲) الاسراء:9۔

(۳) النساء:174۔

حقیقت کہا جاتا ہے اور جس علم کے مطابق عمل نہ ہو وہ بے مقصد ہونے کی طرح جس علم وعمل میں اخلاص نہ ہو وہ بھی بے حقیقت و بے ثمر ہوتا ہیں۔

صوفیاء کرام کا طرہ امتیاز یہی ہے کہ وہ علم وعمل میں اخلاص کے جویاں رہنے کے ساتھ دوسروں کو بھی اِس کی تعلیم وتربیت دیتے ہیں اور صاحبِ فصوص الحکم شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰہُ تعالیٰ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کا صوفیاء کرام کے طبقہ اعلیٰ میں شمار ہونے کا مقتضاء بھی یہی ہے کہ دوسرے عرفاء کے عین مطابق یہاں پر حکمت سے انسانی حکمت کے اِس فردِ اعلیٰ کے سوا کچھ مرادنہ لی ہو۔ حضرت خواجہ عبداللہ الانصاری المتوفی 481ھ نے اِسی مفہوم میں حکمت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اَلْحِکْمَةُ اِسْمٌ لِاِحْکَامِ وَضْعِ الشَّیْءِ فِی مَوْضِعِهٖ''

یعنی انسانی حکمت ہر شے کو اُس کے اپنے مقام پر مضبوط طریقے سے رکھنے کا نام ہے۔

اِس کی تشریح کرتے ہوئے امام عبدالرزاق الکاسانی المتوفی 736ھ نے لکھا ہے:

''اِحْکَامُ وَضْعِ الشَّیْءِ فِی مَوْضِعِهٖ عِبَارَةٌ عَنْ اِتْقَانِ الْعِلْمِ بِحَقَائِقِ الْاَشْیَآءِ وَ اَحْوَالِهَا وَخَوَاصِهَا وَاَوْصَافِهَا الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ وَمَصَالِحِهَا وَمَفَاسِدِهَا وَمَعْرِفَةِ اِرْتِبَاطِ الْمُسَبَّبَاتِ بِاَسْبَابِهَا وَتَعْلِیْقِ کُلِ حَالٍ مِنْهَا بَاَوْقَاتِهَا الَّتِی قُدِّرَ فِیْهَا وَقُرِنَ بِهَا وَاِتْقَانِ الصَّنْعَةِ بِتَطْبِیْقِهَا عَلَی الْعِلْمِ بِهَا''(۱)

یعنی چیزوں کو اُن کے اپنے مقام پر مضبوط رکھنے سے مقصد یہ ہے کہ حقائق الاشیاء اور اُن کے احوال وخواص اور اُن کے ظاہری وباطنی اوصاف ومصالح اور مفاسد کو سمجھا جائے اور مسببات کا اپنے اسباب کے ساتھ ارتباط کو اور اُن کے ایک ایک حال کا اُن کے اوقات کے ساتھ مرتبط ہونے کو سمجھا جائے جن میں اِن کے وجود کی پیمائش رکھی گئی ہے اور اُن کے ساتھ متصل کیا گیا ہے اور ان پر عمل کو ان سے متعلقہ علم کے مطابق مضبوط کرنا ہے۔

اِس حکمت کو کاملین کے علم وعمل کے مجموعہ کا مظہر سمجھتے ہوئے مصنف سے قریب العہد اور اُن کے

---

(۱) منازل السائرین مع شرح عبدالرزاق القاسانی، ج:1،ص:505۔

بلاواسطہ شاگرد و جانشین ''حضرت صدر الدین قونوی'' کے شاگرد ''داؤد قیصری'' نے اپنے انداز میں لکھا ہے:

''وَلَمْ يَقُلِ الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ لِاَنَّهُمْ مَظَاهِرُ الْاِسْمِ الْحَكِيْمِ اِذَالْحِكْمَةُ هِيَ الْعِلْمُ بِحَقَآئِقِ الْاَشْيَآءِ عَلٰى مَاهِيَ عَلَيْهِ وَالْعَمَلُ بِمُقْتَضَاهُ وَلِذٰلِكَ اِنْقَسَمَتِ الْحِكْمَةِ اِلَى الْعِلْمِيَّةِوَالْعَمَلِيَّةِوَالْمَعْرِفَةُ هِيَ اِدْرَاكُ الْحَقَآئِقِ عَلٰى مَاهِيَ عَلَيْهِ وَالْعِلْمُ اِدْرَاكُ الْحَقَآئِقِ وَلَوَازِمِهَا''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر نے یہاں پر ''مُنَزِّلِ الْمَعَارِفِ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَلِمِ'' یا ''مُنَزِّلِ الْعُلُوْمِ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَلِمِ'' کہنے کے بجائے ''مُنَزِّلِ الْحِكَمِ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَلِمِ'' اِس لیے کہا ہے کہ جن کاملین کے قلوب پر اِن سعادتوں کے نازل کیے جانے کا ذکر ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اِسم ''حَكِيْمٌ'' کے مظاہر ہیں یعنی وہ ہستی جو اپنے ہر کام کو اپنے علم محیط ازلی کے مطابق مستحکم و معتدل کرنے والی ہے کیوں کہ ''حِكْمَة حَقَآئِقِ الْاَشْيَآءِ'' کو اُن کے واقعی حالات کے مطابق جاننے اور اُس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے جس وجہ سے ظاہری فلسفہ الٰہیات میں حکمت منقسم ہوتی ہے حکمت علمیہ اور حکمت عملیہ کی طرف جبکہ معرفت حقائق الاشیاء کو اُن کے واقعی حالات کے مطابق جاننے کا نام ہے جس کے مطابق عمل کرنا اُس کا جزو نہیں ہے اِسی طرح علم بھی حقائق الاشیاء کو اُن کے لوازمات کے ساتھ محض جاننے کا نام ہے جس کے مطابق عمل کرنا اس کا جزو نہیں ہے۔ حقائق کی اِس روشنی میں اللہ تعالیٰ کے اِسم ''اَلْحَكِيْمُ'' کے مظاہر یعنی ذوات قدسیہ کاملین کے قلوب پر نازل کیے جانے والے اسرار و رموز اور کمالات و سعادتوں کے لیے لفظ ''معارف'' یا لفظ ''علوم'' ہر گز نہیں بلکہ لفظ ''حِکم'' ہی ضروری قرار پاتا ہے۔

---

(۱) مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم المشہور بشرح داؤد القیصری، ج:1، ص:176، مطبوعہ بوستان کتاب قم ایران۔

اِس کے علاوہ لُغوی استعمال کے عموم سے قطع نظر صوفیاء کرام کے مطابق ''حِکْمَة'' کے اِس خصوصی مفہوم کا یہاں پر معتبر ہونے پر قرآنی دلیل بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا''(۱)

یعنی جسے چاہے حکمت عطا فرمائے اور جسے حکمت کی توفیق عطا ہوئی بیشک اُسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔

ظاہر ہے کہ حکمت کو خیر کثیر کہنا تب ہی درست ہوسکتا ہے جب اِس سے مراد حقائق الاشیاء سے متعلق علم وعمل کا مجموعہ ہو ورنہ عمل کے بغیر علم موجب مدحت ہونے کے بجائے وبال جان ہے جیسا اہل کتاب کے بے عمل علماء کو اللہ تعالیٰ نے گدھے کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا:

''مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا''(۲)

یعنی جن اہل کتاب کو تورات کا ذمہ دار بنایا گیا تھا پھر اُنہوں نے اُس پر عمل نہیں کیا وہ گدھے کی مثل ہے جو پیٹھ پر کتابیں اُٹھائے۔

یہاں پر یہودیوں کے جن ذمہ داروں کو گدھے کی مثل قرار دیا گیا ہے وہ بے عمل علماء کے سوا اور کچھ نہیں تھے اِسی طرح قرآن شریف کے دوسرے مقام پر اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرنے والے اہل علم کو ظالم کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ''(۳)

ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے وارث اور پیغمبر کے نائب کہلانے والے ذمہ دارانِ مذہب کے جس طبقہ کو ظالم کہا گیا ہے وہ اُن کی بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ تقاضاء علم کے مطابق عمل نہ

(۱) البقرة:269۔

(۲) الجمعة:5۔

(۳) فاطر:32۔

کرنے کی وجہ ہے جیسا کہ مفسرین کرام نے بھی اِس کے ساتھ تصریح کی ہے کہ ذمہ داران مذہب کے بے عمل اہل علم کی مثال شمع کی ہے جو خود جلتا ہے لیکن دوسروں کو روشنی دیتا ہے بے عمل علماء بھی خود اپنے علم کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کر کے، اللہ کے مجرم ہونے اور ظالم ہونے کے باوجود دوسروں کو علم کی روشنی دیتے ہیں جبکہ اِن کے مقابلہ میں جس طبقہ کو سابق بالخیرات کہہ کر قابل مدح قرار دیا گیا ہے اِس کی وجہ مقتضائے علم پر عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ قرآنی دلائل کی اِس حقیقت کے علاوہ خود مصنف کے کلام سے بھی یہی کچھ معلوم ہو رہا ہے کہ اُن کے نزدیک یہاں پر حکمت سے مراد ''حقائق الاشیاء'' کے واقعی حالات کے علم اور اُس کے مطابق عمل کا مجموعہ ہی ہے اِس لیے کہ اُنہوں نے فتوحات مکیہ شریف میں انسانی حکمت کے مظاہر سے پردہ اُٹھاتے ہوئے لکھا ہے:

اِنَّ الْحَکِیْمَ مُرَتِّبُ الْاَشْیَآءِ ۔۔۔ فِیْ اَعْیُنِ الْاَکْوَانِ وَالْاَسْمَآءِ

یَجْرِیْ مَعَ الْعِلْمِ الْقَدِیْمِ بِحُکْمِهٖ ۔۔۔ فِی الْحِکْمَةِ الْمُزْدَانَةِ الضَّرَّآءِ

فَتَرَاهُ یُعْطِیْ کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ۔۔۔ فِیْ حَالَةِ السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

وَعَنِ الْعَوَارِضِ لَایَزَالُ مُنَزَّهًا ۔۔۔ فِیْ بَدْءِ مَاتَهْوٰی مِنَ الْاَشْیَآءِ

لٰکِنَّهُ الْمَعْصُوْمُ فِیْ اَفْعَالِهٖ ۔۔۔ فِیْ کُلِّ مَا یَجْرِیْ مِنَ الْاَهْوَآءِ

یعنی صوفیاء کرام کے مطابق ''حِکْمَة'' والا وہ ہوتا ہے جو حقائق الاشیاء کو اُن کے فطری مراتب میں رکھے اسماء اللہ کے مظاہر میں، اللہ کے حکم تکوینی کے ماتحت اُس کے قدیم علم کے ساتھ واضح خزانہ عدل میں تصرف کرے جس کے نتیجہ میں تو دیکھے گا کہ وہ ہر چیز کو اُس کا فطری حق دے گا چاہے حالتِ یُسر میں ہو یا حالتِ عُسر میں اور تقاضائے علم کے منافی پیش آنے والے اُن عوارضات سے اپنا دامن ہمیشہ بچائے رکھتا ہے جن کی نفس امارہ کو خواہش ہوتی ہے لیکن وہ نفس امارہ کے علی الرغم اپنے ہر کام میں بے اعتدالی سے محفوظ ہوتا ہے۔(۱)

اہل حق کی طرف سے یہ تمام تشریحات انسانی حکمۃ سے متعلق ہیں اور فصوص الحکم شریف

(۱) فتوحات مکیه، ج:2، ص:269۔

کی پیش نظر عبارت ''مُنَزِّلِ الْحِکَمِ'' میں بھی یہی مراد ہے ورنہ الٰہی حکمت کی حقیقت اُس کی دوسری صفات کی طرح انسانی فہم وادراک سے ماوراء ہے، اُس تک پہنچنے کی مجال عقل کو ہے نہ حواس کو بلکہ قرآن وسنت کے نُصوص کے ساتھ اُس کے آثار وعلامات اور مظاہر سے اُس کے وجود پر استدلال کرنے کے سوااور چارہ کار ہی نہیں ہے حالاں کہ لفظی اشتراک کی حد تک اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے انسان کی بھی، اللہ تعالیٰ کے اسمآء حسنیٰ میں بھی شامل ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مبارک ناموں میں بھی جس کی حیثیت اِسی اشتراک سے متجاوز نہیں ہے۔ ایسے میں مصنف کی پیشِ نظر عبارت میں اِسے الٰہی حکمت پر محمول کرنے کا تصور ہی خلاف حقیقت قرار پاتا ہے کیوں کہ الٰہی حکمت مقدور تحت قدرت اللہ ہی نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے فعلِ تنزیل یا وصف مُنزِّل کے ساتھ متعلق ہونے کا کیا تصور باقی رہتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کے ساتھ متعلق ہونا ممکن کا خاصہ ہے واجب وقدیم میں اِس کا تصور نہیں ہے۔

خلاصة التحقيق:۔ مصنف کے کلام میں یہاں پر اِس حکمت سے مراد انسانی حکمت ہے الٰہی نہیں، عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے، محض اِدراک الحقائق نہیں بلکہ علم وعمل کا مجموعہ ہے جو مظہر ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا'' کا اور نوع انسانی کا وہ طُرہ امتیاز ہے جو اللہ تعالیٰ کے اِسم ''حکیم'' کے مظاہر کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوتا۔

اِس کے بعد خطبہ کے پہلے حصہ کا دوسرا لفظ ''قُلُوب'' بھی قابل تحقیق ہے جو اِس طرح ہے کہ یہ قلب کی جمع ہے اور قلب کے دو مفہوم ہیں ایک لُغوی دوسرا شرعی۔

لُغوی مفہوم:۔ عربی لُغت میں کسی بھی جاندار کے جسدی حصے واعضا کے مختلف ناموں کی طرح گوشت کے اُس خاص حصے کا نام ہے جو دوسرے تمام اعضا کے ساتھ پورے بدن کی حیات وبقا کا ضامن ہے۔

شرعی مفہوم:۔ یہ قلب کے لغوی مظہر کے ساتھ بلا واسطہ متعلق ہونے والی انسانی روح کی اُس خاص حیثیت کا نام ہے جس میں وہ خالق ومخلوق دونوں کی طرف متوجّہ ومنقلب ہوتی ہے۔

قرآن وسنت میں لفظ ''قلب'' کبھی لغوی مفہوم میں اور کبھی اِس شرعی مفہوم میں استعمال ہوا ہے جو قرآن وحدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے جبکہ صوفیا کرام اور عرفا اسلام کی زبان میں ہمیشہ شرعی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔انسانی رُوح کی صرف یہی ایک حیثیت نہیں ہے جس میں اُسے قلب کہا جاتا ہے بلکہ اِس کے علاوہ بھی متعدد حیثیات ہیں اور ہر حیثیت کے اعتبار سے نام بھی مختلف ہیں۔

انسانی روح کی مختلف حیثیات اور نام:۔

❶ وہ قدرتِ الٰہی کا ایسا پوشیدہ راز ہے کہ اُس کے آثار وجھلکیوں کے اِدراک سے آگے بڑھنا عرفاء وکاملین کے لیے بھی ممکن نہیں ہے اور جس حد تک اِدراک ہوسکتا ہے اُس کی روشنی بھی اِن ہی حضرات تک محدود ہوتی ہے جس کو الفاظ وکلام کے لباس میں دوسروں کو دینے کی گنجائش نہیں ہوتی گویا اہلِ عرفان وکاملین کے لیے اِس کا ادراک وجدانیات کے زیادہ مشابہ ہے کہ صاحبِ وجدان خود اُسے سمجھتا ہے جبکہ دوسروں کو سمجھانے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔اِس اعتبار سے اسے ''سِر'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

❷ قلب کے لغوی مظہر کے ساتھ بلا واسطہ مربوط ہونے کے بعد قالب انسانی پر حاکم و متصرف ہے اور قالبِ انسانی جملہ خلائق کا یعنی عالم کبیر کا خلاصہ اور عالم صغیر کہلاتا ہے۔ نیز جملہ خلائق یعنی عالم کبیر آئینہ الٰہی ہے جس میں احدیۃ الذات وحدہ لاشریک اپنی بے مثل ذات کا نظارہ کرنے کے ساتھ خلائق کو بھی اسماء اللہ کے مظاہر نظر آتے ہیں اور آفاقی سے ''اَنفُسی'' تک جلوہ ہائے قدرت کی پہچان وتمیز ہوتی ہے اور آئینہ عالم کو یہ مقام اور مرآت و آئینہ ہونے کا یہ شرف رُوح انسانی کی وجہ سے ہے کیوں کہ وہ اپنی پوشیدہ حاکمیت وتصرف کی

بنا پر آئینہ عالم کے لیے روشنی وجلا ہے جس کے بغیر عالم کبیر آئینہ الٰہی کہلانے کے قابل رہتا ہے نہ آئینہ قدرت کہلانے کا اور اِس کا عالم کبیر کے لیے جلا ہونے کی حقیقت تک اہل عرفان وکاملین کی بھی رسائی نہیں ہے اِس اعتبار سے اِسے کبھی خفی اور کبھی اخفا کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا''(۱)

نیز فرمایا: ''یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی''(۲)

❸ وہ بدنِ انسانی کے مربّی ہے اِس اعتبار سے اسے رُوح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیوں کہ تربیت روح کی خصوصیات میں سے ہے جبکہ اِس اعتبار کے بغیر نفس رُوح من حیث الروح کو ''رُوح مجرد'' کہا جاتا ہے۔

❹ اُس کا وجود وتعین جس میں بھی ہوتا ہے اور جب بھی ہوتا ہے نَفَس رحمانی کا مرہون منت ہوتا ہے جیسا انسانوں کی زبان سے نکل کر وجود میں آنے والے کلمات اُن کے تنفّس کے مرہون منت ہوتے ہیں اِس اعتبار سے اسے کلمہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ''(۳) جس میں بالترتیب نفس رحمانی کی حیثیت کے ساتھ تربیت کے اعتبار کو ظاہر کیا گیا ہے۔

❺ اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین کے نتیجہ میں جو تغیرات وتبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اُن سے مُنفَعِل ومتاثر ہوتی ہے اِس اعتبار سے اُسے ''فُؤَاد'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) بنی اسرائیل:85۔

(۲) طٰہٰ:7۔

(۳) النساء:171۔

"مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى" (۱)

مفسرین کرام کا یہاں پر لفظ "فُؤَاد" کا ترجمہ دل میں کرنا حقیقت پر نہیں بلکہ مجاز پر محمول ہے کہ عام انسانوں کو سمجھانے کے لیے اِسے ذکر المحل وارادۃ الحال یا ذکر الظرف وارادۃ المظروف کے انداز پر لیا جاتا ہے جس میں "فُؤَاد" بمعنی قلب صنوبری ہے یعنی مخصوص پارۂ گوشت جو انسانی رُوح کے لیے محل ہے کہ اولاً و بالذات اسی کے ساتھ متعلق ہوتی ہے جس کے بعد جملہ اعضاء بدن پر حاکم و متصرف ہوتی ہے۔ یہاں پر جملہ معترضہ کے انداز میں قلب صنوبری کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ اِس لیے کہ عرفاء و کاملین کے کلام کے ساتھ قلب سے بحث کرنے والی کتابوں میں بھی عام طور پر اِس کا ذکر آتا ہے جس کی وجہ تشبیہ عام قارئین کے لیے قابلِ فہم نہیں ہے کہ صنوبری یعنی منسوب بسوئے صنوبر کیوں ہے؟

جس کا فلسفہ اِس طرح ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے بھی یہ استعمال کیا ہے اُس کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اُس ❻ نے صنوبر کے درخت اور اُس کے پتوں کو دیکھ کر ہی ایسا کہا ہوگا۔ جس کا تعلق تجربہ اور مشاہدہ سے ہے کہ درختِ صنوبر کے پتے، اُن کی ساخت اور ہیئت کذائیہ قلبِ انسانی کی ہیئت کذائیہ کے زیادہ مشابہ ہے اِس کا تجربہ ہر اُس شخص کو ہو سکتا ہے جو درختِ صنوبر کے سامنے کھڑے ہو کر اُس کے کسی پتے کا جائزہ لے۔ اور صنوبر سے مراد اُس کی وہ خاص قسم نہیں ہے جس کو "سرو" کہا جاتا ہے اور زیبائش کے لیے محلات کے چمنوں میں لگایا جاتا ہے بلکہ اِس سے مراد اصل صنوبر ہے جو مخصوص برفانی علاقوں کے پہاڑوں میں ہوتا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے نصف صدی قبل ہمارے علاقہ میں اِسے مکانات کی تعمیر میں بھی استعمال کیا جاتا تھا اور جلانے میں بھی۔

❻ بدنِ انسانی میں اِس کی موجودگی کی پہچان صدورِ افعال سے ہوتی ہے کیوں کہ اِس کی عدم موجودگی میں انسانوں سے کوئی حرکت، کوئی عمل اور کوئی کردار صادر نہیں ہو سکتا نہ اختیاری

(۱) النجم: 11۔

نہ غیر اختیاری یہاں تک کہ تنفس کا صدور بھی ممکن نہیں ہے اِس اعتبار سے اسے "صدر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۷ اللہ تعالیٰ کی بالا دستی و تدبیر اور قہاریت سے خائف بھی ہوتی ہے بلکہ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس میں یہ فرمان خداوندی "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ" سے خائف نہ رہتی ہو اِس اعتبار سے شریعت مقدسہ کی زبان میں اِسے "رُوع" بھی کہا گیا ہے۔ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ رُوْحَ الْقُدُس نَفَثَ فِي رُوْعِي اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا"(۱)

اور ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی زبان میں جس چیز کو جس نام سے بھی یاد کیا گیا ہے، صوفیاء کرام بھی اُسی نام سے اُسے پکارتے ہیں اِس لیے صوفیاء کاملین کی کتابوں میں بھی اِنسانی رُوح کی اِس حیثیت کو اِسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔

۸ ہر انسان کی رُوح اُسی کے ساتھ خاص اور اُسی کی قید میں مقید ہوتی ہے اور اُسی کی طرف منسوب ہوتے ہوئے خالق کی طرف بھی متوجہ ہوتی ہے مخلوق کی طرف بھی یعنی بدنِ انسانی کی قید میں مقید ہوئے بغیر اُس کا وجود ممکن ہے نہ پہچان اِس اعتبار سے اسے "عقل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۹ ہر بدنِ انسانی کی روح اُس کے ساتھ متعلق ہونے کے ساتھ اُس کے لیے مدبّر بھی ہوتی ہے اِس اعتبار سے اسے "نفس" کے نام سے پکارا جاتا ہے، پھر نفس کے بھی مختلف اعتبارات ہیں نباتیت کی طرف رجحان کی حیثیت سے نفس نباتیہ اور حیوانیت کی طرف رجحان کی حیثیت سے نفس حیوانیہ کہلاتی ہے اور کثافت و حیوانیت کو لطافت و نورانیت پر ترجیح دینے کی حیثیت سے نفس امّارہ کہلاتی ہے جبکہ اِس کے برعکس ہونے کی حیثیت سے نفس مطمئنہ کہلاتی ہے اور کثافت و حیوانیت کو لطافت و نورانیت پر ترجیح دینے کے بعد اُس کے منحوس نتائج کی طرف

(۱) جامع الصغیر، حدیث نمبر: 2273۔

متوجہ ہو کر پشیمان ہونے کی حیثیت سے ''نفس لوامہ'' کہلاتی ہے۔

⓾ گویائی کی حیثیت سے لیا جائے تو ''نفسِ ناطقہ'' کہلاتی ہے۔

⓫ انسانی روح کو مذکورہ جملہ اعتبارات کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ احدیۃ الذات، احدیۃ الاسماء اور اَحدیۃ الربوبیت کے ایک ایک رُتبے کی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت بھی حاصل ہے اور ذاتِ الٰہی کے جملہ شؤن وکمالات کی طرف مائل ہونے کے ساتھ عالم صغیر وکبیر کے ہر گوشۂ ظاہر اور ہر زاویہ باطن کو اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت واستعداد ہر وقت موجود رہتی ہے اِس اعتبار سے اِسے ''قلب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرح جملہ کائنات کو محیط ہے بلکہ مصنف نے کلمہ شعیبیہ کے فص میں فرمایا ہے:

''قَلْبَ الْعَارِفِ بِاللّٰهِ هُوَمِنْ رَحْمَةِاللّٰهِ وَهُوَاَوْسَعُ مِنْهَافَاِنَّهٗ وَسِعَ الْحقَّ جَلَّ جَلَالُهٗ وَرَحْمَتُهٗ لَا تَسَعُهٗ''

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ ذات احدیت سے متعلق عرفان نصیب انسان کا قلب اللہ کی رحمت کے مظاہر میں سے ہوتے ہوئے بھی اُس سے زیادہ وسیع ہے کیوں کہ اِس کی وسعت اللہ تعالیٰ کی ذات اَحدِیَت کو بھی شامل ہے جبکہ رحمت ایسی نہیں ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مَاوَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَآئِیْ وَوَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤمِنُ التَقِیُّ النَّقِیُّ''(۱)

اِس کا مفہوم مولانا روم کے الفاظ میں اِس طرح ہے:

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نگنجم ہیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز — من نگنجم این یقین دان ای عزیز
در دل مومن بگنجم ای عجب — گر مرا جوئی در آن دلہا طلب(۲)

(۱) احیاء العلوم، ج:3، ص:12۔

(۲) مثنوی مولانا روم، ج:1، ص:164۔

حضرت ابو یزید البسطامی نے انسانی روح کی اِسی حیثیت قلبیہ کی وسعت سے متعلق فرمایا:

"لَوْاَنَّ الْعَرْشَ وَمَاحَوٰهُ مِاۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ فِیْ زَاوِیَۃٍ مِنْ زَوَایَاقَلْبِ الْعَارِفِ مَا اَحَسَّ بِہٖ"(۱)

یعنی عرش کروڑ بار اپنے جملہ مشمولات کو لے کر قلب عارف کے ایک گوشہ میں موجود ہو جائے پھر بھی وہ اِسے محسوس نہیں کرے گا۔

ظاہر بین اور اللہ تعالیٰ کے اِسم "اَلظَّاھِرُ" کے مظاہر پر اکتفا کرنے والے حضرات کے لیے یہ قابل فہم نہیں ہے جبکہ مظاہرِ ظاہر کے ساتھ مظاہر اسم "اَلْبَاطِنُ" پر نظر رکھنے والے اہل تحقیق کے لیے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے کیوں کہ عرش اپنے جملہ مشمولات کروڑ ہا بار ساتھ لے کر عارف باللہ کے قلب میں آ جائے پھر بھی اِس کے لیے قابل التفات نہیں ہے کیوں کہ اِس کا قلب یعنی اِس کی روح کی قلبی حیثیت احدیت الذات اور الوجود المطلق وحدہ لاشریک میں مستغرق ہو چکی ہوتی ہے جبکہ عرش کی یہ وسعت احدیت الاسماء کی مظہر اور متناہی ہے اور قلبِ عارف جس میں مستغرق ہو چکا ہے وہ فرمانِ الٰہی "وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ" ہے۔ حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے:

"وَاعْلَمْ اَنَّ السَّاعِیَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی لِیَنَالَ قُرْبَہٗ ھُوَالْقَلْبُ دُوْنَ الْبَدَنِ وَلَسْتُ اَعْنِیْ بِالْقَلْبِ اللَّحْمَ الْمَحْسُوْسَ بَلْ ھُوَ مِنْ اَسْرَارِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَا یُدْرِکُہُ الْحِسُّ وَلَطِیْفَۃٌ مِنْ لَطَآئِفِہٖ تَارَۃً یُعَبَّرُعَنْہُ بِالرُّوْحِ وَتَارَۃً بِالنَّفْسِ الْمُطْمَئِنَّۃِ وَالشَّرْعُ یُعَبِّرُعَنْہُ بِالْقَلْبِ لِاَنَّہُ الْمَطِیَّۃُ الْاُوْلٰی لِذٰلِکَ السِّرِ وَبِوَاسِطَتِہٖ صَارَ جَمِیْعُ الْبَدَنِ مَطِیَّۃً وَآلَۃً لِتِلْکَ اللَّطِیْفَۃِ وَکَشْفُ الْغِطَا عَنْ ذٰلِکَ السِّرِ مِنْ عِلْمِ الْمُکَاشَفَۃِ وَھُوَمَضْنُوْنٌ بَلْ لَارُخْصَۃَ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَایَۃُ الْمَاذُوْنِ فِیْہِ اَنْ یُّقَالَ ھُوَجَوْھَرٌ نَفِیْسٌ وَدُرٌّ عَزِیْزٌ اَشْرَفُ مِنْ ھٰذِہِ الْاَجْرَامِ الْمَرْئِیَّۃِ وَاِنَّمَا ھُوَ اَمْرٌاِلٰھِیٌّ کَمَاقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ وَکُلُّ

(۱) فصوص الحکم شریف، فص حکمۃ قلبیۃ فی کلمۃ شعیبیتہ۔

اَلْمَخْلُوْقَاتِ مَنْسُوْبَۃٌ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَلٰکِنْ نِسْبَتُہٗ اَشْرَفُ مِنْ نِسْبَۃِ سَآئِرِ اَعْضَآءِ الْبَدَنِ فَلِلّٰہِ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ جَمِیْعًا وَالْاَمْرُ اَعْلٰی مِنَ الْخَلْقِ"(۱)

یعنی سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اُس کی طرف سعی کرنے والا انسانی بدن نہیں بلکہ قلب ہے اور قلب سے مراد گوشت کا محسوس حصہ نہیں ہے بلکہ اِس سے مراد انسانی روح کی ایک خاص حیثیت ہے جو اللہ عزوجل کے رازوں میں سے ایک راز اور اُس کے لطائفِ قدرت میں سے ایک لطیفہ ہے جس کی تعبیر کبھی روح سے اور کبھی نفس مطمئنہ سے کی جاتی ہے اور شریعت اُس کی تعبیر قلب سے کرتی ہے کیوں کہ قلب صنوبری ہی اِس کی اولین سواری ہے اور اس کے واسطہ سے پورا بدنِ انسانی اس کے لیے سواری اور اِس لطیفہ کو سمجھنے کے لیے وسیلہ بن جاتا ہے اور اس راز سے پردہ اُٹھانا علم مکاشفہ کے قبیل سے ہے اور قلب کی یہ حقیقت انسانوں کی رسائی فہم سے ممنوع ہے بلکہ اِسے موضوع بحث بنانے کی اجازت ہی نہیں ہے اِس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ جس کلام کی اجازت ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک نفیس جوہر ہے اور عزیز الوجود ہے جو دنیا بھر کے اجسام مرئیہ سے اشرف ہے اور اِس کی حقیقت امرِ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تم سے روح کی حقیقت کا پوچھتے ہیں کہہ دے کہ روح امر ربی کی ایک جھلک ہے"، اور جملہ خلائق اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب ہیں چاہے امر کے قبیل سے ہو یا خلق کے قبیل سے لیکن روح کے حوالہ سے امرِ ربی کے اِس محل کی نسبت بدنِ انسانی کے دوسرے تمام اعضاء کی نسبت سے زیادہ اشرف ہے کیوں کہ درحقیقت امر و خلق دونوں اللہ ہی کے لیے ہیں جبکہ امر خلق سے اعلیٰ و افضل ہے۔

خود حضرت مصنف یعنی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قلب مومن کو بیت المعمور اور بیت الحرام شریف سے بھی زیادہ وسیع المرتبت قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہیں:

اَلْقَلْبُ بَیْتُکَ لَا بَیْتِی فَاعْمُرُہٗ   فَلَسْتُ اَذْکُرُ اَشْیَآءَ اَنْتَ تَذْکُرُہٗ

(۱) احیاء علوم الدین، ج:1، ص:54، مطبوعہ بیروت۔

ذِكْرِیْ لِنَفْسِیْ حِجَابٌ اِنَّ ذِكْرَكَ لِیْ
هُوَ السُّرُوْرُ الَّذِیْ بِالْحُسْنِ تَغْمُرُهُ

اِذَا ذَكَرْتُكَ كَانَ الذِّكْرُ مِنْكَ لَنَا
فَلَسْتَ تَذْكُرُ اَمْرًا نَحْنُ نَذْكُرُهُ

اِنَّ الْخَلِيْلَ بِظَهْرِ الْبَيْتِ مَسْكَنُهُ
مِنْ اَجْلِ قَلْبٍ لَهُ مَا زِلْتَ تَعْمُرُهُ

فَلَوْ يَحُلُّ بِهِ لَكُنْتَ تَابِعَهُ
وَلَيْسَ يَسْكُنُهُ فَلَسْتَ تَعْمُرُهُ

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا لَا يَفُوْهُ بِهِ
اِلَّا الَّذِیْ هُوَ فِیْ قَلْبِیْ يُصَوِّرُهُ

یعنی میرا دل تیرا گھر ہے میرا نہیں تو پھر تو ہی اسے آباد کر پس میں کسی ایسی بات کا تذکرہ نہیں کر رہا جس کا تذکرہ تو کرتا ہے۔ میرا ذکر کرنا میرے لیے حجاب ہے بے شک تیرا مجھے ذکر کرنا ہی وہ خوشی ہے جسے تو حُسن کے پردہ میں چھپاتا ہے۔ جب میں تجھے یاد کروں تو وہ تیری طرف سے ہم کو یاد کرنا ہے پھر تو کسی ایسی چیز کا تذکرہ نہیں کرتا جس کا تذکرہ ہم کرتے ہیں بے شک حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بیت اللہ شریف کی بیرونی طرف ٹھہرنا اُن کے اُس قلب کی وجہ سے تھا جس کی تعمیر تو ہی کرتا رہا ہے۔ اگر وہ بیت اللہ شریف کے اندرون قیام کرتے پھر تو بھی ایسا کرتا اُنہوں نے اندرون قیام نہیں کیا پھر تو بھی اُس کے اندر قیام نہیں کر رہا۔ پس حمد علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے میرے اِس کلام کے ساتھ تلفظ نہیں کرتا مگر وہی جو میرے قلب میں اِس کی صورت بنا رہا ہے۔(۱)

عرفاء اسلام کے متقدمین کی طرح متاخرین کے زمرہ میں حضرت شیخ احمد الفاروقی مجدد الف ثانی نے بھی قلب کی وہی تعبیر اور وہی مقصد بتایا ہے جو اِن متقدمین سے ثابت ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ شریعت مقدسہ کی زبان میں انسانی بدن میں موجود مخصوص پارہ گوشت کو بھی قلب کہا گیا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا ہے:

”اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ آدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ

(۱) الفتوحات المکیۃ، ج:4، ص:6، باب:45، مطبوعہ مصر۔

فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ"(۱)

یعنی انسان کے بدن میں ایک پارہ گوشت ہے جب وہ درست ہو تو پورا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو پورا بدن فاسد ہو جاتا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وہ دل ہے۔

ظاہر ہے کہ زبانِ نبوت سے یہاں پر استعمال ہونے والے اِس مضغہ سے مراد اُس پارہ گوشت کے سوا کچھ اور چیز نہیں ہے جبکہ انسانی روح کو عالَم امر اور عالَم خلق کے مابین برزخ ہونے اور ہر طرف ملتفِت و مُنقلِب ہونے کی حیثیت سے قلب کہنا بھی قرآن وسنت کی زبان میں امر مسلم ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ"(۲)

یعنی بات یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ سینوں میں موجود دل اندھے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں پر قلوب سے مراد حقیقت جامعہ کے سوا کچھ اور نہیں ہے جس میں انسانی روح اُس مضغہ گوشت کے ساتھ اولاً و بالذات متعلق ہو کر اُس کی وساطت سے جملہ اعضائے انسانی کو حقیقت الحقائق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آیت کریمہ میں منکرین کی آنکھوں کے لیے بصر ثابت کرنے کے ساتھ اُن کے قلوب سے بصیرت کی نفی بتائی گئی ہے جو گوشت کا پارہ مراد ہونے کی صورت میں ممکن نہیں ہے کیوں کہ وہ دوسرے اعضائے انسانی کی طرح بصیرت کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اور اُس کا محل و مصرف ہی نہیں ہے تو پھر اُس سے بصیرت کی نفی کرنے کا کوئی مقصد ہی نہیں رہتا، حقیقتانہ مجازانہ کنایۃً۔

ایسے میں یہاں پر لفظ "قلوب" سے مراد حقیقت جامعہ متعین ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے حضرت مجدد الف ثانی نے شریعت مقدسہ کی زبان میں لفظ "قلب" کا اِن دونوں معانی میں استعمال ہونے کے بعد صوفیاء کرام کی زبان میں دوسرے معنی کے متعین ہونے کے ساتھ اِس کی

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، کتاب البیوع، باب طلب الحلال، ص: 241۔

(۲) الحج: 46۔

جامعیت کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اے برادر این مضغه را پر چه گوشت لا یعباء به خیال نه کنی که ان جوهر نفیس است که خزائن و اسرار عالم خلق در وے مخزون گشته است و دفائن و خفایائے عالم امر در وے مدفون شده باز یادتی معاملات خاصه که بهیئت وحدانی او مربوط است اول اجزائے عشره را بتصفیه و تزکیه و بجذبه و سلوک و بفنا و بقا مزکی و مطهر ساخته اند و از دنس تعلقات ما سوائے آزاد گردانیده اند مثلاً قلب را از تقلب گذرانیده بتمکین رسانیده اند و نفس را از آمارگی باطمینان آورده اند و جزو ناری را از سرکشی و نافرمانی باز داشته اند و خاک را از پستی و پست فطرتی ارتفاع داده اند علی هذا القیاس جمیع اجزائے او را از افراط و تفریط بحد اعتدال و توسط آورده اند بعد ازان به محض فضل و کرم این اجزاء را ترکیب داده شخص متعین ساخته اند و انسان کامل گردانیده قلب آن شخص را که خلاصه اوست و مرکز وجود او بمُضغه تعبیر نموده اند"(۱)

ایک اور مقام پر اسے عالم خلق اور عالم امر کے مابین برزخ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"قلب برزخ است درمیان عالم خلق که عالم عناصر اربعه است و درمیان عالم ارواح و رنگی از هر دو عالم دارد"(۲)

---

(۱) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر:2، حصہ:6، ص:59، مکتوب نمبر:21۔

(۲) مکتوب نمبر:264، دفتر:1، حصہ:4۔

اور مبداء ومعاد میں انسانی روح کی قلبی حیثیت سے متعلق لطائف ستہ کی تفصیل بتانے کے ساتھ متضاد حیثیات کو شامل ہونے سے متعلق لکھا ہے:

''هُوَالضَّيِّقُ الْاَوْسَعُ الْبَسِيطُ الْاَبْسَطُ وَالْاَقَلُّ الْاَكْثَرُ''(۱)

دوسرے مقام پر لکھا ہے:''قلب از عالم امر است او را بعالم خلق تعلق وتعشق دادہ بعالم خلق فرود آوردہ اند و بمضغہ کہ در جانب چپ است تعلق خاص بخشندہ اند''(۲)

حضرت شیخ اکبر نے حدیث قدسی''لَا يَسِعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَآئِيْ وَيَسِعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ'' کی روشنی میں اِسے نہ صرف یہ کہ حقیقت جامعہ اور عالَم خلق و عالَم امر کے مابین برزخ اور دونوں کو جامع قرار دیا ہے بلکہ اللہ کا گھر بھی کہا ہے ان کے الفاظ اِس طرح ہیں:

''فَالْحَقُّ بَيْتُ الْمَوْجُوْدَاتِ كُلِّهَا لِاَنَّهُ الْوُجُوْدُ وَقَلْبُ الْعَبْدِ بَيْتُ الْحَقِّ لِاَنَّهُ وَسِعَهُ وَلٰكِنْ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ لَا غَيْرُ''(۳)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ موجودات کا گھر ہے کیوں کہ وہی وجود حقیقی اور الوجود المطلق ہے جس کی موجودگی کے بغیر کسی اور کے وجود کا تصور ممکن نہیں ہے اور بندے کا قلب حق تعالیٰ وحدہ لاشریک کا گھر ہے کیوں کہ یہ اُس کے لیے گنجائش رکھتا ہے لیکن یہ سعادت صرف مومن کے قلب کو حاصل ہے غیر کو نہیں۔

مومن سے مراد فرد کامل ہے جو منازل عشرہ سلوک میں سے ہر ایک میں استقامت دکھاتا ہے انجام کار ہر منزل میں پیش آنے والے احوال کو مقامات میں بدلنے کی توفیق پاتا ہے اور کامیابی کے ساتھ جملہ منازل کو طے کرتے ہوئے آخری منزل یعنی مقام رضا کا مسافر بن جاتا ہے

(۱) المبداوالمعاد، ص:13۔

(۲) المبدء والمعاد، ص:38۔

(۳) الفتوحات المکیہ، ج:4، ص:7، مطبوعہ بیروت طبع قدیم۔

جو عبدیت محضہ کا رُتبہ ہے جس میں اُس کی قوتِ فکری وعملی کا محور احدیت الذات کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا یعنی احدیت الربوبیت نہ احدیت الاسمآء والصفات چہ جائیکہ مظاہر کی طرف توجہ ہو۔

خلاصۃ التحقیق :۔ فصوص الحکم شریف کی اِس عبارۃ میں قلب سے مراد قلبِ صنوبری ہرگز نہیں ہے جو مخصوص پارہ گوشت سے عبارۃ ہے بلکہ اِس سے مراد انسانی رُوح کی تقلبی حیثیت مراد ہے۔ جس کے مختلف نام اور مختلف حالات ہیں:

❶ جو قلب صنوبری کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد اُسے عالَم اصغر بنا دیتی ہے پھر اُس کی وساطت سے جملہ اعضائے انسانی پر حاکم ومتصرف ہو کر اُن کے مجموعہ ''جسدِ انسانی'' کو عالَم صغیر بنا دیتی ہے جو خلاصہ ہے عالَم کبیر کا یعنی جملہ خلائق کا۔

❷ جو حقیقت جامعہ کہلاتی ہے کیوں کہ وہ صفت بحالہ اور صفت بحال متعلقہ دونوں کو جامع ہونے کی طرح عالَم خلق کے چاروں عناصر یعنی پانی، ہوا، آگ، مٹی کو بھی شامل ہے اور عالَم امر کے تمام لطائف یعنی سِرّ، روح، قلب، نفس، خفی، اخفا سمیت ان کے جملہ ملحقات کو بھی شامل ہے۔

❸ جو برزخ بین الظاہر والباطن ہے کیوں کہ دونوں کے آثار اِس پر مرتب ہوتے ہیں۔

❹ جو قلب صنوبری کے بغیر موجود ہو سکتی ہے نہ متشخص جبکہ قلبِ صنوبری کا فائدہ واعتبار اس کے بغیر نہیں ہوتا۔

❺ جو اپنی مجہولۃ الکیف وسعت کے اعتبار سے عرش الرحمٰن اور بیت الحق کہلاتی ہے۔ قلب کے اِس رُتبے پر فائز کاملین کا وجودِ مسعود جوہرِ انسانیت اور فخرِ خلائق کہلاتا ہے اِن کے ساتھ وابستگی سعادت اور اِن کی صحبت سے محرومی حرماں نصیبی ہے۔ قلب کے اِس رُتبے کے مختلف درجات ہیں جن میں سالکین راہِ حق اولین منزل سلوک ''توبہ'' کے مقام سے لے کر آخری منزل ''رضا'' تک ترقی وعروج کے مسافر ہوتے ہیں گویا پہلی منزل سے حاصل ہونے والا رُتبہ اِس کا فردِ ادنیٰ اور آخری منزل سے حاصل ہونے والا رُتبہ ''عبدیت محضہ'' اِس کا فردِ اعلیٰ ہے جن کے مابین باقی آٹھ (8) منازل سے متعلقہ آٹھ (8) وسائط ہیں اور سالکین طریق

حقیقت کے چاروں سفر ان ہی منازل سے متعلق ہیں گویا ہر منزل کے مسافر کو کامیابی حاصل ہو جانے کے بعد اُس کے رُتبے اور اُس کی استعداد کے مطابق حکمتیں اُس کے قلب پر نازل کی جاتی ہیں جس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت شیخ اکبر نے یہاں پر نہ صرف جمع بلکہ استغراق کے انداز سے ''مُنَزِّلِ الْحِکَمِ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَلِمِ'' فرمایا ہے۔(فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآءَ مَآ اَکْمَلَہٗ مَعْرِفَۃً،مَآ اَحْسَنَہٗ اِشَارَۃً،مَآ اَدَقَّہٗ نَظْرًا)

خطبہ کے اِس حصہ میں تیسرا قابلِ توضیح لفظ ''اَحَدِیَت'' ہے حضرت شیخ اکبر کی دوسری تصنیفات اور بالخصوص الفتوحات المکیہ شریف کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے والی ''اَحَدِیَت'' کی تین قسمیں ہیں۔

احدیت الذات:۔ جس کو الوجود المطلق اور حقیقۃ الحقائق بھی کہا جاتا ہے جو محض ذات کا مرتبہ ہے جس میں اسماء کا اعتبار ہے نہ اوصاف کا۔

احدیت الاسماء:۔ جس میں اسماء الٰہی کا من حیث الانتزاع اعتبار ہوتا ہے کہ بے شمار و بے نہایت ہونے کے باوجود ایک ذات سے مُنتزع ہو رہے ہیں، ایک ہی ذات پر محمول ہو رہے ہیں اور ایک ایسے وجودِ مطلق کی پہچان و تعیین کے لیے ذرائع و علامات بن رہے ہیں کہ ان کے بغیر اُس کی پہچان ممکن نہیں ہے بجائے خود کثیر و متعدد اور مختلف الآثار والمظاہر ہونے کے باوجود احدیت الذات وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور پر دلالت نہیں کر رہے ہیں۔

احدیت الربوبیت:۔ جس میں اُس کی پہچان وصف ربوبیت سے ہوتی ہے کہ جملہ خلائق کی پرورش کرنے میں وہ تنہا و یکتا ہے جس میں اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر مخلوق اللہ کی مربوب ہے اور مربوبیت کی حیثیت سے سب کی دلالت ایک ہی ربّ پر ہے جو احدیت الذات وحدہ لاشریک ہے۔

یہاں پر کتاب میں یہی احدیت الربوبیت مراد ہے کہ حِکَم یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی

حکمتوں کو روحانی غذا بنا کر پرورش پانے والوں کی کثرت کے باوجود اُنہیں ملنے والی اِس پرورش کا طریق وراستہ صرف ایک ہے جو رب العلمین کی طرف سے ہے۔ یہی حال وصف "عَلِیْمٌ" کا بھی ہے "حِکْمَة" کہلانے والے خاص علم یعنی حقائق الاشیاء کے واقعی حالات سے متعلق علم بمع عمل کے مجموعہ کے مقابلہ میں محض علم کی دولت سے جن کو نوازا جاتا ہے اُس کا طریق وراستہ بھی صرف ایک ہے جو صفت علم ہے اِسی طرح وصف سمیع سے جن بے شمار خلائق کو نوازا جاتا ہے اُس کا طریق و راستہ بھی ایک ہے جو صفت سمیع ہے اور وصف بصارت سے جن خلائق کو نوازا جارہا ہے اس کا طریق وراستہ بھی ایک ہے جو تبصیر کی صفت فعلی ہے۔ علی ہذا القیاس جس نوعیت کا بھی کوئی کمال بندوں میں پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اُسی قسم کی صفت کا عکس ہے جیسا عالَم محسوسات میں آنکھ جو کام کر سکتی ہے کان اور ناک وغیرہ نہیں کر سکتے، زبان جو کر سکتی ہے اُسے ناک وکان نہیں کر سکتے، ہاتھ جو کرتے ہیں وہ پاؤں نہیں کر سکتے، اور عقل جن معقولات کا اِدراک کر سکتی ہے اُن کا اِدراک ظاہری حواس کر سکتے ہیں نہ باطنی۔

الغرض دنیا میں اجسام واعیان سے لے کر اعراض وافعال تک جو کچھ بھی پایا جاتا ہے یہ سب کے سب اسماء اللہ کے کرشمے اور صفات اللہ کے مظاہر ہیں اور مختلف اسماء وصفات کے مظاہر ہونے کے اعتبار سے افاضہ کے طریق وراستے ایک دوسرے سے مختلف ہیں جبکہ ہر اِسم وصفت کے ماتحت آنے والے اِن بے شمار مظاہر کے انتزاع واتصاف اور وجود میں آنے کا طریق وراستہ صرف ایک ہے جو اُس خاص اسم کے بغیر کسی دوسرے اِسم کے راستے سے ممکن نہیں ہے حقیقت کی اِس روشنی میں احدیۃ الذات وحدہ لاشریک کے اِسم "اَلْحَکِیْمْ" کے مظاہر یعنی کاملین کے قلوب پر نازل ہونے والے حِکَم ومعارف کا باطنی راستہ صرف اور صرف اِسم "حکیم" کا ہونا عین مقتضائے فطرت ہے اِسی طرح کاملین کی روحانی تربیت وپرورش کے لیے جو کچھ بھی نازل کیے جاتے ہیں اُن کا واحد راستہ بھی رب العلمین کی وحدت کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وحدۃ الاسماء کے مطابق ہر اسم کے مظاہر کو دوسرے اسماء کے تقاضوں سے جدا رکھ کر پرورش کرنے کا

طریقہ عین عدل وانصاف اور صراط مستقیم ہے جس پر نظر رکھتے ہوئے حضرت شیخ نے اپنے کلام "بِاَحْدِيَّةِ الطَّرِيْقِ الْاَمَمِ" کو استوار کیا ہے۔ (فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ)

خطبہ کے اِس حصے میں چوتھا قابلِ توضیح لفظ "مُمِدِّ الْهِمَمِ" ہے جس سے مرادذاتِ نبوی سید عالم ﷺ ہونا کلام مصنف کے سیاق وسباق سے آپ ہی ظاہر ہے۔

باقی رہا یہ تصور کہ ذاتِ نبوی ﷺ کاملین کی ہمتوں کو کس طرح بڑھاتے اور اُن کی مدد کس طرح کرتے ہیں، وہ اِس طرح ہے کہ کاملین کے کشف اور عرفاء اسلام کی تصریحات خاص کر مصنف یعنی حضرت شیخ اکبر نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف کے مطابق نبی اکرم سید عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس یعنی حقیقت محمدی ﷺ احدیت الذات جل جلالہ وعم نوالہ کے تعین اول کی جلوہ ہے جو احدیت الاسماء کے مرتبہ کو شامل ہونے کی بناء پر تعین اول کہلاتی ہے اور جملہ اسماء الٰہی کے ساتھ اُن کے تمام مظاہر میں بھی معنوی طور پر نافذ وساری ہے۔ مصنف نے خود لکھا ہے:

"بَدْءُ الْخَلْقِ الْهَبَاءُ وَاَوَّلُ مَوْجُوْدٍ فِيْهِ الْحَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ الرَّحْمَانِيَّةُ" (۱)

یعنی خلائق کی ابتداء ہباء سے ہے "جو احدیۃ الذات کے تعین اول سے عبارۃ ہے" اور اُس میں سب سے قبل حقیقت محمدی وجود میں آئی ہے جو تجلی رحمانی کا کرشمہ ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا: "وَاَمَّا الْقُطْبُ الْوَاحِدُ فَهُوَ رُوْحُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَهُوَ الْمُمِدُّ لِجَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ" (۲)

یعنی اسماء الٰہی کے جملہ مظاہر کے لیے واحد قطب "مدار" صرف حقیقت محمدی ﷺ ہے جو تمام انبیاء ومرسلین علیہم التسلیم کی ہمتوں کو بڑھانے اور اُنہیں مدد دینے والی ہے۔

اِس کے چند سطر بعد فرمایا ہے: "وَلِهٰذَا الرُّوْحِ الْمُحَمَّدِيِّ مَظَاهِرُ فِي الْعَالَمِ" (۳)

یعنی حقیقتِ محمدی ﷺ کے لیے جملہ خلائق میں مظاہر ہیں۔

---

(۱) الفتوحات المکیه، ج:1، ص:118، مطبوعه بیروت۔

(۲) الفتوحات المکیه، ج:1، ص:151، مطبوعه بیروت۔

(۳) الفتوحات المکیه، ج:1، ص:152، مطبوعه بیروت۔

حضرت مجدد الف ثانی نے بھی ذاتِ الٰہی کے مرتبہ لاتعین کے بعد تعیّن اول اور تعیّن ثانی کے مابین اجمال وتفصیل کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے:

"وغایة ما فی الباب ان اسماء وصفات وشؤن واعتبارات در حضرت علم تمایز وتباین پیدا کردہ اند اجمالاً وتفصیلاً اگر تمیز اجمالی است معتبر بتعیّن اول است واگر تفصیلی است مسمّٰی بتعیّن ثانی تعین اول را وحدت می نامند وآن را حقیقت محمدی ﷺ میدانند وتعیّن ثانی را واحدیت می گویند وحقائق سائر ممکنات می انگارند"(۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اسماء وصفات کے اعتبار سے ذاتِ الٰہی کے تعیّن اول اور تعیّن ثانی کے جدا جدا مظاہر اور ان کے الگ الگ عالم کی جو پہچان ممکن ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اُس وحدہ لاشریک کے مختلف شئون واعتبارات اُس کے علم اَزلی میں ایک دوسرے سے امتیاز وتباین رکھتے ہیں اور اِس علمی امتیاز وتباین کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:۔ اجمال کے درجہ میں ہے جو تعیّن اول سے عبارت ہے جسے وحدت بھی کہتے ہیں اور اِس کا مظہر حقیقتِ محمدی ﷺ ہے

دوسری قسم:۔ تفصیل کے درجہ میں ہے جس کو تعیّن ثانی کہتے ہیں اور واحدیت سے موسوم کرتے ہیں جس کا مظہر تمام ممکنات ہیں جو ذاتِ احدیت وحدہ لاشریک کے جملہ اسماء وصفات کے تفصیلی مظاہر ہیں۔

اِسی طرح حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اہل بیت نبوت کے مناقب سے قبل نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کی حقیقت یعنی حقیقت محمدی ﷺ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

(۱) مکتوبات امام ربانی، حصہ ششم، دفتر:2، مکتوب نمبر:1، ص:7۔

"رُوْحُ الْاَرْوَاحِ وَنُوْرُالْاَشْبَاحِ فَالِقُ اِصْبَاحِ الْغَیْبِ دَافِعُ ظُلْمَةِ الرَّیْبِ مَحْتِدُ التِّسْعَةِ وَالتِّسْعِیْنَ"(۱)

یعنی تمام روحوں کی روح ہے اور تمام انسانی بدنوں کا نور ہے، غیب کی روشنی کھولنے والے، شک وشبہ کی ظلمت کو دور کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے 99 ناموں کی اصل یعنی احدیت الذات کے تعیّن اول کا مظہر ہونے کے ساتھ مرتبہ وحدت کا بھی مظہر ہے جس میں اسماء وصفات کا ایک دوسرے سے تمایز وتباین اجمالی ہوتا ہے جس وجہ سے اِس رُتبے کی مظہر ہونے کی بنیاد پر حقیقت محمدی ﷺ احدیت الذات کے تعیّن ثانی کی تفصیل کے لیے بنیاد اور اصل قرار پاتی ہے جس میں جملہ اسماء الٰہی کے اِن منابع یعنی 99 اسماء کے مابین اجمالی تمایز وتفریق ختم ہو کر ہر ایک کی جدا جدا حیثیت واضح ہو جاتی ہے اور یہی اسماء اللہ اپنے مظاہر یعنی جملہ اجزاء عالَم کی صُوَرِ علمیہ ہیں جن کو اعیان ثابتہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ تمام ظاہر ومظاہر تعیّن ثانی کے لیے مظہر قرار پاتے ہیں جس کو مرتبہ واحدیت بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے میں جملہ خلائق کی حقائق میں جاری وساری حقیقت محمدی ﷺ کی باطنی مدد سے کون انکار کر سکتا ہے جبکہ حسب ضرورت اللہ تعالیٰ کے اِن ناموں سے مدد پانے کی آرزو سب کو ہوتی ہے جیسا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھنے والا ہر شخص اللہ تعالیٰ کے متعلقہ اسم سے مدد پانے کے درپے ہوتا ہے کیوں کہ اس میں "بِاللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" نہیں کہا جاتا ہے بلکہ "بِاِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کہہ کر اللہ تعالیٰ کے اِسم سے مدد پانے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جب اللہ تعالیٰ کا ہر ہر اِسم "مُمِدِّ الْخَلَائِقِ" ہے تو پھر جملہ اسماء اللہ کی اصل اور مظہر ذاتِ الٰہی یعنی حقیقت محمدی کا "مُمِدِّ الْهِمَمِ" ہونا بھی عین مقتضائے فطرت قرار پاتا ہے۔

فُصوص الحکم شریف کے شارحین کی طویل فہرست میں مصنف سے قریب العہد اور صرف ایک واسطہ سے بالواسطہ شاگرد "امام داوٗد القیصری" نے بھی دوسرے عرفاء وکاملین کی طرح

(۱) مناقب اهل بیت نبوت، مع شرح خلخالی، ص:48۔

حقیقتِ محمدی کا ''مُمِدِّ الھِمَم'' ہونے کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''لَمَّا تَقَرَّرَ اَنَّ لِكُلِّ اسْمٍ مِنَ الْاَسْمَاءِ الْاِلٰهِيَّةِ صُوْرَةً فِي الْعَالَمِ مُسَمَّاةً بِالْمَاهِيَّةِ وَالْعَيْنِ الثَّابِتِ وَاَنَّ لِكُلِّ مِّنْهَا صُوْرَةً خَارِجِيَّةً مُسَمَّاةً بِالْمَظَاهِرِ وَالْمَوْجُوْدَاتِ الْعَيْنِيَّةِ وَاَنَّ تِلْكَ الْاَسْمَاءَ اَرْبَابُ تِلْكَ الْمَظَاهِرِ وَهِيَ مَرْبُوْبَاتُهَا وَعَلِمْتَ اَنَّ الْحَقِيْقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ صُوْرَةُ الْاِسْمِ الْجَامِعِ الْاِلٰهِيِّ وَهُوَ رَبُّهَا وَمِنْهُ الْفَيْضُ وَالْاِسْتِمْدَادُ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَسْمَاءِ فَاعْلَمْ اَنَّ تِلْكَ الْحَقِيْقَةَ هِيَ الَّتِيْ تَرُبُّ صُوَرَ الْعَالَمِ كُلِّهَا بِالرَّبِّ الظَّاهِرِ فِيْهَا الَّذِيْ هُوَ رَبُّ الْاَرْبَابِ، لِاَنَّهَا هِيَ الظَّاهِرَةُ فِيْ تِلْكَ الْمَظَاهِرِ كَمَا مَرَّ، فَبِصُوْرَتِهَا الْخَارِجِيَّةِ الْمُنَاسَبَةِ لِصُوَرِ الْعَالَمِ الَّتِيْ هِيَ مَظْهَرُ الْاِسْمِ الظَّاهِرِ. تَرُبُّ صُوَرَ الْعَالَمِ وَبِبَاطِنِهَا تَرُبُّ بَاطِنَ الْعَالَمِ؛ لِاَنَّهُ صَاحِبُ الْاِسْمِ الْاَعْظَمِ، وَلَهُ الرُّبُوْبِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ، لِذٰلِكَ قَالَ ﷺ:

''خُصِّصْتُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ''

وَهِيَ مُصَدَّرَةٌ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۱) فَجَمَعَ عَوَالِمَ الْاَجْسَامِ وَالْاَرْوَاحِ كُلِّهَا

وَهٰذِهِ الرُّبُوْبِيَّةُ اِنَّمَا هِيَ مِنْ جِهَةِ حَقِيْقَتِهَا، لَا مِنْ جِهَةِ بَشَرِيَّتِهَا؛ فَاِنَّهَا مِنْ تِلْكَ الْجِهَةِ عَبْدٌ مَرْبُوْبٌ، مُحْتَاجٌ اِلٰى رَبِّهَا، كَمَا نَبَّهَ سُبْحَانَهُ بِهٰذِهِ الْجِهَةِ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ (۲)۔

وَبِقَوْلِهِ: ﴿وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ﴾ (۳) فَسَمَّاهُ ''عَبْدَ اللّٰهِ''، تَنْبِيْهًا عَلٰى اَنَّهٗ مَظْهَرٌ لِهٰذَا الْاِسْمِ، دُوْنَ اسْمٍ آخَرَ.

---

(۱) الفاتحہ:1۔

(۲) الکہف:110۔

(۳) الجن:19۔

نَبَّهَ بِالْجِهَةِ الْاُوْلٰی بِقَوْلِهٖ: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (١) فَاَسْنَدَ رَمْيَهُ اِلَى اللّٰهِ.

وَلَا تَتَصَوَّرُ هٰذِهِ الرُّبُوْبِيَّةَ اِلَّا بِاِعْطَاءِ كُلِّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهُ، وَاِفَاضَةِ جَمِيْعِ مَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْعَالَمُ، وَهٰذَا الْمَعْنٰى لَايُمْكِنُ اِلَّا بِالْقُدْرَةِ التَّامَّةِ، وَالصِّفَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ جَمِيْعًا، فَلَهُ كُلُّ الْاَسْمَاءِ، يَتَصَرَّفُ بِهَا فِىْ هٰذَاالْعَالَمِ حَسْبَ اسْتِعْدَادَاتِهِمْ.

وَلَمَّا كَانَتْ هٰذِهِ الْحَقِيْقَةُ مُشْتَمِلَةً عَلَى الْجِهَتَيْنِ: اَلْاِلٰهِيَّةِ وَالْعُبُوْدِيَّةِ، لَا يَصِحُّ لَهَا ذٰلِكَ اِصَالَةً بَلْ تَبْعِيَّةً، وَهِىَ الْخِلَافَةُ، فَلَهَا الْاِحْيَاءُ، وَالْاِمَاتَةُ، وَاللُّطْفُ، وَالْقَهْرُ،وَالرِّضَاءُ وَالسَّخَطُ، وَجَمِيْعُ الصِّفَاتِ، لِيَتَصَرَّفَ فِى الْعَالَمِ وَفِىْ نَفْسِهَا وَبَشَرِيَّتِهَا اَيْضًا لِاَنَّهَامِنْهُ.

وَبُكَاؤُهُ ﷺ وَضَجْرُهُ وَضِيْقُ صَدْرِهٖ، لَايُنَافِىْ مَا ذُكِرَ،فَاِنَّهُ بَعْضُ مُقْتَضِيَاتِ ذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ﴿مَايَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ﴾ (٢) مِنْ حَيْثُ مَرْتَبَتِهٖ، وَاِنْ كَانَ يَقُوْلُ؛"اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ"مِنْ حَيْثُ بَشَرِيَّتِهٖ.

وَالْحَاصِلُ:اِنَّ رُبُوْبِيَّتَهُ لِلْعَالَمِ بِالصِّفَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ الَّتِىْ لَهُ مِنْ حَيْثُ مَرْتَبَتِهٖ، وَعَجْزِهٖ وَمَسْكَنَتِهٖ وَجَمِيْعُ مَا يَلْزَمُهُ مِنَ النَّقَائِصِ الْاِمْكَانِيَّةِ مِنْ حَيْثُ بَشَرِيَّتِهِ الْحَاصِلَةِ مِنَ التَّقَيُّدِ وَالتَّنَزُّلِ اِلَى الْعَالَمِ السُّفْلِىِّ، لِيُحِيْطَ بِظَاهِرِهٖ خَوَاصَ الْعَالَمِ الظَّاهِرِ،وَبِبَاطِنِهٖ خَوَاصَ الْعَالَمِ الْبَاطِنِ،فَيَصِيْرَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ، وَمَظْهَرَ الْعَالَمِيْنَ، فَنُزُوْلُهُ اَيْضًا كَمَالُهُ، كَمَااَنَّ عُرُوْجَهُ اِلٰى مَقَامَهُ الْاَصْلِىِّ كَمَالُهُ، فَالنَّقَائِصُ اَيْضًا كَمَالَاتٌ بِاعْتِبَارٍ آخَرَ،يَعْرِفُهَامَنْ تَنَوَّرَ بَاطِنُهُ وَقَلْبُهُ بِالنُّوْرِ الْاِلٰهِىِّ.

وَلَمَّا كَانَتْ هٰذِهِ الْخِلَافَةُ وَاجِبَةً مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِى الْعَالَمِ بِحُكْمِ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ

---

(١) الانفال:17۔

(٢) یونس:61۔

اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾(١)وَجَبَ ظُهُوْرُ الْخَلِيْفَةِ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ مِنَ الْاَزْمِنَةِ، لِيَحْصُلَ لَهُمُ الْاِسْتِئْنَاسُ، وَيَتَّصِفَ بِالْكَمَالِ اللَّائِقِ بِهٖ كُلُّ مِنَ النَّاسِ، كَمَاقَالَ سُبْحٰنَهٗ، ﴿وَلَوْجَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ(٢)

وَظُهُوْرُ تِلْكَ الْحَقِيْقَةِ بِكَمَالَاتِهَا اَوَّلًا لَمْ يَكُنْ مُمْكِنًا، فَظَهَرَتْ تِلْكَ الْحَقِيْقَةُ بِصُوَرٍ خَاصَّةٍ، كُلٌّ مِنْهَا فِيْ مَرْتَبَةٍ لَائِقَةٍبِاَهْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَالْوَقْتِ،حَسْبَ مَا يَقْتَضِيْهِ اسْمُ الدَّهْرِ فِيْ ذٰلِكَ الْحِيْنِ مِنْ ظُهُوْرِالْكَمَالِ، وَهِيَ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ ﷺ فَاِنِ اعْتَبَرْتَ تَعِيْنَاتِهِمْ وَ تَشَخُّصَاتِهِمْ لِغَلَبَةِ اَحْكَامِ الْكَثِيْرَةِ وَالْخَلْقِيَّةِ عَلَيْكَ، حَكَمْتَ بِالْاِمْتِيَازِ بَيْنَهُمْ وَالْغَيْرِيَّةِ، وَبِكَوْنِهِمْ غَيْرَ تِلْكَ الْحَقِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ الْجَامِعَةِ لِلْاَسْمَآءِ لِظُهُوْرِ كُلٍّ مِنْهُمْ بِبَعْضِ الْاَسْمَآءِ وَالصِّفَاتِ.

وَان اعتبرتَ حَقِيْقَتَهُمْ وَكَوْنَهُم رَاجِعِيْنَ اِلَى الْحَضْرَةِ الْوَاحِدَةِ بِغَلَبَةِ اَحْكَامِ الْوَحْدَةِ عَلَيْكَ،حَكَمْتَ بِاتِّحَادِهِمْ وَوَحْدَةِ مَاجَاؤُابِهٖ مِنَ الدِّيْنِ الْاِلٰهِيِّ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾(٣)

فَالْقُطْبُ الَّذِيْ عَلَيْهِ مَدَارُ اَحْكَامِ الْعَالَمِ؛ وَهُوَ مَرْكَزُ دَآئِرَةِ الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَزَلِ اِلَى الْاَبَدِ،وَاحِدٌبِاِعْتَبَارِ حُكْمِ الْوَحْدَةِ، وَهُوَ الْحَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ ﷺ وَبِاِعْتِبَارِ حُكْمِ الْكَثْرَةِ مُتَعَدِّدٌ"(٤)

(١) الشوریٰ:51۔

(٢) الانعام:9۔

(٣) البقرۃ:285۔

(٤) شرح فصوص الحکم حصہ مقدمہ،فصل نہم،ص: 144تا148،مطبوعہ بوستان کتاب قم ایران۔

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ اسماء الٰہی میں سے ہر ایک کے لیے صورتِ علمی ہے جس کو ماہیت بھی کہا جاتا ہے اور عین ثابت بھی اور یہ بھی ثابت ہے کہ ہر اسمِ الٰہی کے لیے صورت خارجی بھی ہیں جن کو مظاہر بھی کہا جاتا ہے اور موجودات عینیہ بھی اور یہ بھی ثابت ہے کہ ہر اسمِ الٰہی اپنے اِن مظاہر کے ارباب و مربّی اور یہ اُن کے مربوب ہیں اور یہ بھی تجھے معلوم ہے کہ حقیقت محمدی ﷺ اللہ تعالیٰ کے اِسم جامع ''اللہ'' کی صورت ہے کہ وہ اِس کے مربّی اور یہ اُس کی مربوب ہے اور حقیقت محمدی ﷺ کے اِسی مربّی ''اللہ'' سے دوسرے تمام اسماء کو فیض وامداد ملتی ہے اِن چاروں مسلمات کو سمجھنے کے بعد یہ بھی سمجھ لے کہ یہی حقیقت محمدی ﷺ اپنے اندر ظاہر و مربّی اور تمام مربّی اسماء کے مُربّی اِسم جامع یعنی ''اللہ'' خلائق کی تمام صورتوں کے مربّی ہے کیوں کہ اِن تمام مظاہر میں ظاہر وہی ہے جیسا ابھی بیان ہو چکا ہے تو پھر حقیتِ محمدی ﷺ اپنی خارجی صورت میں جملہ خلائق کی ظاہری صورتوں کی مربّی ہے کیوں کہ اِس اعتبار سے خلائق کی یہ صورتیں اللہ تعالیٰ کے اِسم ''اَلظَّاہِرُ'' کے مظاہر ہیں تو ان کا مربّی بھی حقیقت محمدی ﷺ کی ظاہر صورت کا ہونا عین تقاضائے فطرت ہے جبکہ اپنے باطن کے اعتبار سے جملہ خلائق کے باطن کے مربّی ہے اِس لیے کہ یہ اِسم اللہ الاعظم ''اللہ'' کی مربوب اور اُس کی مظہر ہے جو اسم جامع بھی کہلاتا ہے اور اُس کے لیے رُبوبیت مطلقہ ہے کیوں کہ وہ کلی الکلیات اور بمنزلہ جنس الاجناس ہونے کی وجہ سے باقی تمام اسماء اللہ اور اُن کے مظاہر میں بھی موجود ہے جس وجہ سے اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کے آخری حصے میرے ساتھ خاص کیے گئے ہیں جبکہ سورۃ الفاتحہ کی ابتداء ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' سے ہوئی ہے جس میں مطلق عالَم اور مطلق ربوبیت مذکور ہیں جو عالَم کی ظاہری صورت کے ساتھ باطنی صورت کی مربوبیت کو بھی شامل ہے اِسی طرح عالَم ارواح سے لے کر عالَم اجسام تک جملہ افرادِ عالَم کو محیط ہے۔

نیز زمانہ کی جملہ اقسام کو شامل ہونے کے ساتھ ہر دورِ تاریخ کے موجودات کو بھی محیط ہے اور

حقیقتِ محمدی ﷺ کی یہ ربوبیت مطلقہ اُس کی بشریت کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ حقیقت اور صرف حقیقت جامعہ کے اعتبار سے ہے کیوں کہ بشریت کے اعتبار سے محض عبد ہے جو اپنے مربّی کی طرف محتاج ہے۔ جیسا اللہ ﷻ نے جہت بشریت سے متعلق فرمایا:

''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَىَّ''

نیز فرمایا: ''وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ''

اِسی اِسم جامع کا مظہر و مربوب ہونے پر آگاہی دینے کے لیے ''عبداللہ'' نام سے یاد کیا کہ یہ اِسی کا مربوب و مظہر ہے نہ کسی دوسرے اِسم کا اور پہلی جہت یعنی حقیقت محمدی ﷺ اور وجوب و امکان کے مابین برزخ ہونے کی آگاہی دیتے ہوئے فرمایا؛

''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' یعنی تو نے نہیں پھینکا جب پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا۔

جس میں پیغمبر کے پھینکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور حقیقت محمدی ﷺ کی طرف سے ربوبیت مطلقہ کا یہ انداز اِس کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا کہ ہر حقدار کو اُس کی فطری استعداد کے مطابق جو حق ہوسکتا ہے وہ اُسے پہنچائے اور جملہ خلائق جن چیزوں کی طرف محتاج ہیں وہ اُن پر افاضہ کرے۔

اور ربوبیت مطلقہ کا یہ انداز کامل قدرت اور صفاتِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے ایسے میں تمام اسماء الٰہی کے کمال کا حصول بھی ضروری ہوجاتا ہے کہ اُن میں سے ہر اِسم کی ربوبیت وتاثیر کو اُن کے مظاہر تک پہنچانے اور ہر ایک کی استعداد کے مطابق اُن کی تربیت اور اُن میں تصرف کرسکے۔ اور جب یہ حقیقت محمدی جہت اُلوہیت اور جہت عبودیت دونوں پر مشتمل ہے تو پھر خلائق میں ہر ایک کو اُس کی استعداد کے مطابق حق دینے اور تربیت دینے کا یہ عمل اصالۃً واستقلالاً نہیں ہوسکتا کیوں کہ جہت عبدیت استقلال واصالت سے مانع ہے تو پھر تبعیت یعنی احدیت الذات وحدہ لاشریک اور اُس کے ارادہ کے تابع ہوکر ہی ممکن ہے جو خلافت کی صورت میں ہو

سکتا ہے تو پھر حقیقت محمدی کی یہ خلافت اصل کی یعنی احدیت الذات وحدہ لاشریک کی اُن تمام متضاد صفات کی بھی حامل ہوگی جن کے ساتھ وہ متصف ہے جیسے وصف احیاء واماتت لُطف وقہر، رضاوناراضگی یہ اِس کیلیے ضروری ہے کہ اِس کے بغیر خلیفہ ہونے کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا جبکہ خلافت سے مقصد جملہ اجزاء عالم میں تصرف کرنا ہے جس میں اِس خلیفہ کی اپنی جہت بشریت بھی شامل ہے اور اُس کا تصرف جملہ اجزاء عالم میں ہونے کے ساتھ اپنی جہت بشریت میں بھی جاری ہوتا ہے۔

اور ذاتِ نبوی ﷺ کا رونا اور مغموم و پریشان ہونے جیسے حالات کا پیش آنا ان کے حقیقی رُتبے کے منافی نہیں ہے اِس لیے کہ یہ اُن کی جہت بشریت کے تقاضے ہیں جبکہ حقیقت میں فرمانِ الٰہی کے مطابق کہ تیری بشریت کے مربّی سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے زمین میں نہ آسمان میں۔

سورۃ یونس، آیت نمبر...... آپ ﷺ کے حقیقی رُتبے پر منطبق ہے اگرچہ جہت بشریت کے کچھ تقاضوں کے مطابق ''اَنتُم اَعلَم بِاُمُورِ دُنیَاکُم'' بھی فرمایا ہے جو اصل کے منافی نہیں ہے کیوں کہ وہ ''پیش خبیر چہ حاجت خبر کی ہے'' کا مظہر ہے جس میں بے علمی ممکن نہیں ہے۔

حاصلِ کلام:۔ حقیقتِ محمدی ﷺ کا جملہ خلائق کے لیے مربّی ہونا مظہر ذاتِ الٰہی ہونے کی بِنا پر ہے جو آپ ﷺ کی اصل حقیقت ہے اور بشری و امکانی عوارضات کا لاحق ہونا من حیث البشریت ہے جو عالَم سفلی کی طرف نزول کی بنا پر ہے تا کہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے عالم ظاہر کے خواص ولوازمات کا احاطہ کرے اور باطن کے اعتبار سے عالَم باطن کے خواص ولوازمات اور تقاضوں کا احاطہ کرے۔ انجام کار مجمع البحرین ہونے کے ساتھ عالَم ظاہر و عالَم باطن کے بھی مظہر و مربّی اور جامع ہو۔ ایسے میں آپ ﷺ کے عروج الی الاصل آپ کا کمال ہونے کی طرح نزول بھی کمال ہے۔ پس تقاضائے بشریت کی کمزوریاں بھی ایک اعتبار سے کمال ہیں جس کو وہی سمجھ سکتے ہیں جن کے باطن نورِ الٰہی سے منور ہو چکے ہوں اور جملہ خلائق میں حقیقتِ محمدی کی یہ خلافت جب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضروری تھی جیسا آیت کریمہ "مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" (۱) کا تقاضا ہے تو پھر زمانہ کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کا ظاہر ہونا ضروری قرار پاتا ہے تاکہ اُس زمانہ کے لوگ اُس سے مانوس ہوں اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق کمالات کا حصہ پا سکے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ" (۲)

اور اصل خلیفہ یعنی حقیقت محمدی ﷺ کا اپنے جملہ کمالات کے ساتھ پہلے ظاہر ہونا ممکن نہیں تھا جس وجہ سے اُس کی خاص خاص صورتیں مختلف اوقات کے باشندوں اور اُن کے مخصوص حالات کے مطابق ظاہر ہوتی رہیں جو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی صورت و آمد تھی پس اگر تو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے تعینات و تشخصیات کی کثرت اور مختلف اسماء الٰہی کے مظاہر ہونے کا اعتبار کر کے اُن سب میں تمایز و غیریت اور کثرت کا حکم کرے تب بھی درست ہے کہ اُن سب کے تعینات و تشخصیات ایک دوسرے سے جدا اور کثیر ہیں اور اگر حقیقتِ محمدی ﷺ کے مظاہر، اس کے فروع و نائب ہونے کا اعتبار کر کے سب کو ایک حقیقت کی جھلکیاں اور اُس کی مختلف شکلیں کہے تب بھی درست ہے کیوں کہ اصل سب کی ایک ہے جس میں غیریت کا تصور نہیں ہے جبکہ نائبین و فروع مختلف اسماء الٰہی کے مظاہر اور مختلف تعیّنات و تشخصات اور مختلف عوارضات کے معروض ہونے کی بناء پر مختلف ہیں اِسی فلسفہ کی بنیاد پر اول سے آخر تک جملہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لائی ہوئی شرائع کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک اُصول، دوسرا فروع۔ اِن کے احکام بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں کہ اُصول سب کے ایک ہیں نا قابل نسخ ہیں اور ہر دورِ تاریخ میں یکساں جاری و ساری ہیں جبکہ فروع ہر دور تاریخ کی شریعتوں میں اور ہر پیغمبر کی اُمت کے حالات کے مطابق مختلف رہے ہیں جیسا بالترتیب فرمایا:

(۱) الشوریٰ:51۔

(۲) الانعام:9۔

"شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ......"(۱)

پس تمام خلائق کے لیے قطب جس پر نظام عالم کے احکام کا دارو مدار ہے اور وہ ازل سے ابد تک ایک ہے جو احدیت الذات کے تعیّن اول کا مظہر اور وحدت ہے جس کا رُتبہ ذاتِ الٰہی کی احدیت اور واحدیت کے مابین ہے جس کی تعبیر وحدت سے کی جاتی ہے جو حقیقت محمدی ہے۔

اہل کشف عرفاء اسلام کی اِن تحقیقات کی روشنی میں جب حقیقتِ محمدی ﷺ برزخ بین الوجوب والامکان ہے، حقیقت جامعہ ہے کہ تمام اسماء الٰہی کے ساتھ اُن کے تمام انفرادی مظاہر میں بھی یعنی جملہ خلائق میں بھی اِسی کی جلوہ فرمائی ہے، سب کے مربّی اور سب کو محیط ہے، وجود عالم کا قطب مدار ہے کہ سب کو اُن کی استعداد اور ماحولیاتی تقاضوں کے مطابق اُن کا حصہ پہنچاتا ہے، جملہ اجزاء عالم اور خلائق میں ایسے موجود و ساری ہے جیسا جملہ افراد و مشخّصات میں جنس عالی کی کار فرمائی ہوتی ہے، اگر یہ جوہر کمال احدیت الذات وحدہ لاشریک کے تعیّن اول کا جلوہ و مظہر نہ ہوتا او اِسم جامع "اللہ" کا بلا واسطہ مظہر و مربوب نہ ہوتا تو پھر تعیّن ثانی میں جملہ اسماء الٰہی کی تفصیل و تمایز کی بنیاد بھی نہ ہوتا جبکہ بنیاد کے بغیر اسماء الٰہی کی ربوبیت کا تصور ممکن ہوسکتا ہے نہ اُن کے مظاہر کی مربوبیت و تعیّن اور تشخص و تفصیل کا تصور کیوں کہ مجہول مطلق کا تصور ممکن نہیں ہوتا۔ الغرض احدیت الذات وحدہ لاشریک کی پہچان و تعیّن اول کا یہ مظہر حقیقتِ محمدی ﷺ کے نام سے اِسم اللہ الاعظم "اللہ" کا بلا واسطہ مظہر ہونے کی بناء پر باقی تمام اسماء الٰہی سمیت اُن کے جملہ مظاہر یعنی تمام اجزاء عالم کے مربّی، اُن میں موجود و ساری اور اُن سب کی جان ہے وہ ہے تو سب کچھ ہے اگر وہ نہ ہوتو کچھ نہ ہو۔

جان ہے وہ جہان کی...... جان ہے تو جہاں ہے

ایسے میں کاملین کی ہمتوں کے لیے اِس کے مُمِد ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ قابل ذکر پیشروانِ اسلام میں سے کسی نے اِس کے ساتھ اختلاف کیا ہو یا عرفاء

---

(۱) شرح فُصوص الحکم لداؤد القیصری، ج:1،ص:145 تا148۔

اسلام کا خاص مسئلہ کہہ کر مسترد کیا ہو، نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ اہل اسلام کے طبقہ مفسرین سے لے کر علماء سیرت تک اور طبقہ محدثین سے لے کر طبقہ فقہاء تک سب نے اپنے اپنے انداز میں اِسے لیا ہے جن کی بالترتیب مثالیں مشتے نمونہ ازخروارے یہ کہ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے:

''فَهُوَ ﷺ عَلَى الْحَقِيقَةِ الْخَلِيفَةُ الْاَعْظَمُ فِي الْخَلِيقَةِ وَالْإِمَامُ الْمُقَدَّمُ فِي الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى وَلَوْلَاهُ مَاخُلِقَ آدَمُ بَلْ وَلَا وَلَا وَلِلّٰهِ تَعَالٰى دَرُّ سَيِّدِي ابنِ الْفَارِضِ حَيْثُ يَقُولُ عَنْ لِسَانِ الْحَقِيقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ

وَاِنِّي وَاِنْ كُنْتُ ابْنَ آدَمَ صُوْرَةً   فَلِيْ فِيْهِ مَعْنًى شَاهِدٌ بِاُبُوَّتِي''

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ حقیقت میں جملہ خلائق پر اللہ کا خلیفہ اعظم زمین کی پستی اور آسمانوں کی بلندیوں میں بھی تمام خلائق سے مقدم صرف حقیقتِ محمدی ہی ہے اگر وہ نہ ہوا آدم علیہ السلام بھی پیدا نہ کیے جاتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا اور کچھ بھی نہ ہوتا۔

حضرت سیدی ابن الفارض کو اللہ ہی اجر دے کہ اُنہوں نے حقیقت محمدی ﷺ کی زبان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں ظاہری صورت کے اعتبار سے اگرچہ ابن آدم ہوں تاہم میرے لیے اُن میں ایسا معنیٰ بھی موجود ہے جو میری اُبوّت پر شاہد و دلیل ہے۔(۱)

اہل کشف کی اصطلاحات اور حقیقت محمدی ﷺ کے حوالہ سے اُن کی تحقیقات و تصریحات سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ حضرت سیدی ابن الفارض نوّر اللہ مرقدہٗ آدم علیہ السلام میں موجود جس معنیٰ کو آدم علیہ السلام کے لیے ابوّت محمدی ﷺ پر دلیل کہہ رہے ہیں وہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ حقیقتِ محمدی ﷺ اِسم اعظم ''اللہ'' کی مظہر ہے جبکہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دوسرے اسماء کے مظہر ہیں۔

نیز حقیقتِ محمدی تعیّن اول کی نتیجہ ہیں جبکہ آدم علیہ السلام تعیّن ثانی میں بالا جمال اور اپنے سے ماقبل موجودات کے تفصیلی تعینات کے بعد اپنے مخصوص نمبر کے تفصیلی تعیّن کا نتیجہ ہیں کیوں کہ

(۱) روح المعانی، ج:1،ص:218۔

اہل کشف کے مطابق آدم علیہ السلام کی تخلیق جملہ انواع موجودات کے تفصیلی تعینات کے بعد وجود میں آئی ہے۔قرآن شریف کے اندازِ بیان سے بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے جبکہ حقیقتِ محمدی ﷺ کا وجود میں آنا بطور برزخ بین الوجوب والامکان سب سے پہلے ہے جس سے قبل احدیت الذات وحدہ لاشریک لابشرط الاسماء والصفات تھی، مرتبہ لاتعین میں تھی جس میں اسماء وصفات کا کوئی اعتبار ہی نہیں تھا۔

نیز حقیقتِ محمدی ﷺ احدیت الذات وحدہ لاشریک کے تعین اول کی مظہر اور فقط اسم اعظم ''اللہ'' کے مربوب ہونے کی بنیاد پر باقی تمام اسماء حسنیٰ سمیت اُن سب کے مظاہر ومربوبات کے بھی مربّی ہیں اور اُن سب سے مقدم، سب کی اصل اور سب کی منبع ومصدر ہے جیسے کسی بھی مصدر سے مثلاً ''نَصر'' یعنی (ن،ص،ر) جیسے مرتّب بنیاد سے بے شمار الفاظ اشتقاق پا کر وجود میں آتے ہیں۔
حضرت سیدی ابن الفارض کے اِس کلام میں لفظ ''اَبوّت'' سے مراد حقیقی باپ ہرگز نہیں بلکہ یہ تشبیہ کے قبیل سے ہے کہ جیسا باپ بیٹے سے مقدّم اور اُس کے مربّی ہوتا ہے۔اِسی طرح حقیقت محمدی ﷺ بھی آدم علیہ السلام کے وجود مسعود سے مقدّم اور اعیانِ ثابتہ کے مرتبہ میں اُس کے مربّی تھی۔

علماءِ سیرت کے طبقہ میں امام شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض میں لکھا ہے:

''وَوُجُوْدُهُ ﷺ سَبَبٌ لِوُجُوْدِهِمْ فَهُوَ ﷺ اَبٌ مَعْنَوِيٌّ لَهُمْ وَكُلُّهُمْ اَتْبَاعُهٗ فِي الْوُجُوْدِ''(۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کا وجود اقدس دوسرے تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا وجود میں آنے کے لیے سبب ہے تو پھر نبی اکرم ﷺ اُن تمام انبیاء ومرسلین کے لیے معنوی طور پر باپ ہیں اور وہ سب اپنے اپنے وجود میں آپ ﷺ کے تابع ہیں۔

امام خفاجی کے اِس کلام میں مذکور تینوں الفاظ صراحتاً یہی بتا رہے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا وجودِ مسعود حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء سابقین سے پہلے ہے کیوں کہ

(۱) نسیم الریاض، ج:2،ص:225۔

سبب بھی مسبّب سے پہلے ہوتا ہے اور متبوع بھی تابع سے پہلے ہوتا ہے۔ اِسی طرح باپ بھی بیٹے سے پہلے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کے وجودِ مسعود کا انبیاء سابقین کے وجود سے پہلے ہونا صرف جسدِ عُنصری کے اعتبار سے ممکن نہیں ہے بلکہ اِس سے مراد حقیقتِ محمدی کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ احدیت الذات وحدہ لاشریک کے تعیّن اول کا مظہر اور اِسمِ اعظم ''اللہ'' کی بلا واسطہ جلوہ و مربوب ہونے کی بناء پر تعیّن ثانی کے لیے بنیاد اور دوسرے تمام اسماءِ الٰہی سمیت اُن کے مظاہر و مربوبات کے مربّی و متبوع اور اُن سب سے مقدّم ہے جبکہ دوسرے تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم دوسرے اسماءِ الٰہی کے مظاہر و مربوب ہیں اور اُن کے واسطہ سے حقیقتِ محمدی ﷺ کے مربوب ہوتے ہیں پھر حقیقتِ محمدی ﷺ کے واسطہ سے اِسمِ اعظم ''اللہ'' کے مربوب قرار پاتے ہیں۔

طبقہ مفسرین کی طرح سیرت النبی ﷺ کی کتابوں میں موجود یہ مضامین بعینہ وہی کچھ ہیں جو کاملینِ اُمت کے اہلِ کشف سے ثابت ہیں۔ طبقہ محدثین میں مشتے نمونہ از خروارے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے لکھا ہے:

''وبا چندین اختلافات و کثرت مذاهب که در علماء اُمت است یك کس را درین مسئله خلافی نیست که آنحضرت ﷺ بحقیقت حیات بی شائبه مجاز و توهم تاویل دائم و باقی است وبر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجهان آنحضرت را مفیض و مربی است وافضل اعمال و اقرب وسائل در سلوك این طریق خاص بعد از توبه و تطهیر کثرت اتحاف تحف صلوٰة است باضمیمه تکرار و استمرار کلمه توحید که اصل مقصود و حقیقتِ مطلوب است''(۱)

(۱) مقاله و مکتوب نمبر: 18، بنام اقرب السُبُل والتوجه الی سیدالرُسُل، مطبوعه برحاشیه اخبار الاخیار، ص:155، طبقه مجتبائی، جو نواب خان خانان کی رہنمائی کے لیے لکھا گیا تھا۔

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ علماء اُمت کے مابین کافی مسائل میں اختلافات اور متعدد نظریات و مذاہب پائے جاتے ہیں لیکن اِس مسئلہ میں کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی تاویل کے وہمہ اور مجاز کے شائبہ کے بغیر حقیقت حیات کے ساتھ زندہ جاوید ہیں اور اُمت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور ذاتِ نبوی ﷺ کی طرف توجہ کرنے والا طالبانِ حقیقت کو فیض دینے اور تربیت دینے والے ہیں اور خاص کر راہِ سلوک میں توبہ تائب ہو کر گناہوں کی آلائش سے طہارت پانے کے بعد سب سے بہتر عمل اور کامیابی کے لیے قریب تر وسائل کثرت کے ساتھ درود و سلام کا تحفہ بھیجنا ہے جس کے ساتھ کلمہ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو بھی ملا کر پڑھنے کو عادت بنانا ہے کہ راہِ سلوک میں اصل مطلوب و مقصود یہی توحید تو ہے۔

اِس بات میں کسی اہل علم کو شک نہیں ہو سکتا کہ امام الحدیث فی الہند شیخ عبدالحق نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْف نے جن متوجہان آنحضرت ﷺ اور طالبانِ حقیقت کے لیے نبی اکرم سید عالم ﷺ کو مفیض و مربّی کہہ رہے ہیں وہ صرف اِس اُمت کے طالبان حقیقت کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک وجود میں آنے والے تمام متوجہین کو شامل ہے ورنہ بے مصرف تخصیص کی صورت میں ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ نیز اِس بات میں بھی شک نہیں ہو سکتا کہ جس حیاتِ حقیقی کے ساتھ قائم و دائم اور اعمالِ اُمت پر حاضر و ناظر بتا رہے ہیں اِس سے مراد بھی جسد عنصری کے ساتھ مختص حیات نہیں بلکہ حقیقت جامعہ یعنی حقیقت محمدی والی حیات ہے کیوں کہ یہی وہ حیاتِ حقیقی ہے جس میں شائبہ مجاز نہیں، قائم و دائم و مستمر ہے جس میں انقطاع نہیں اور ذاتِ احدیث کے تعیّن اول کا جلوہ ہونے کی بناء پر جملہ اسماء الٰہی اور ان کے تمام مظاہر میں جاری و ساری ہے کہ انفکاک نہیں۔ یہی وہ حیاتِ حقیقی ہے جس میں توہم تاویل و اختلاف کی مجال نہیں جبکہ جسد عنصری کی محسوسیت و تعارف کی شرط سے مشروط اور دنیوی احکام کی حدود میں محدود حیات کے بارے میں ایسا نہیں کہا جا سکتا۔

جملہ خلائق میں یہ امتیازی کمال صرف حقیقتِ محمدی ﷺ کو ہی حاصل ہے کہ جس میں

اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے اور یہ اہل کشف عرفاء وکاملین کے نزدیک اتنا مشہور ومتعارف ہے کہ فنون کی درسی کتابوں میں بھی لکھا گیا ہے۔ امام النحات عبدالرسول نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے متن متین کے خطبہ میں حمدِ الٰہی کے بعد جملہ صلوٰتیہ کے آغاز میں لکھا ہے:

''صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی حَبِیْبِکَ مَصْدَرِ الْعٰلَمِیْنَ وَعُمْدَۃِ الْمُرْسَلِیْنَ''

ظاہر ہے کہ العالمین کا استغراق تخلیق آدم سے قبل کے موجودات سے لے کر قیامت تک وجود میں آنے والے تمام خلائق کو شامل ہے جن کے وجود واشتقاق کے لیے مصدر ہونا جسدِ عُنصری کی نہیں بلکہ صرف اور صرف حقیقتِ محمدی ﷺ کی صفت ہے۔ بزرگانِ دین کی اِس روشنی میں حقیقتِ محمدی ﷺ کا اولوالعزم حضرات کی ہمتوں کے لیے مُمِد ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔ جس کے مطابق حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے لفظ ''مُمِدِّ الْھِمَمِ'' استعمال کر کے نہ صرف اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا ہے بلکہ اپنے سے سابق جملہ اہل کشف وکاملین کی بھی ترجمانی فرمائی ہے۔ (فَجَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآءِ)

خطبہ کے اِس حصے میں پانچواں قابلِ تشریح لفظ ''خَزَآئِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ'' ہے جس سے مراد افاضاتِ الٰہیہ ہیں، اِس تفصیل کے ساتھ کہ لفظ ''جود'' افاضہ ذاتی سے عبارت ہے جو مسبوق بالاستحقاق والسوال نہیں ہوتا۔ اِس کا کسی مستحق اور اُس کی طرف سے سوال پر موقوف نہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا اوصاف حقیقیہ محضہ جن میں موصوف وصفت کے سوا کسی اور چیز کا قطعاً اعتبار نہیں ہوتا یعنی جیسا ''اللہ حی، اللہ موجود، اللہ ثابت'' کہنے میں وصفِ حیات، وصفِ وجود اور ثبوت کا تصور کسی تیسری چیز پر موقوف نہیں ہے، اِسی طرح اللہ جواد کہنے میں بھی وصف جواد کا تصور اپنے موصوف کے سوا کسی تیسری چیز کی طرف محتاج نہیں ہے جس وجہ سے اِسے بھی اوصاف حقیقیہ محضہ میں شمار کیا جاسکتا ہے جبکہ لفظ ''کرم'' افاضہ صفاتی سے عبارت ہے جو مسبوق بالاستحقاق والسوال ہوتا ہے یعنی کرم نوازی کا استحقاق پانے والوں کے وجود پر بھی اور اُن کے سوال پر بھی موقوف رہتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا اوصاف ثبوتیہ اضافیہ محضہ (قادریت، خالقیت، رازقیت) وغیرہ میں ہوتا

ہے اور لفظ ''جود و کرم'' پر آیا ہوا الف لام مضاف الیہ سے عِوض ہیں یعنی جود و کرم دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جبکہ خلائق پر حسب استعداد اُن کا افاضہ حقیقت محمدی کی طرف سے ہوتا ہے جو عین منشاء الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کے یہ خزائن وہی ہیں جو قرآن شریف کے ''وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''(۱) جیسے الفاظ میں آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مظاہر ہے۔ جن کی تقسیم اور مستحقین تک پہنچانے کا معاملہ حقیقت محمدی ﷺ کے ساتھ مربوط ہے جیسا حدیث شریف میں فرمایا:

''اِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِی ''(۲)

خلاصہ کلام:۔ اللہ تعالیٰ کے خزائن الجود والکرم سے نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کا استعداد وہمت والوں پر اُن کے حسب استعداد تقسیم کرنا اور اُنہیں امداد پہنچانا اِس طرح ہے کہ حقیقت محمدی ﷺ کا وجود وتصور اللہ تعالیٰ کے جود وکرم پر موقوف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے جود وکرم کا ظہور حقیقت محمدی ﷺ اور اس کی فاعلیت پر موقوف ہے یعنی بالفرض اگر جودِ الٰہی اور کرمِ الٰہی مقتضی نہ ہو حقیقتِ محمدی ﷺ کا وجود ممکن نہیں ہوگا اور اگر حقیقت محمدی ﷺ کا وجود اور اُس کی فیاضیت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے جود وکرم کا ظہور ممکن نہیں ہوگا بلکہ تعیّن اول اور مرتبہ احدیت کا تصور ممکن ہوگا نہ تعیّن ثانی اور مرتبہ واحدیت کا بلکہ یہ سب کچھ بعد کے مراتب ہیں جبکہ اِن سب سے پہلے اور سب کے لیے اصل الاصول حُبِ الٰہی ہے جیسا قدسی حدیث میں فرمایا:

''كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَتَحَبَّبْتُ اِلَيْهِمْ بِالنِّعَمِ حَتّٰى عَرَفُوْنِی ''(۳)

خطبہ کے دوسرے حصہ کے الفاظ میں جو قابل تشریح ہیں ان میں ایک لفظ ''مُبَشِّرَة'' ہے جس کا لغوی

---

(۱) المنافقون:7۔

(۲) بخاری شریف، کتاب العلم، ج:1، ص:16۔

(۳) منازل السائرین، ص:214، مطبوعہ بوستان کتاب قم۔

مفہوم وہ بادل ہے جو بارش کی نوید بنے اور مرادی مفہوم جس کو شرعی بھی کہا جاسکتا ہے وہ سچا خواب ہے جو کسی واقعہ کی نشان دہی کرے۔ حدیث شریف میں اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ یَرَاھَا الْمُسْلِمِ اَوْتُرٰی لَهٗ" (۱)

یعنی نبوت کی جھلکیوں میں سے صرف مبشرات باقی ہیں۔

گویا مبشرات خواب کی لامحدود و لامتناہی قسموں میں سے ایک خاص قسم ہے جو نبی اکرم سید عالم ﷺ کے کامل متبعین کو نصیب ہوتی ہیں اور اُنہیں اِس کے ساتھ وجدانی علم و یقین حاصل ہو جاتا ہے جو اُن ہی کے حق میں دلیل ہے جس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بنیادی طور پر اِس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:۔ جو بین النوم والیقظہ کی حالت میں پیش آتی ہے جس کو عُرفاء و کاملین کی زبان میں واقعہ کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم:۔ جو گہری نیند کی حالت میں پیش آتی ہے جس کو رویا صالحہ کہا جاتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور کاملینِ اُمت کی گہری نیند میں فرق ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"اَلْاَنْبِیَاءُ تَنَامُ اَعْیُنُھُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُھُمْ" (۲)

یعنی انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی آنکھیں سوتی ہیں جبکہ دل نہیں سوتے۔

جبکہ کاملین اُمت کی گہری نیند ایسی نہیں ہوتی ورنہ نبوت کا خاصہ ہونا باقی نہیں رہے گا حالاں کہ مذکورہ حدیث شریف خصوصیات نبوت کے سلسلہ میں واقع ہوئی ہے اِس کے باوجود النوم العمیق یعنی گہری نیند میں کاملینِ اُمت عام لوگوں کی طرح بھی نہیں ہیں بلکہ اُن کی گہری نیند اُن کی شان کے لائق، اُن کی عملی زندگی کے مناسب اور اُن کی روحانی لطافت کے زیادہ قریب ہے جس وجہ سے اُن کی گہری نیند کو عام انسانوں کی بیداری سے بہتر کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کیوں کہ نوم عمیق یعنی گہری

---

(۱) سنن ابن ماجہ شریف، باب الرویا الصالحہ۔

(۲) بخاری شریف، باب کَانَ النَّبِیُّ ﷺ تَنَامُ عَیْنُهٗ وَلَا یَنَامُ قَلْبُهٗ، ج:1، ص:54۔

نیند اپنے مفہوم کے اعتبار سے کلّی مشکّک ہونے کی وجہ سے مختلف شکلوں پر صادق آتی ہے۔

حاشیتی افادہ:۔ ہماری یہ تحقیق بزرگانِ دین سے منقول اُن تمام متضاد اقوال کی توجیہ اور اُن کا حل بھی ہے جو مبشرات، رویا صالحہ، واقعہ اور کاملین کی نوم عمیق سے متعلق اُن کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ نیز مصنف علیہ الرحمۃ نے جس مبشرہ میں نبی الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے یہ بالبصر نہیں بلکہ بالبصیرت ہے اور اس کے متعلق صیغہ مجہول "اُرِیْتُھَا" اِس بات پر قطعی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا کیوں کہ مبشرات میں نفسِ امارہ کو کسی قسم کا دخل ہوتا ہے نہ شیطان کو اور غلطی کا امکان ہوتا ہے نہ اشتباہ کا بلکہ اس کی حیثیت توفیق خداوندی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ نیز مبشرات کی توفیق پانے والے نُفوس قدسیہ کو اپنے دیکھے ہوئے مبشرہ کے حق ہونے پر وجدانی علم ویقین حاصل ہوتا ہے جسے محسوس کرتے ہوئے حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ تَعَالٰی مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے اِس پورے واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی تکوین کا ایک حصہ اور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم ہونے پر پوری طرح یقین ہونے کے بعد اُس کی تکمیل کے لیے میدانِ عمل میں آئے ہیں۔ (فَجَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآءِ)

خطبہ کے اِس حصہ میں دوسرے قابل توضیح الفاظ "وَبِیَدِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم کِتٰبٌ فَقَالَ ھٰذَا کِتٰبُ فُصُوْصِ الْحِکَمِ خُذْہُ وَ اخْرُجْ بِہٖ اِلَی النَّاسِ یَنْتَفِعُوْنَ بِہٖ" ہیں اِس میں سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ اِس سے یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ اللہ کے حبیب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ اکبر کو متشخص شکل میں فُصوص الحکم عطا فرمائی ہے، اِس لیے کہ اِسم اشارہ "ھٰذَا" کے ساتھ محسوس اِشارہ اُسی چیز کی طرف کیا جاتا ہے جو واحد مرکز محسوس مبصر ہو اور واضح ہے کہ محسوس مبصر یعنی آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیز متشخص ہی ہوتی ہے ایسے میں کتاب کی اِس عبارت کا واضح مقصد یہی قرار پاتا ہے کہ اللہ کے رسول سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شیخ اکبر کو متشخص شکل میں فُصوص الحکم شریف عطا فرمائی ہے جس پر مندرجہ ذیل اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں:

پہلا اعتراض:۔ لفظ "فصوص الحکم" دوسری کتابوں کے ناموں کی طرح ایک خاص کتاب کا نام ہے اور کتابوں کے ناموں کے بارے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ اعلام اشخاص یا اسماء اجناس نہیں بلکہ اَعلام اجناس کے قبیل سے ہیں جس کے وضع میں وحدت جنسی ذہن میں متعین اور معتبر ہوتی ہے جب وحدتِ شخصی اِس میں نہیں ہے تو پھر کتاب کی عبارت کے اِس انداز کا کیا جواز ہے۔

دوسرا اعتراض:۔ نبی اکرم سید عالم ﷺ کا شیخ اکبر کو مخاطب کر کے یہ کہنا کہ "هٰذَا كِتٰبُ فُصُوْصِ الْحِكَمِ خُذْهُ وَ اخْرُجْ بِهٖ اِلَى النَّاسِ" دو احتمالوں سے خالی نہیں ہے۔

پہلا احتمال:۔ اِس کے معانی والفاظ اور نقوشِ کتابی کا مجموعہ ومرکب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس کو اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ منشاء الٰہی کے مطابق شیخ اکبر کے سپرد کر رہے ہیں۔

دوسرا احتمال:۔ یہ مجموعہ مرکّب خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے تیار کر کے اُن کے سپرد کیا ہے اور دونوں صورتوں کو لازم ہے کہ اِس کے الفاظ ونقوش پہلے سے یعنی شیخ اکبر کے ہاتھ آنے سے پہلے موجود ہوں وہ اِس تیار کتاب کو لوگوں میں لے جانے اور اُنہیں اس سے منتفع ہونے کا موقع دینے کے سوا کسی اور بات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ایسے میں آگے جا کر شیخ اکبر کا یہ کہنا کہ "فَمَا اُلْقِيْ اِلَّا مَا يُلْقٰى اِلَيَّ، وَلَا اُنْزِلُ فِيْ هٰذَا الْمَسْطُوْرِ اِلَّا مَا يُنَزَّلُ بِهٖ عَلَيَّ" بے محل و بے مصرف ہو جاتا ہے کیوں کہ جب معانی والفاظ اور نقوش کتابی کی شکل میں سب کچھ تیار انہیں مل گیا ہے تو پھر نقوش کتابی اور الفاظ کی اِملا کرانے کا کوئی مقصد ہی نہیں رہتا۔

اِن کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ عبارت تشبیہ المعقول بالمحسوس کے قبیل سے ہے اِس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ اصل کلام وہ مقاصد ومعانی ہوتے ہیں جن کا افہام وتفہیم کرنا ہوتا ہے جن کو متکلمین کی زبان میں کلام نفسی بھی کہا جاتا ہے، کلام چاہے کتابی شکل میں ہو یا تقریر وخطاب کی شکل میں بہر تقدیر اصل مقصد معانی ہی ہوتے ہیں جبکہ الفاظ ونقوش اُن کو ظاہر کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں

کیوں کہ مافی الضمیر مقاصد سے دوسروں کو آگاہ کرنے یا دوسروں کے مافی الضمیر مقاصد سے خود کو آگاہ کرنے کے لیے آسان و معتاد ذریعہ الفاظ ہی ہوتے ہیں ورنہ اگر ایسا نہ ہو متکلم اور مخاطب کا ایک دوسرے سے افہام و تفہیم کا مسئلہ مشکل ہو جائے گا۔

فطرت کے اِس اُصول کے مطابق اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے بھی فُصوص الحکم کے نام سے جو کتاب حضرت شیخ اکبر کو عطا فرمائی تھی وہ اصل کتاب اور اصل مقاصد یعنی اِس کتاب کے جملہ مضامین و معانی کا مجموعہ تھی جس کو الفاظ کا لباس پہنا کر نقش کتابی کی زینت سے مزیّن کر کے اہل علم کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس پر حضرت شیخ نے پوری طرح عمل کیا ہے۔

دوسرا جواب:۔ اِس سے مراد خود شیخ اکبر کی لکھی ہوئی یہی موجودہ کتاب ''فُصوص الحکم'' ہے، جو منجملہ اعیان ثابتہ کے قبیل سے ہونے کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں موجود تھی جس کو عالَم ظہور میں لا کر اہل علم کو فائدہ پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اِس اجمال کی تفصیل کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل مسلّمات کو سمجھنے کی ضرورت ہے:

❶ اِس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین کے تحت ہو رہا ہے یعنی سب کا خالق وہی ایک ذات وحدہ لاشریک ہے۔ جیسا فرمایا:

''خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ''(۱)

یعنی تمہارا بھی اور تمہارے عمل کا بھی خالق وہی ایک ذات ہے، جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی دو قسمیں ہیں؛

پہلی قسم:۔ جس میں انسان کے کسی عمل، کسی کسب اور کسی ارادے کو دخلِ عمل نہ ہو۔ اس کی جھلکیوں میں زمین و آسمان اور زمان و مکان کی تخلیق بھی شامل ہیں۔ جیسا فرمایا:

---

(۱) الصفات:96۔

''بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''(۱)

نیز فرمایا: ''اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ''(۲)

اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق سے لے کر زمانے کے سسٹم کو وجود میں لانے تک اور سال کو بارہ مہینوں پر تقسیم کرنے سے لے کر لیل ونہار کے سسٹم کو وجود میں لانے تک پھر اس کو 24 گھنٹوں پر تقسیم کرنے سے لے کر چاروں موسموں کو اُن کے جملہ لوازمات سمیت وجود میں لانے تک یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین کے وہ کرشمے ہیں کہ انسانی کسب وعمل کو اِن میں ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔ اِسی طرح حضرت آدم وحوا اور حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین اور امرِ کُن فیکون کی ایسی جھلکیاں ہیں کہ انسانی کسب وعمل سے ماوراء ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو انسانی کسب وعمل کے بعد وجود میں آئے۔ جیسا انسان کے ہاتھوں کھیتی باڑی کا کسب وعمل ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اناج کی تخلیق فرماتا ہے اور انسان کی طرف سے کھانے، پینے کے لیے ہاتھ منہ ہلانے جیسے کسب وعمل وجود میں آنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ اِن سے مقاصد کو پیدا فرماتا ہے۔ بہر تقدیر انسانوں کو بھی اور ان کے جملہ اعمال کو بھی پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ واحد وتنہا اور وحدہ لاشریک ہے۔

❷ انسان سمیت جملہ اجسامِ عالَم اور انسانی عمل سمیت جملہ اعراض وکوائف اور حرکات و سکنات جس حدوعد کے ساتھ اِس دُنیا میں بالترتیب ظہور پذیر ہورہے ہیں یہ سب کے سب اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ مختلف اسماء الٰہی کے مظاہر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی خاص اسم کا

---

(۱) البقرة:117۔

(۲) التوبة:36۔

مظہر ہوئے بغیر کسی انسان کا وجود میں آنا ممکن ہے نہ اس کے کسی عمل کا نہ کسی جوہر وجسم کا نہ اُس کی کسی صفت اور کیفیت کا اِسی اُصول کے مطابق بلاتفریق جملہ عُرفاء وکاملین نے بیک آواز کہا ہے کہ ''کُلُّ مَا فِی الْکَوْنِ مَظَاهِرُ اَسْمَآءِ اللّٰهِ'' اور بعض نے کہا ''کُلُّ مَافِی الْکَوْنِ وَهْمٌ اَوْ خِیَالٌ اَوْ عُکُوْسٌ فِی الْمَرَایَا اَوْ ظِلَالٌ'' عرفان آشنا حضرات جانتے ہیں کہ ظاہر کے بغیر مظاہر کا وجود ہوسکتا ہے نہ اعتبار اِسی طرح کسی چیز کا انسان کی قوت متخیلہ یا قوت متوہمہ میں آنا قوتِ عاقلہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا کیوں کہ یہ دونوں قوت عاقلہ کے مختلف اعتبارات اور اُس کی جھلکیاں ہیں۔ اِسی طرح شیشہ میں دکھائی دینے والے عکس کا وجود اپنے اصل اور شیشہ کے سامنے آنے والے جسم کے بغیر ممکن نہیں ہے، اِسی طرح کسی بھی کثیف چیز کے سایہ کا وجود اُس کے بغیر ناممکن ہے۔ جب ظاہر کے بغیر کسی مظہر کا وجود ممکن ہے نہ اعتبار تو پھر لامحالہ ان کے مابین علت ومعلول کا ارتباط ہوگا یعنی مظہر معلول اور اِس میں ظاہر ہونے والا اِسم الٰہی علت ہوگا۔

❸ علّت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہونے کی طرح معلول کا اپنی علّت سے تخلّف بھی ناممکن ہے جیسا فلسفہ کے حصہ منطق میں کہا جاتا ہے ''یَسْتَحِیْلُ تَخَلُّفُ الْمَعْلُوْلِ عَنْ عِلَّتِهٖ'' اِن مسلمات کو پیش نظر رکھنے کے بعد اصل اِشکال کا جواب آپ ہی آسان ہوجاتا ہے کیوں کہ جب حضرت شیخ اکبر خود بھی اور اُن کی کتاب بھی اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور کسی اِسم الٰہی کے مظہر ہیں تو پھر جب سے وہ اسم بطور ظاہر وعلّت موجود ہے عین اُس وقت سے یہ بھی موجود ہوں گے ورنہ ''تَخَلُّفُ الْمَظْهَرِ عَنِ الظَّاهِرِ'' یا ''تَخَلُّفُ الْمَعْلُوْلِ عَنْ عِلَّتِهٖ'' لازم آئے گا جو ناممکن ہے اور نہ صرف عرفاء وکاملین بلکہ تمام اہل اسلام جانتے ہیں کہ اَسماء الٰہی اُس وقت سے موجود ہیں جب سے اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک موجود ہے یعنی اول الاوائل ہے جس کی ابتداء نہیں اور واجب الوجود ہے جس میں تغیر وزوال ممکن نہیں اور ذات واسماء کے وجود میں جو فرق ہوسکتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ذاتِ الٰہی واجب الوجود لذاتہ ہے جبکہ اسماء الٰہی

واجب الوجود بذاتہ تعالیٰ ہیں یعنی واجب الوجود دونوں ہیں مگر جہت واعتبار کا فرق ہے کہ ذاتِ الٰہی اپنے آپ سے واجب ہے جبکہ اسماءِ الٰہی تقاضائے ذات کی وجہ سے واجب ہیں۔

نیز ذاتِ الٰہی عند العرفاء والکاملین مرتبہ لاتعیّن میں ہے جو عند الفلاسفہ الوجود المطلق کہلاتی ہے جس کی پہچان تعیّن اول سے ممکن ہو رہی ہے جو احدیت کا مرتبہ ہے اور اس کا مظہر حقیقتِ محمدی ﷺ ہے۔ بعدازاں تعیّن ثانی مزید پہچان کے لیے سبب بنا جس کے مظاہر جملہ اسماءِ الٰہی ہیں اور واحدیت کا مرتبہ ہے جبکہ اسماءِ الٰہی کی فہرست میں مرکزی اسم اور اِسم اعظم جس کو اِسم ذاتی بھی کہا جاتا ہے "اللہ" بیک وقت دو نسبتوں کا حامل ہے جن میں سے:

اول:۔ تعیّن اول ہونے کی بناء پر اپنے مسمّٰی یعنی ذاتِ الٰہی کی پہچان ہونا ہے۔

دوم:۔ اپنے مظہر یعنی حقیقت محمدی ﷺ میں ظاہر اور اس کی علّت ہونا ہے جبکہ باقی اسماءِ الٰہی تعیّن ثانی کے مظاہر ہونے کی بناء پر چار نسبتوں کے حامل ہیں:

پہلی:۔ اپنے مظاہر یعنی روزِ اول سے لے کر آخرت تک ظہور پذیر ہونے والے خلائق میں ظاہر اور اُن کی علّت ہے۔

دوسری:۔ اپنے اصل کے مظہر یعنی حقیقتِ محمدی ﷺ کے ساتھ مربوط ہیں۔

تیسری:۔ مرکزی اسم "اللہ" کے ساتھ مربوط ہیں۔

چوتھی:۔ بالترتیب اِسم ذاتی اور اس کے مظہر کے واسطہ کے بعد ذاتِ الٰہی کے ساتھ مربوط ہیں۔

الغرض اِس بات میں ذرّہ برابر شک کی گنجائش نہیں ہے کہ جب سے اسماء اللہ موجود ہیں اُس وقت سے اُن کے یہ تمام مظاہر بھی موجود تھے اگرچہ عالم ناسوت میں یعنی اربعہ عناصر کی دُنیا میں ان کا ظہور نہ ہوا تھا اُس وقت اِن کے ظاہر ہونے کا تصور ہی کیا ہے جبکہ عالم ناسوت ہی ظاہر نہ ہوا تھا بلکہ وقت کا ظہور بھی نہیں تھا لیکن کسی چیز کے ظاہر نہ ہونے سے اُس کا عدم لازم نہیں آتا کیوں کہ ہر ظاہر کا موجود ہونا ضروری ہے جبکہ ہر موجود کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر: ملائکہ انسان کے ساتھ ہر وقت موجود ہوتے ہیں لیکن ظاہر نہیں ہوتے اِسی طرح جملہ کائناتی قوتیں

ہر وقت موجود ہیں لیکن ہر وقت اور ہر کسی کو ظاہر نہیں ہیں بلکہ حسب المراتب والمصالح مختلف اوقات میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں بلکہ عالَم ناسوت کے اِس عظیم کارخانہ قدرت میں بعض موجودات ایسے بھی ہیں جن کا ظہور اِس جہاں میں قطعاً نہیں ہوتا کیوں کہ اُن کے ظہور کا وقت دوسرا جہان ہے جس میں اِس جہاں کے جملہ لوازمات اور تمام قیودات وکوائف کا سلسلہ دراز ختم ہونے کے بعد تجرّد واطلاق کی لامتناہی زندگی شروع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ ○ فَمَالَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ''(۱)

یعنی جس دِن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی تو آدمی کے پاس نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔

نیز فرمایا: ''وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ''(۲)

اللہ تعالیٰ کی طرف تمام اُمور لوٹائے جائیں گے۔

خلاصۃ الکلام بعد التفصیل:۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی بھی اسماء اللہ کے دوسرے مظاہر کی موجودگی کی طرح اپنی جملہ تصنیفات کو لے کر تعیّن ثانی کے مرتبہ میں بالتفصیل اور تعیّن اول کے مرتبہ ہیں بالاجمال موجود تھا جن کو اعیان ثابتہ بھی کہا جاتا ہے جو بعد میں اپنے اپنے وقت پر عالَم ناسوت میں ظاہر ہوتے ہیں اور جملہ اولیاء کاملین وعُرفا خصوصاً شیخ اکبر کے کشف کے مطابق اِن سب کا وجود بھی اور ظہور بھی حقیقتِ محمدی ﷺ کے ساتھ مربوط ہیں اور حقیقتِ محمدی ﷺ کی جانب بشریت کا ظہور اپنے وقتِ مقررہ کے مطابق چونکہ عالَم ناسوت میں ہوا ہے جو اُس کی بے حدو بے عد اور غیر متناہی حیثیات میں سے صرف ایک جھلک ہے۔ نیز عالَم برزخ جو اِس عالَم ناسوت کے عوالق وقیودات اور مادیت وکثافت کے اور عالَم آخرت کے تجرد واطلاق کے مابین واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) الطارق:9۔

(۲) البقرۃ:210۔

"وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ" (۱)

جس وجہ سے عالَم برزخ کے باسیوں کی زیادہ تر توجہ عالَم تجرد و اطلاق کی طرف ہونے کے باوجود کبھی کبھی حسب الاستعداد عالَم ناسوت کی طرف بھی ہوتی ہے جبکہ ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین اور اُن کے کامل متبعین کی توجہ دوسروں کے مقابلہ میں کئی درجہ قوی اور زیادہ ہوتی ہے بالخصوص نبی الانبیاء والمرسلین سیدِ عالم ﷺ کی ذات اقدس کی استعداد و توجہ اپنی مثال آپ ہے جس کی حقیقت کا ادراک اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا۔ جیسا حدیث شریف میں فرمایا:

"اِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ" (۲)

خلاصة الجواب بعد التحقيق:۔ حضرت شیخ اکبر کی کتاب (فُصوص الحِکم) شریف کی تصنیف اور ظہور اگرچہ 627ھ میں زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہونے کے بعد ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص اِسم کا مظہر اور اُس کے معلول و مربّی ہونے کی بناء پر اعیان ثابتہ کے انداز پر پہلے سے موجود تھی اور حقیقتِ محمدی ﷺ کے ساتھ مربوط اور اُس کے زیر تصرف و ملکیت تھی جس کو عالَم ناسوت کے اہل علم پر ظاہر کرنے کا حکم دے کر شیخ اکبر کو خاص اعزاز و شرف بخشا گیا ورنہ اعیان ثابتہ کے طور پر پہلے سے موجود و متشخّص ہونے کی بناء پر اپنے وقت پر ظاہر ہونا ہی تھا اور کسی اور کے ہاتھ سے نہیں بلکہ حضرت شیخ اکبر کے ہاتھ سے ہی لکھی جانی تھی کیوں کہ اعیان ثابتہ میں ایسا ہی تھا تو پھر عالَم ظہور میں اُس کے خلاف ہونا کیونکر ممکن ہو۔

حاشیتی اضافه:۔ اشکال کے اِس جواب اور ہماری اِس تحقیق کو مسئلہ تقدیر اور قضاء و قدر سے لے کر افلاطون کے مثل افلاطونیہ تک اور متکلمین کی نسبت بین العالم والمعلوم سے لے کر صوفیاء کرام کی عینیت الوجود تک اور کاملین کی وحدۃ الوجود سے لے کر وحدۃ الشہود تک کافی سے زیادہ معرکۃ الارآء مسائل کے حل کے لیے رہنما اُصول کہا جائے مبالغہ نہ ہوگا۔ اُمید ہے کہ اہل علم

---

(۱) المومنون:100۔

(۲) بخاری شریف، باب الصوم الوصال، ج:1، ص:263۔

اِس سے پورا پورا استفادہ کریں گے اِس کا ایک واضح فائدہ قارئین کو یہ بھی محسوس ہوگا کہ جتنی بار پڑیں گے اتنا زیادہ استفادہ ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ ناچیز کو یہ توفیق حضرت اُستاذی مرشدی وشیخی پیر امام علی شاہ نَوَّرَاللّٰہُ تعالٰی مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے درس تصوّف اور خاص کر فُصوص الحِکم شریف کے درس کی برکات وثمرات ہے۔ (فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ)

خطبہ کے اِس حصہ میں ایک قابل توضیح لفظ "اَلنَّاس" کا مصداق بھی ہے کہ بظاہر اگرچہ یہ تمام لوگوں کو شامل ہے کیوں کہ لفظ "ناس" اسم جمع ہے جس پر الف لام داخل ہونے کے بعد مفید استغراق بن جاتا ہے جس کے مطابق اِس کا مظہر دنیا بھر کے انسان ہونا چاہیے جبکہ حقیقت میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے جس وجہ سے اِس سے مراد انسانوں کا خاص طبقہ یعنی اہل علم ہی قرار پاتے ہیں گویا نبی اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب اہل علم حضرات کو پہنچانے کا انتظام کرنے کے لیے حضرت شیخ اکبر کو حکم دیا ہے اور شیخ اکبر کی طرف سے تعمیلِ حکم ہو جانے کے بعد ان اہل علم حضرات کو اِس سے مستفید ہونے کا حکم دیا ہے جس کے مطابق کتاب کے لفظ "یَنْتَفِعُوْنَ بِہٖ" کو لفظاً خبر اور معناً انشاء بھی کہا جا سکتا ہے اِس صورت میں فصوص الحکم شریف کا درس وتدریس اور اس کے فیوضات کو عام کرنے کا اہتمام کرنا علماء کرام کے لیے ضروری قرار پاتا ہے کیوں کہ یہ نبی اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم واجب التعمیل ہوتا ہے لیکن افسوس کہ ہمارے علماء کرام عمومی طور پر اس جوہر نایاب سے نا آشنا ہیں۔

میری زندگی کا عملی تجربہ ہے کہ قاضی وحمد اللہ، صدرا، شمس بازغہ اور سلّم العلوم وزواہد ثلاثہ جیسی دقیق کتابوں کو دیئے جانے والا وقت اگر اِس کو دیا جائے اور اُن کی اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں جتنا وقت صرف کیا جاتا ہے اُتنا اِس کے معارف کو اپنانے پر لگایا جائے تو نہ صرف عالَم ناسوت بلکہ ملکوت وجبروت اور لاہوت سے متعلقہ رموز ومعارف کے دریچے بھی کُھل جاتے ہیں انجامِ کار انسان میں ہر مشکل سے مشکل مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، مقصدِ تخلیق کی پہچان ہو جاتی ہے، راہِ طریقت اور مقصدِ سلوک کی دست آوری ہو جاتی ہے اور انسان اخلاق

رذیلہ سے پاک وصاف ہو کر عرفاء وکاملین کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے کاش ہمارے علماء کو اِس جوہر نایاب سے مستفیض ہونے کی توفیق نصیب ہو جائے۔

خطبہ کے اِس حصہ میں لفظ ''یَنْتَفِعُوْنَ بِہٖ'' بھی قابل توضیح ہے کہ اِس سے مراد اس کے نفس مضامین سے فائدہ اُٹھانے کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ اِس کا نفع عام ہے کہ اِن مضامین کو مکمل طور پر سمجھنے کے بعد دوسرے فنون کے مشکل مسائل کو سمجھنے کی راہیں بھی کھل جاتی ہیں اور عرفان کے ایسے ایسے دریچے کھلتے جاتے ہیں کہ الٰہیات کے حوالہ سے مشکل سے مشکل مسائل کا عُقدہ آپ ہی کُھل جاتا ہے۔ فتاویٰ درالمختار کے مصنف نے صاحب القاموس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وَمِنْ خَوَاصِ کُتُبِہٖ اَنَّ مَنْ وَاظَبَ عَلٰی مُطَالَعَتِھَا انْشَرَحَ صَدْرُہٗ لِفَکِّ الْمُعْضِلَاتِ وَحَلِّ الْمُشْکِلَاتِ''(۱)

یعنی حضرت شیخ اکبر کی کتابوں کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ جو ہمیشہ اِن کا مطالعہ کرے اُس کا سینہ پیچیدہ مسائل کی گتھی سلجھانے اور مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے کُھل جاتا ہے۔

میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ حضرت شیخ اکبر کی کتابوں کو عقیدہ ومحبت کے جذبہ کے ساتھ پڑھا جائے اِس سے مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِب علوم ومعارف کا فیضان نصیب ہو جاتا ہے خاص کر فصوص الحکم اِس سلسلہ میں اکسیر اعظم ہے میں کمالِ وثوق اور یقین کے ساتھ یہ سطور لکھ رہا ہوں کہ اگر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی تصانیف کے سلسلہ دراز کی اِس آخری کڑی کو اُستاذی الکریم سیدی وسندی ومرشدی ومربی امام شاہ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف سے نہ پڑھا ہوا ہوتا کورا کے کورا رہ جاتا اور درس نظامی کے جملہ فنون والٰہیات وقت کے قابلِ فخر شیوخ سے پڑھ کر فارغ تحصیل ہونے کے باوجود عرفان نا آشنا رہ جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سلوک ومعرفت کی راہ میں مجھے جتنی توفیق ملی ہے اور قرآن وسنت کے مشکل مقامات کی جس حد تک پہچان نصیب ہو رہی ہے یہ سب کچھ اُن میمنت لزوم ایام کے مرہون منت ہیں جن میں آج سے نصف صدی قبل

(۱) فتاویٰ الدر المختار، ج:2، ص:358۔

مہر آباد شریف کے پسماندہ گاؤں میں حضرت کریم سے فصوص الحکم شریف کا درس لیا جس کے بعد حضرت کی وصیت کے مطابق فصوص الحکم شریف کے پڑھنے اور پڑھانے کا ایسا التزام رکھا کہ مشاغل کے شدید ہجوم اور بے فرصتی کے شدید اضطراب میں بھی اِس سے کبھی غافل نہ رہا جس کا صلہ رب کریم نے میری استعداد کے مطابق عطا فرمایا ہے جس پر عمر بھر شکر ادا کروں پھر بھی حق ادا نہ ہوگا عملی زندگی کے اِس تجربہ کے بعد میں کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ الفاظ نبوی ﷺ "یَنْتَفِعُوْنَ بِہٖ" صرف فصوص الحکم شریف کے اپنے مضامین سے نفع اُٹھانے کی حد تک محدود ہیں جبکہ میرا عملی تجربہ اِس کے نفع کے عموم اور ہر مشکل مسئلہ میں مشکل کشائی کرنے کو شامل ہے۔ اِس کے علاوہ بھی پیغمبری الفاظ "یَنْتَفِعُوْنَ بِہٖ" اپنے عموم واطلاق کی بنیاد پر عمومِ نفع کے مقتضی ہیں۔

خطبہ کے اِس حصے میں لفظ "وَاُولِی الْاَمْرِ مِنَّا" بھی قابل توضیح ہے کیوں کہ کلام کے اصل مقتضا الحال اِس کے سابقہ الفاظ یعنی "فَقُلْتُ السَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ" پر پورا ہو جاتا ہے کیوں کہ موقع پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اُس کے قضاء وقدر اور اُس کی صفت تکوین کے اظہار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ اِس کتاب کو الفاظ ونقوش کا لباس پہنا کر لوگوں کے سامنے لانا ہے ایسے میں مقتضائے مقام "اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ" کہنے سے پورا ہو جاتا ہے جبکہ لفظ "وَاُولِی الْاَمْرِ مِنَّا" کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ قرآن وسنت کے مطابق "اُولُوا الْاَمْرُ" کا مظہر اسلامی حکومت کے ارباب اقتدار ہیں جو تنفیذ احکام کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کے نائب ہوتے ہیں اور مسلم مقتدرہ کی عدم موجودگی میں علماء حق اِس کے مظہر ہوتے ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں ہے:

"وَاخْتُلِفَ فِی الْمُرَادِ بِھِمْ فَقِیْلَ اُمَرَاءُ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ عَھْدِ الرَّسُوْلِ ﷺ وَبَعْدَہٗ وَیَنْدَرِجُ فِیْھِمُ الْخُلَفَاءُ وَالسَّلَاطِیْنُ وَالْقُضَاۃُ وَغَیْرُھُمْ" (۱)

یعنی "اُولُوا الْاَمْرُ" سے مراد میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ اِس سے مراد مسلم مقتدرہ ہے

(۱) تفسیر روح المعانی، ج:5، ص:65۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات میں بھی اور بعد الوفات بھی جن میں خلفاء وسلاطین اور قضاوت والے ہیں اور ان کے سواوہ صاحب اختیار بھی شامل ہیں جن کو اسلامی سلطنت کے کسی شعبہ میں اختیارات حاصل ہیں۔

اس کے چند سطر بعد لکھا ہے: ''وَقِیلَ الْمُرَادُ بِهِ اَهْلُ الْعِلْمِ''

یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل علم ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان دو اقوال کے مابین تطبیق کی وہی صورت ہے جو ہم نے بیان کی یعنی اول قول کا تعلق اسلامی ریاست کے ساتھ ہے جبکہ دوسرے کا تعلق اسلامی ریاست موجود نہ ہونے کے ساتھ ہے۔

حضرت شیخ اکبر کے رویا صادقہ کے اس موقع پر ان میں سے کسی ایک کا تصور بھی ممکن نہیں ہے کیوں کہ خود رسول اللہ ﷺ کی موجودگی اور ان سے بلا واسطہ حکم لینے کے موقع پر کسی اور کا کیا تصور ہو سکتا ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شیخ اکبر کو ملنے والے اس حکم کی تعمیل اس وقت کے مقتدرہ کی طرف سے ملنے والے مزید احکام وہدایات پر موقوف ہو کیوں کہ اس وقت کی سیاسی بے اطمینانی اور ملکی حالات اتنے خراب تھے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے تاراج ہو جانے کے بعد اسلامی مفہوم کے مطابق ''اُولُوا الْاَمْر'' کا سیاسی وجود ہی نہیں تھا نہ صرف دمشق وشام اور عراق وبغداد کے مسلمان طوائف الملوکی کی انارگی سے لے کر طوائف المذہبی کے انتشار جیسے مصائب کے شکار تھے بلکہ حجاز سے لے کر خراسان تک مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی سیاسی اقتدار کی مرکزیت کا کہیں وجود تھا نہ مذہبی اقتدار کا ایسے میں حضرت شیخ اکبر کا لفظ ''وَاُولِی الْاَمْرِ مِنَّا'' کو ''اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ'' کہنے کے بعد اضافہ کرنے کو مقتضاء مقام کے مطابق ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت شیخ کی طرف سے یہ اضافہ بالیقین خلاف مقتضا الظاہر ہے لیکن خلاف مقتضا الحال ہرگز نہیں ہے جبکہ کلام کی بلاغت کا معیار مقتضا الحال کے مطابق ہونا ہے مقتضا ظاہر الحال کے مطابق ہونا نہیں۔ حضرت شیخ اکبر کا لفظ ''وَاُولِی الْاَمْرِ مِنَّا''

کو اضافہ کرنا مقتضا الحال کے مطابق اِس لیے تھا کہ مخاطب یعنی رسول اللہ ﷺ جو کتاب انہیں عطا فرما رہے تھے یہ دراصل قرآنی رُموز واسرار اور احکامِ الٰہی کی ایک جھلک تھی جو قرآنی معارف تک رسائی کی زینہ اور وسیلہ تھی یعنی خود مقصودِ اصلی نہیں بلکہ مقصودِ اصلی تک رسائی پانے کی ذریعہ تھی جس وجہ سے اُس وقت رسول اللہ ﷺ کی اصل تمنا اور خواہش یہ تھی کہ میرے مخاطب یعنی شیخ اکبر خود معارف قرآن پر عمل کرنے کے ساتھ دوسروں کو بھی اِس کی دعوت دے جس کی تعمیل اور اُس کے مطابق جواب اِس لفظ کو اضافہ کیے بغیر ممکن نہیں تھا ورنہ کلام مقتضا الحال کے مطابق نہ ہوتا کیوں کہ قرآنی معارف کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کا ثبوت ہے اِس حیثیت سے اُنہیں تسلیم کرنے اور اُن پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے جس کی تعمیل کے لیے ''اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلّٰهِ'' کہنا لازم تھا جو کہا گیا۔

دوسری قسم:۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اُن کا نفاذ ہے اِس حیثیت سے اُنہیں اپنی عملی زندگی کا حصہ بنانے کا مطالبہ ہے جس کی تعمیل کے لیے ''اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلّٰهِ'' کہنا لازم تھا جو کہا گیا۔

تیسری قسم:۔ قیامت تک جاری وساری نائبین رسول اور خلفاء وارثین کی تنفیذات وتصرفات کو تسلیم کرنے کے ساتھ اُن پر عمل کرنا ہے جس کی تعمیل کے لیے ''اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِاُولِی الْاَمْرِ مِنَّا'' کہنا بھی ضروری تھا جو کہا گیا۔ ایسے میں شیخ اکبر کا یہ کلام عین بلاغت ہے جو اُن کے کمال عرفان کی دلیل ہے۔ (فَلِلّٰهِ اَجْرُهٗ مَآ اَحْسَنَهٗ بَلَاغَةً، مَآ اَكْمَلَهٗ مَعْرِفَةً مَآ اَوْسَعَهٗ فَرَاسَةً فِی الْقُرْآنِ)

حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف نے جن کاملین ونائبین کی اطاعت کا التزام یہاں پر لفظ ''وَاُولِی الْاَمْرِ مِنَّا'' کہہ کر کیا ہے عملی طور پر اُن کے ساتھ ہمکاری وموافقت کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے پیشرؤوں سے لے کر اُن تمام ہم عصر کاملین، نائبین حضرات کی بھی تابعداری کی ہے جن کو معارف قرآنی کے حوالہ سے ''اُولُو الْاَمْرِ'' ہونے کا رُتبہ حاصل ہے جیسا اِسی کتاب کے فص

اسحاقی میں عبدیت محضہ کی علی الاطلاق افضلیت کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے:

بِذَا قَالَ سَهْلُ وَالْمُحَقِّقُ مِثْلُنَا لِاَنَّا وَاِيَّاهُمْ بِمَنْزِلِ اِحْسَان

فَمَنْ شَهِدَ الْاَمْرَ الَّذِي قَدْ شَهِدْتُهُ يَقُوْلُ بِقَوْلِي فِي خِفَاءٍ وَاِعْلَانِ

واقعیت کی اِس روشنی میں لفظ ''وَاُولِی الْاَمْرِ مِنَّا'' کو اضافہ کرنا مقتضاء الحال سے خلاف نہیں بلکہ عین مقتضا الحال ہے۔

خطبہ کے تیسرے حصہ میں لفظ ''اَلْاُمْنِيَّةِ'' قابلِ توضیح ہے کیوں کہ لُغت کے اعتبار سے اِس کے متعدد معنی ہیں:

پہلا:۔ جھوٹی خواہش جو کسی اندازے پر مبنی ہو۔

دوسرا:۔ کسی اندازے پر مبنی جھوٹی خواہش کا زبانی اظہار۔

تیسرا:۔ کسی حقیقت پر مبنی واقعی خواہش۔

چوتھا:۔ کسی واقعی خواہش کا زبانی اظہار۔

دراصل مَنی یعنی (م، ن، ی) کے اِن مرتب حروف سے ثلاثی مجرد استعمال ہونے والے لفظ کی دلالت کسی چیز کے اندازہ کرنے پر ہوتی ہے۔ مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے

''اَلْمَنِیُ التَّقْدِيْرُ يُقَالُ مَنیٰ لَكَ الْمَانِیُ اَیْ قَدَّرَ لَكَ الْمُقَدِّر''

اِس کے بعد ثلاثی مزید فیہ کے مختلف ابواب سے مختلف معانی کے لیے مستعمل ہوتا ہے اوراصل کے اِس بنیادی مفہوم کی بناپر موت کو بھی مَنیہ کہا جاتا ہے جبکہ پیشِ نظر لفظ ''اُمنیہ'' باب ''تَفَعُّل'' سے استعمال ہوکر مصدر کا صیغہ ہے اور قرینہ ومقام کی دلالت کے مطابق اِس سے صرف دو معنی مراد لیے جاسکتے ہیں:

اول:۔ حقیقت پر مبنی واقعی خواہش کہ رسول اللہ ﷺ کی واقعی خواہش تھی کہ اِس کتاب کے ذریعہ شیخ اکبر علماء کو علوم ومعارف کا نفع اُٹھانے اور اِس کے واسطہ سے قرآن شریف کے رموز واسرار تک رسائی پانے کا موقع دے۔

دوم:۔ اِس واقعی خواہش کا زبانی اظہار جو سید عالم ﷺ نے شیخ اکبر سے کیا اور حضرت شیخ اکبر کی یہ سعادت وخوش بختی قرار پائی کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے اظہارِ خواہش کی شکل میں جو حکم اُن کے ذمہ لگا دیا اُنہوں نے اُسے مِن وعَن پورا کیا۔ (فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَآءِ)

خطبہ کے پانچویں حصہ کے ابتدائی الفاظ "وَمِنَ اللّٰـهِ ارْجُوْا" سے لے کر "وَقَيِّدَ" تک کا فلسفہ یہ ہے کہ اِس سے متصلاً قبل جب مصنف نے سلوک کے حوالہ سے اپنے منصب کی طرف اشارہ کیا کہ میں سلوک وعرفان کے اسفار اربعہ میں سے **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کے منصب پر فائز ہوں تو اِس سے شطحیت کا وہمہ پیدا ہو رہا تھا جس میں نفس امّارہ کو دخل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے غفلت ہوتی ہے اور ایک قسم کا فخر ہوتا ہے جسے کاملین پسند نہیں کرتے ہیں خاص کر حضرت مصنف رَحْمَةُ اللّٰهِ تعالی عَلَيْهِ نے اِسے مذموم کیا ہے فتوحات مکیہ شریف میں فرمایا ہے:

"وَكُلُّ مَنْ شَطَحَ فَعَنْ غَفْلَةٍ شَطَحَ وَمَارَئَيْنَا مِنْ وَلِيٍّ ظَهَرَمِنْه شطحٌ لِرُعُوْنَةِ نَفْسٍ وَهُوَوَلِيٌّ عِنْدَاللّٰه"

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی شطحیت کی ہے بے شک اُس نے غفلت سے ایسا کیا اور ہم نے نہیں دیکھا اور نہیں سُنا کسی بھی ولی سے متعلق کہ اُس سے نفس امّارہ کی رعونت کی وجہ سے شطح ظاہر ہوا ہو، اور وہ اُس حال میں اللہ کا ولی بھی ہو۔

نیز فرماتے ہیں: "وَالشَّطْحُ زِلَّةُ الْمُحَقِّقِيْنَ" (۱)

یعنی شطح اہل تحقیق کی لغزش ہے۔

اور اِس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں:

"فَالشَّطْحُ كَلِمَةٌ صَادِقَةٌ صَادِرَةٌ مِنْ رُعُوْنَةِ نَفْسٍ عَلَيْهَا بَقِيَّةُ طَبْعٍ تَشْهَدُ لِصَاحِبِهَا يُبْعِدُهُ مِنَ اللّٰهِ فِيْ تِلْكَ الْحَالِ"

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ شطح ایک واقعی بات ہوتی ہے جو نفس امّارہ کی رعونت کی وجہ سے صادر

(۱) الفتوحات المكيه، باب:195، ج:2، ص:387 مطبوعه بيروت ۔

ہوتی ہے جس میں بشری تقاضے کے آثار باقی ہوتے ہیں جو اُس کی ناپختگی پر دلیل وشاہد ہوتی ہے جو صاحب حال کو اِس حالت میں اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے۔

اور شطح کا جامع ومانع اور قابل فہم تعارف پیش کرتے ہوئے اِس بحث کے آغاز میں فرمایا ہے:

اَلشَّطحُ دَعْوَی فِی النُّفُوْسِ بِطَبْعِهَا لِبَقِیَّةٍ فِیْهَا مِنْ آثَارِ الْهَوٰی

هٰذَا اِذَا شَطَحَتْ بِقَوْلٍ صَادِقٍ مِنْ غَیْرِ اَمْرٍ عِنْدَ اَرْبَابِ النُّهٰی

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ شطح سالک کے نفس بشری کے طبعی تقاضا کی وجہ سے کسی بات کا دعویٰ کرنا ہوتا ہے جس کا فلسفہ نفسِ امارہ کی خواہش کی بقا ہوتا ہے یہ تب ہے کہ جب تو کسی واقعی بات کا دعویٰ کرے جس کو ظاہر کرنے کا تجھے امر نہ ہوا ہو، عقلمندوں کے نزدیک شطح کی حقیقت یہی کچھ ہے۔(۱)

خطبہ کے اِس آخری حصہ میں مصنف نے اِس وہمہ کو اِس طرح دفعہ کیا ہے کہ اپنے تعبد وعاجزی کو ظاہر کیا ہے کہ رحمتِ الٰہی کی اُمید کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں مذکورہ مقام جو مجھے حاصل ہوا ہے یہ سب کچھ تائید الٰہی اور شریعت محمدی ﷺ کی قید میں مقید ہونے کے ثمرات ہیں اور رحمتِ الٰہی کی طرف میری یہ محتاجی نہ صرف دُنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ہے مصنف کی طرف سے دفع توہم کا یہ انداز اس کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جملہ "وَحشرنَا فِی زُمْرَتِهٖ" کو لفظ "اَنْ اَکُوْنَ مِمَّنْ اُیِّدَ فَتَاَیَّدَ" پر معطوف کر کے خود کو دنیا وآخرت دونوں میں رحمتِ خداوندی کا محتاج بتایا ہے اور اہل معرفت جانتے ہیں کہ سالک کا اپنے کسی کمال کے ساتھ تکلم کرنے میں اگر فقر واحتیاج کا اظہار بھی شامل ہو وہ شطحیت کے زمرہ میں نہیں آتا۔ جیسا حضرت مصنف رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے خود لکھا ہے:

"اَلاَ وَلاَ بُدَّ اَنْ یَّفْتَقِرَ وَیَذِلَّ وَیَعُوْدَ اِلٰی اَصْلِهٖ وَیَزُوْلَ عَنْهُ ذٰلِكَ الزَّهْوُ الَّذِیْ کَانَ یَصُوْلُ بِهٖ"(۲)

(۱) الفتوحات المکیۃ، باب 195، ج:2، ص:387 مطبوعہ بیروت۔

(۲) الفتوحات المکیۃ، ج:2، ص:388، باب:195، مطبوعہ بیروت۔

خطبہ کے پانچویں حصے کے اِس مجموعی مقصد کے علاوہ اِس کے لفظ ''وقید'' سے خاص مقصد یہ بھی ہے کہ شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی قید میں مقید زندگی گزارنا اگرچہ کمال ہے، مقصدِ حیات ہے اور سعادت اَبدی کے موجب ہے تاہم خود کو اِس رُتبے پر پہنچانے کے بعد دوسروں کو شریعتِ مقدسہ کی قید میں لانے کی کوشش کرنا نورعلی نور ہے بلکہ نورالانوار ہے اور قابلِ رشک سعادت ہے۔ اِسی فلسفہ کے مطابق حدیث شریف میں آیا ہے:

''وَمُعَلِّمُ النَّاسِ الْخَيْرَ يَسْتَغْفِرُلَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَتّٰى الْحِيْتَانَ فِي قَعرِ الْمَآءِ''(۱)

خود کو شریعت کی قید میں مقید کرنے کے بعد دوسروں کو اِس کی قید میں لانے کی تعلیم وتربیت دینے والے کے لیے ہر شے استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی گہرائی میں مچھلیاں بھی۔

جبکہ یہاں پر کلام سابق یعنی خطبہ کے چوتھے حصہ کے الفاظ ''فَمَا اُلْقِيْ اِلَّا مَا يُلْقٰى اِلَيَّ وَلَا اُنْزِلُ فِيْ هٰذَا الْمَسْطُوْرِ اِلَّا مَا يُنَزَّلُ بِهٖ عَلَيَّ وَلَسْتُ بِنَبِيٍّ وَلَا رَسُوْلٍ'' سے لے کر آخر تک جو کہا ہے وہ اِن کی عظمتِ شان کا اظہار ہے جو شطحیت سے خالی نہیں ہے۔

خطبہ کے تیسرے حصہ میں لفظ ''اَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ لَيْسَ لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ'' بھی قابل توضیح ہے جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ شیطان چاہے جنی ہو یا اِنسی اللہ تعالیٰ کے اِسم مُضِل کا مظہر ہونے کی وجہ سے ہر طرف سے انسان پر حملہ کرنے، اُس کے پاس آنے اور اُسے گمراہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے مگر اُن انسانوں کے پاس جانے سے عاجز اور اُنہیں گمراہ کرنے سے قاصر ہے جو ہمہ وقت اپنی ہمہ تن بندگی کی حیثیت یعنی محتاج علی الاطلاق اور اللہ تعالیٰ کے محتاج الیہ علی الاطلاق ہونے کے تصور میں ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اُن کی قوت فکری اپنی سفلیت اور محتاج علی الاطلاق ہونے پر یقین رکھنے کے عین وقت اللہ تعالیٰ کی فوقیت اور محتاج الیہ علی الاطلاق ہونے پر یقین رکھنے کی حرکت میں مصروف ہوتی ہے اور قوت عملی بھی قوت فکری کی اِس دو مُکھی حرکت کی تابع ہوتی ہے اور یہ حرکت اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ مقصدِ

(۱) مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم، ص: 31، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع۔

حیات اور عبادت سے عبارت ہے۔اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں شیطان کے تسلط سے محفوظ بندے قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ''(۱)

جسے محسوس کرتے ہوئے شیطان نے بھی کہہ دیا تھا:

''لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ''(۲)

شیطان کو معلوم تھا کہ عبادِ مخلصین کہلانے والے یہ بندے ہمہ جہت محفوظ ہوتے ہیں جن کے پاس جانے کے رستے ہی مسدود و محروس اور میرے لیے ممنوع ہیں جس وجہ سے صاف کہہ دیا کہ:

''اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ''(۳)

قرآن وسنت میں انسانیت کے اِس رُتبے پر فائز حضرات کی جتنی فضیلت بیان ہوئی ہے اُس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی کیوں کہ حقیقت میں یہی حضرات مقصدِ حیات کی تکمیل کرنے والے اور فخرِ انسانیت کہلانے کے قابل ہوتے ہیں اِن کے درجات اگرچہ مختلف ہیں تاہم کسی درجہ کی خصوصیت سے قطع نظر اِس باب میں داخلہ اور مابہ الاشتراک کے اِس شرف سے مشرف ہونا شیطانی تسلط سے محفوظ ہونے کی ضمانت ہے جس کے مطابق حضرت شیخ اکبر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے مذکورہ عبارت میں اِس کا سوال کیا ہے اور اِس رُتبے کے سائلین کو پہلے سے اِس کا حاصل نہ ہونا ضروری نہیں ہے تاکہ حضرت شیخ اکبر کا اِس سے قبل رُتبہ مخلصین سے بعید ہونے کا مغالطہ پیدا ہو سکے۔نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے کیوں کہ یہ کتاب حضرت شیخ اکبر کی آخری تصنیف ہے جبکہ اِس سے پہلے اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں کے مندرجات ایسے حقائق و معارف اور تقدیر کے اسرار سے

---

(۱) الحجر:42۔

(۲) الاعراف:17۔

(۳) الحجر:40۔

لے کر الٰہیات کے ایسے گوناگوں رموز پر مشتمل ہیں جو اِس رُتبے پر فائز ہوئے بغیر ممکن نہیں ہیں اِس کے علاوہ یہ تاثر کہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کیا جاتا ہے وہ پہلے سے حاصل نہیں ہوتی قیاس مع الفارق کا نتیجہ ہے کہ روحانیت کو مادیت پر قیاس کر کے ایسا تصور پیدا کیا جاتا ہے جس کو بناء الغلط علی الغلط کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کیوں کہ قرآن وسُنت کے مطابق اللہ سے سوال کرنا، بخشش مانگنا اور استغفار کرنا مستقل فرائض کے زمرہ میں شامل ہے عام اِس سے کہ سوال کیے جانے والی چیز پہلے سے حاصل ہو یا نہ ہو۔ اِسی طرح استغفار کرنے والا گناہ گار ہو یا نہ ہو، حدیث شریف میں آیا ہے اللہ کے حبیب سیدِ عالم ﷺ سب سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے جبکہ معصوم ہونے کی بناء پر گناہ گار ہونے کا تصور ہی نہیں ہے تو پھر حضرت شیخ اکبر کا شیطان سے محفوظ ہونے کے اِس مقام پر فائز ہوتے ہوئے ایسے سوال کرنے میں کون سا استبعاد ہے۔

خطبہ کے تیسرے حصہ کے الفاظ "وَاَنْ يَخُصَّنِیْ فِیْ جَمِيْعِ مَايَرْقُمُهٗ بَنَانِیْ" سے لے کر "وَ يَنْطَوِیْ عَلَيْهِ جَنَانِیْ" تک تینوں الفاظ بھی قابل توضیح ہیں جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ انسان کے دخلِ عمل سے جو قابلِ ذکر کام وجود میں آتے ہیں بنیادی طور پر اُن کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں:

وجودِ عینی جس کو وجودِ خارجی بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا انسانی ہاتھوں سے وجود میں آنے والا کوئی عمل۔

وجودِ ذہنی جس کی بعض صورتوں کو کلامِ نفسی بھی کہا جاتا ہے جیسا ظاہر کیے جانے سے پہلے دل میں موجود عقیدہ۔ اِسی طرح کسی مدّعا کو ثابت کرنے سے پہلے دل میں موجود دلیل اور فکر ونظر جس کو وجودِ ذہنی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

وجودِ کلامی جس کو وجودِ لسانی بھی کہا جاتا ہے جیسا بولتے وقت وجود میں آنے والا کلام۔

وجودِ کتابی جیسا لکھتے وقت وجود میں آنے والے مضامین۔

ہر سلیم الفطرت انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرے دخلِ عمل سے وجود پانے والا ہر عمل غلطی سے محفوظ ہو اور سلیم الفطرت ہونے کے کمال کے ساتھ قوتِ فکری وعملی کو منشاء مولیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کے

مطابق صرف کرنے والے کاملین کی یہ خواہش سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اُصولِ فطرت کے اِس تقاضے کے مطابق حضرت شیخ اکبر نے پیشِ نظر عبارت میں ہر اعتبار سے خود کو عصمتِ الٰہی کے ساتھ مختص کیے جانے کا سوال کیا ہے کہ جو کچھ وجودِ کتابی میں لاؤں اُس میں مجھے اپنی عصمت کے ساتھ خاص کرے کہ جہاں پر بھی میرے ہاتھ سے لکھ کر وجود میں کوئی چیز آ جائے اُس میں میرے عمل کی حیثیت القاء سبّوحی کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

سوال کا یہ حصہ مذکورہ عبارت کے حصہ ''فِیْ جَمِیْعِ مَایَرْقُمُهُ بَنَانِی'' میں آ گیا ہے جبکہ عبارت کے حصہ ''وَیَنْطِقُ بِهِ لِسَانِی'' میں سوال کا دوسرا حصہ یعنی کلام کی شکل میں وجود میں آنے والے ہر مضمون کو عصمتِ الٰہی حاصل ہونے کا سوال آ گیا ہے جبکہ عبارت کے حصہ ''وَیَنْطَوِیْ عَلَیْهِ جَنَانِیْ'' میں سوال کا تیسرا حصہ یعنی وجودِ ذہنی کی شکل میں پائے جانے والے ہر مضمون کو عصمتِ الٰہی حاصل ہونے کا سوال آ گیا ہے جبکہ وجودِ خارجی اِن تینوں کے تابع اور ان کی فرع ہے کیوں کہ وجودِ کتابی، وجودِ کلامی اور وجودِ ذہنی ظرف خارج میں متحقق ہونے کے بعد ہی وجودِ عینی کہلاتا ہے۔

خطبہ کے اِس تیسرے حصہ میں لفظ ''بِالْاِلْقَاءِ السُّبُّوْحِیِّ'' سے لے کر لفظ ''بِالتَّاْیِیْدِ الْاِعْتِصَامِیِ'' تک یہ چاروں الفاظ بھی قابلِ توضیح ہیں جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ لفظ ''اِلقاء'' شریعت وطریقت دونوں کی زبانوں میں الہام کے مترادف ہے اور یہ لفظ یہاں پر ''اَلسُّبُّوْحِیّ'' والی صفت کے ساتھ موصوف واقع ہوا ہے جبکہ لفظ ''سُبّوحی'' منسوب ہے، سُبّوح کی طرف جو اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتی میں سے ہے اور لسانی اعتبار سے یہی حال لفظ ''اَلنَّفْثُ الرُّوْحِی'' کا بھی ہے کہ اِس میں لفظ ''النَّفْثِ'' موصوف واقع ہوا ہے اِسم منسوب ''اَلرُّوْحِی'' کے ساتھ اور ''نفث''، نفخ کی ایک خاص قسم ہے جس میں نفخ کرنے والے کا لعاب دہن شامل ہوتا ہے لیکن یہاں پر آیت کریمہ ''وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ''(۱) کے حاصل مضمون کی ایک جھلک مراد ہے

(۱) الحجر:29۔

جس سے اُس چیز کو امتیازی وجود مل جاتا ہے جس میں نفخ کیا جاتا ہے اور لفظ ''فِي الرُّوحِ النَّفسِيّ'' بھی موصوف وصفت کا مجموعہ مرکّب ہو جانے کے بعد نفث کے ساتھ متعلق ہے اور لفظ ''رُوع'' انسانی روح کی قلبی حیثیت سے عبارت ہے جو نفسِ مطمئنہ اور نفس لوّامہ سے قطع نظر مطلق نفس انسانی کے ساتھ مختص ہے یعنی نفسِ انسانی ''مِن حَيثُ اِنّهَا نَفسٌ اِنسَانِيٌّ'' اِس بناء پر متن کے لفظ ''اَلنَّفسِي'' پر آیا ہوا الف، لام عہد کے لیے ہے جو معہود فی العرف یعنی نفس انسانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور لفظ ''بِالتَّائِيدِ'' میں حرف ''با'' تلبس کا مفہوم دیتے ہوئے نفث کے ساتھ متعلق ہے جس سے حاصلِ مقصد نفث روحی کا اللہ تعالیٰ کے اِسم ''عَاصِمْ'' کا مقتضاء ہونے کا سوال کرنا ہے یہ تخصیص اِس لیے کہ اِس کے بغیر محض نفث روحی عام ہے جو اللہ تعالیٰ کے اِسم ''اَلضَّآرُ'' کا مقتضاء بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''كَذٰلِكَ نَسلُكُهُ فِي قُلُوبِ المُجرِمِينَ''(۱)

کتاب کے الفاظ ''حَتّٰى اَكُونَ مُتَرجِمًا لَا مُتَحَكِّمًا'' پر بظاہر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ کسی کتاب کے مترجم ہونے سے مقصد اور ترجمہ کی حقیقت اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اصل کے معانی کو اُن کے جملہ لوازمات وتقاضوں کے مطابق دوسری زبان میں منتقل کیا جائے یعنی ''اِبدَالُ اَلفَاظِ الاَصلِ بِاَلفَاظِ اللِّسَانِ الآخِرِ الَّتِي تَقُومُ مَقَامَهَا'' جبکہ حضرت شیخ اکبر کو الفاظ ومعانی کی مجموعہ یہ کتاب اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے عطا فرمائی ہے جیسا مذکورہ الفاظ ''رَئَيتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَبِيَدِهٖ ﷺ كِتٰبٌ فَقَالَ لِي هٰذَا كِتٰبُ فُصُوصِ الحِكَمِ خُذهُ وَاخرُج بِهٖ اِلَى النَّاسِ'' سے واضح ہے تو پھر مترجم ہونے سے کیا مقصد ہے؟ اِس کا جواب سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل حقائق کو سمجھنے کی ضرورت ہے:

❶ نہ صرف حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور اُن کی یہ تصنیف بلکہ جملہ خلائق جس انداز اور جس ترتیب سے وجود میں آرہے ہیں اور جس کی زبان وقلم سے یا جس کے کسب وعمل

(۱) الحجر:12۔

پر بھی مرتب ہو رہے ہیں یہ سب کچھ بلا کم و کاست اسی طرح مرتبۂ ازل میں اللہ تعالیٰ کے حضور موجود تھے جن کو بعض اہل علم نے حضورِ علمی سے تعبیر کیا، بعض نے صُورِ علمیہ سے، بعض نے مثلِ افلاطونیہ سے اور بعض نے انہیں اعیانِ ثابتہ کہا، سوچ و فکر سب کی مختلف ہیں تاہم اللہ تعالیٰ کے اِن ازلی معلومات سے انکار کسی کو بھی نہیں ہے انکار کی مجال ہی کیا جبکہ علم ہمیشہ معلوم کا تابع ہوتا ہے جب معلوم نہ ہوگا تو پھر اُس کا علم کہاں سے آئے گا؟ حالاں کہ جملہ خلائق سے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم اَزلی ہے جس کی ابتداء ہے نہ انتہا، حدوث ہے نہ زوال۔

❷ کائنات سے متعلق قضاوقدر اور تقدیرِ الٰہی کی بنیاد بھی یہی حضور علمی ہے کیوں کہ اعیان ثابتہ کے اِس حضورِ علمی کے بغیر علمِ الٰہی کا تصور نہیں ہوگا اور علمِ الٰہی کے بغیر ارادۂ الٰہی کا تصور نہیں ہوگا کیوں کہ ارادہ علم کا تابع ہوتا ہے جب متبوع اور اصل نہیں تو پھر تابع و فرع کے وجود کا کیا تصور ہو سکتا ہے، جب ارادۂ الٰہی نہیں ہوگا تو پھر قضاوقدر کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ فعلی کا کیا تصور ہوگا کیونکہ تقدیرِ الٰہی کی حقیقت صفتِ فعلی کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام ہر صفتِ فعلی اور تقدیرِ الٰہی کی ہر شکل اُس کے ارادہ کے تابع ہے جیسا فرمایا:

''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ''(۱)

اُسے کرنے والا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے۔

نیز فرمایا: ''اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ''(۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

جب قضاوقدر کا تصور نہیں ہوگا تو پھر اربعہ عناصر کے اِس عالَم ناسوت کی موجودہ تفصیل کا کیا تصور ہوگا حالاں کہ یہ سب کچھ تقدیرِ سابق کے ماتحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) البروج:16۔

(۲) یٰس:82۔

''وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ''(۱)

اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ سب کچھ تقدیر کی کتابوں میں ہے۔

نیز فرمایا: ''وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ''(۲)

اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

اِن ہی نُصوص کے مطابق جملہ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے:

''مَاشَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَآءِ لَمْ يَكُنْ''(۳)

۳ قضاوقدر اور تقدیرِ الٰہی کا تعلق اعیان ثابتہ کی جانب مستقبل کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ نہیں ہوتی کیوں کہ جب اعیان ثابتہ کے بغیر کائنات کا تفصیلی وجود ممکن ہے نہ اُن کا ظہور تو پھر ان کے بغیر تقدیر کا کیا تصور ہوسکتا ہے۔

۴ تقدیرِ الٰہی کے مطابق اَعیان ثابتہ کی جانب مستقبل اور اربعہ عناصر کے اِس عالَم ناسوت میں اُن کے کچھ حصوں کے ظاہر ہونے سے متعلق بعض اوقات کچھ ذواتِ قدسیہ کو پیشگی اطلاع دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے غیب اور ناممکن ہونے کی وجہ سے اِن حضرات کے لیے معجزہ اور کرامت کہلاتی ہیں۔ جس کی مثالوں میں وہ تمام واقعات شامل ہیں جن میں تقدیر کے کچھ حصوں کا یا اَعیانِ ثابتہ کے کچھ حقائق کا مشاہدہ کیا گیا ہے یا مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے حالات کی پیشگی خبر دی گئی ہے چاہے یہ خبر دینے اور مشاہدہ کرنے والے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی ذواتِ قدسیہ ہو یا صاحبِ کشف اولیاء اللہ ہوں۔

---

(۱) القمر:52۔

(۲) القمر:53۔

(۳) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ،باب الدعوات،فصل اول،ج:3،ص:116۔

۵ حضرت شیخ اکبر فنافی اللہ کے رتبے پر فائز کاملین کے زمرہ میں شامل ہیں اور اس رتبے پر فائز حضرات اپنے ظاہر و باطن سمیت ہر قول و عمل اور ہر ارادے کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو وحدۃ الوجود کے حقیقی عقیدہ کا ثمر ہے۔ اسی کے مطابق شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا:

''یا مُشرِکًا بِرَبِّہٖ فِی بَاطِنِہٖ بِنَفْسِہٖ وَفِی ظَاھِرِہٖ بِخَلْقِہٖ وَفِی عَمَلِہٖ بِاِرَادَتِہٖ''(۱)

جس سے مقصد یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو دخل دیتا ہے اگرچہ دوسروں سے پوشیدہ ہو پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے اور حقیقت کی زبان میں مشرک کہلاتا ہے، اسی طرح جو شخص اپنے ظاہری احوال و کردار اور وجود میں اپنے اعضاء کا دخل سمجھتا ہے، ان کے وجود کو مؤثر کہتا ہے اور اپنی حرکات و سکنات کو اُن کی طرف منسوب کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے کہ حقیقت کی زبان میں مشرک کہلاتا ہے، اسی طرح جو شخص اپنے کسی عمل کو اپنے ارادہ کی طرف منسوب سمجھتا ہے کہ میں نے ارادہ کر کے یہ کام کیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے کہ حقیقت کی زبان میں مشرک کہلاتا ہے اور شرک سے محفوظ ہو کر موحد کہلانے کے قابل تب ہو سکتا ہے جب اپنے ظاہر و باطن اور اپنے ہر قول و عمل کو مختلف اسماء اللہ کے مظاہر سمجھ کر ان سب کی طرف پُشت کر کے صرف ایک ذات وحدہ لاشریک کو حقیقی مؤثر سمجھے، اُسی کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے اور اُسی کو بلاشرکتِ غیر موجود حقیقی ہونے پر جزم و یقین کرے۔ یہ سب کچھ اِس لیے کہ اہل کشف اور کاملین کے نزدیک اِخلاص کی نہایت و کمال یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی قطع نظر کر کے صرف ذات بحت کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جیسا فرمایا گیا ہے:

''کَمَالُ الْاِخْلَاصِ نَفْیُ الصِّفَاتِ''(۲)

کاملین کے اِس رُتبے سے متعلق حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نے مستقل مقالہ

---

(۱) فتوح الغیب، مقالہ نمبر:63۔

(۲) منازل السائرین، ص:305، مطبوعہ منشورات بیدار قم ایران۔

لکھا ہے جس میں اِس مقام کو ''مَوت لَاحَیَات فِیہِ ''اور ''حَیَات لَامَوت فِیھَا '' سے تعبیر کیا ہے جو حضرت کے مجموعہ مقالات بنام ''فتوح الغیب'' میں موجود ہے جس کی مکمل عبارت درج ذیل ہے:

''ضَاقَ بِیَ الْاَمْرُ یَوْمًا فَتَحَرَّکَتِ النَّفْسُ تَحْتَ حَمْلِھَا وَطَلَبَتِ الرَّاحَةَ وَالْمَخْرَجَ وَالْفَرَجَ فَقِیْلَ لِیْ مَاذَا تُرِیْدُ فَقُلْتُ اُرِیْدُ مَوْتًالَا حَیٰوۃَ فِیْھَاوَحَیٰوۃً لَا مَوْتَ فِیْھَا فَقِیْلَ لِیْ مَاالْمَوْتُ الَّذِیْ لَاحَیٰوۃَ فِیْهِ وَمَاالْحَیٰوۃُ الَّتِی لَامَوْتَ فِیْھَا قُلْتُ الْمَوْتُ الَّذِیْ لَاحَیٰوۃَ فِیْهِ مَوْتِیْ عَنْ جِنْسِیْ مِنَ الْخَلْقِ فَلَااَرٰھُمْ فِی الضَّرِّ وَالنَّفْعِ وَمَوْتِیْ عَنْ نَفْسِیْ وَھَوَائِیْ وَاِرَادَتِیْ وَمُنَائِیْ فِیْ دُنْیَایَ وَاٰخِرَتِیْ فَلَااُحْیِیْ فِیْ جَمِیْعِ ذٰلِكَ وَلَااُوْجَدُ وَاَمَّاالْحَیٰوۃُ الَّتِیْ لَامَوْتَ فِیْھَا فَحَیَاتِیْ بِفِعْلِ رَبِّیْ وَ لَاوَجُوْدِیْ فِیْهِ وَالْمَوْتُ فِیْ ذٰلِكَ وَجُوْدِیْ مَعَهٗ فَکَانَتْ ھٰذِهِ الْاِرَادَةُ اَنْفَسَ اِرَادَةٍ اَرَدْتُّھَامُنْذُعَقَلْتُ''(۱)

اِس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ ایک دن کسی کام نے مجھے تنگ کیا پھر نفس اُس کے بوجھ تلے حرکت کرنے لگا اور اُس سے آرام پانے، خلاصی پانے کے ساتھ آسائش کی طرف مائل ہونے لگا پھر مجھ سے کہا گیا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا کہ ایسی موت چاہتا ہوں جس میں حیات نہیں ہے اور ایسی حیات چاہتا ہوں جس میں موت نہیں ہے۔

پھر مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ کون سی موت ہے جس میں حیات نہیں اور وہ کون سی حیات ہے جس میں موت نہیں؟ میں نے کہا وہ موت جس میں حیات نہیں ہے وہ میرا مرنا ہے اپنے ہم جنس یعنی مخلوق سے کہ اُنہیں نفع ونقصان میں نہ دیکھوں اور میرا مرنا ہے اپنے نفس سے، اپنی خواہش سے، اپنے ارادہ سے، اپنی آرزو سے دُنیا سے متعلق اور آخرت

(۱) فتوح الغیب، مقالہ نمبر:64۔

سے متعلق کہ اِن میں سے کسی میں بھی زندہ نہ رہوں اور اِن میں سے کسی ایک میں بھی نہ پایا جاؤں اور وہ حیات جس میں موت نہیں ہے وہ میرا جینا ہے اپنے رب کے فعل سے دراں حال کہ اُس میں میرا وجود نہ ہو اور اپنے رب کے فعل میں مرنا میرا اُس کے ساتھ میری موجودگی ہے پھر میرا یہ ارادہ عمر بھر کے اُن تمام ارادوں سے زیادہ نفیس ثابت ہوا جو ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے کیا ہے۔

حضرت کا یہ کلام فنا فی اللہ کی لذتوں کا جامع مظہر ہے جس میں پہنچ کر انسان کامل اپنی ذات کو ذاتِ الٰہی میں، اپنی صفات کو صفاتِ الٰہی میں اور اپنے افعال کو افعالِ الٰہی میں فنا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اپنی ذات کی تعبیر ذاتِ الٰہی سے اور اپنی صفات کی تعبیر صفاتِ الٰہی سے اور اپنے افعال کی تعبیر افعالِ الٰہی سے کرنے لگتا ہے جو سلوک کے اسفارِ اربعہ میں سے دوسرے سفر یعنی **سفر من الحق الی الحق بالحق** میں گُم ہو جانے کا مقام ہے جس میں خودی نہیں بلکہ سالک کی قوتِ فکری پر بے خودی اور وارفتگی اور اربعہ عناصر کے اِس عالمِ ناسوت سے لاشعوری کا غلبہ ہوتا ہے۔ حضرت منصور حلاج نے اِسی مقام کی بے خودی کے عالم میں کہا تھا؛

اَنْتَ الْمُنَزَّهُ عَنْ نَقْصٍ وَعَنْ شَیْنٍ   حَاشَایَ عَنْ اِثْبَاتِ اِثْنَیْنِ

بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ اِنِّیْ یُنَازِعُنِیْ   فَارْفَعْ بِلُطْفِكَ اِنِّیْ مِنَ الْبَیْنِ (۱)

اِسلام کے اِن مسلمات کو سمجھنے کے بعد پیشِ نظر اعتراض کا جواب آپ ہی آسان ہو جاتا ہے کیوں کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے شیخ اکبر کو جو کتاب دی تھی وہ فُصوص الحکم شریف کی موجودہ شکل اور الفاظ و معانی کا یہی مجموعہ مرکب تھا جس کے معانی و مضامین بھی خود شیخ اکبر کے ہیں اور اُن پر دلالت و تفہیم کے لیے استعمال کیے جانے والے الفاظ بھی شیخ کے اپنے ہیں ترجمہ کا یہاں پر کوئی تصور ہی نہیں ہے چہ جائیکہ حقیقی ترجمہ ہو اِس کے باوجود مصنف کا خود کو مترجم کہنا مجاز اور تشبیہ

(۱) الحکمۃ المتعالیہ فی الاسفار الاربعہ، ج:1، ص:132۔

کے سوااور کچھ نہیں ہے جس سے اُن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جیسا کسی کتاب کا مترجم اُس کا تابع ہوتا ہے اور اُسکے موجِد کے مقاصد کو بمع لوازمات وتقاضوں کے ترجمہ والی زبان کی طرف منتقل کرنے کے سوااور کچھ نہیں کرتا ویسا میں بھی اصل کے اتباع کے سوااور کچھ نہیں چاہتا جبکہ اصل کتاب کے موجد اور اِس کا حقیقی فاعل خداوند متعال جَلَّ جَلَالُہٗ وعَمَّ نوالہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے جیسا فرمایا:

''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ''(۱)

اور اللہ ہی تمہارا اور تمہارے عمل کا خالق ہے۔

اِن کے علاوہ یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کا مفہوم ہرجگہ میں ''اِبْدَالُ الْفَاظِ الْاَصْلِ بِاَلْفَاظِ اللِّسَانِ الْآخَرِ الَّتِی تَقُوْمُ مَقَامَهَا'' کے نہیں ہوتا بلکہ یہ اِس کا صرف عرفی مفہوم ہے جو عرفِ عام میں مشہور ومتعارف ہے جبکہ حقیقت میں اِس کے اور بھی متعدد معانی پائے جاتے ہیں اور جو لفظ عرفی مفہوم میں مشہور ہو ضروری نہیں ہے کہ وہ ہرجگہ اُسی مفہوم میں مستعمل ہو بلکہ کبھی لُغوی مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر ایسا ہی ہے کہ ''پیغام رسانی'' کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اِس کی مکمل تفصیل اِس طرح ہے کہ عربی زبان کا یہ لفظ علم تصریف کے مطابق رباعی مجرد یعنی باب ''فَعْلَلَةٌ'' سے درج ذیل معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے؛

❶ کسی چیز کی حقیقت بتانے اور اصلیت ظاہر کرنے کے لیے، جیسا المقامات الحریریہ میں ہے:

''وَاَحِلُّ مُتَرْجَمَةُ''(۲)

❷ کسی کے کوائف اور سوانح بیان کرنا جیسا کہا جاتا ہے (ترجمۃ الشیخین، ترجمۃ الخلفاء الراشدین، ترجمہ امام ابوحنیفہ یا ترجمہ خواجہ معین الدین حسن)

❸ کسی مسئلہ یا کسی بھی صورت علمیہ کو خاص عنوان دینا جیسا امام بخاری نے صحیح البخاری میں اپنی سوچ کے مطابق ہر مسئلہ کو خاص عنوان سے تعبیر کیا ہے جو بخاری کے تراجم ابواب کے

---

(۱) الصافات:96۔

(۲) المقامات الحريرية،نمبر:41،مطبوعه دارالطباعة المكيه سوريا۔

نام سے مشہور ہیں جو مفرد بھی ہوتے ہیں اور متعدد چیزوں سے مرکب بھی بہر حال یہ سب کے سب ترجمۃ الباب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں جن کی حقیقت عنوان یا تعیین عنوان سے مختلف نہیں ہیں۔

❹ کسی ایک زبان کے کلام کا مفہوم و منطوق دوسری زبان والوں کو اُن کی زبان میں شفاہۃً و مواجہۃً ادا کرنا یہ کبھی ایک طرف سے ہوتا ہے اور کبھی دونوں طرف سے فعل کے طور پر اس کا استعمال چاہے ماضی میں ہو جیسا کہا جاتا ہے "تَرْجَمَ لَهُ الْكَلَامَ" یا مستقبل میں جیسا کہا جاتا ہے "يُتَرْجِمُ لَهُ الْكَلَامَ" یا اِسم فاعل کی صورت میں جیسا کہا جاتا ہے "فُلَانٌ مُتَرْجِمٌ" بہر تقدیر ایسا کردار انجام دینے والے شخص کے لیے غالب استعمال میں ترجمان ہی کہا جاتا ہے جو اِسم فاعل یعنی ترجمانی کرنے والے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ عمدۃ القاری شرح بخاری شریف میں اِس کی تفہیم کرتے ہوئے لکھا ہے؛

"اَلتَّرْجُمَانُ هُوَ الْمُعَبِّرُ عَنْ لُغَةٍ بِلُغَةٍ"(۱)

بخاری شریف کی حدیث ہرقل میں ہے: "دَعَا بِتَرْجُمَانِهِ"

اِس کے بعد ہے: "فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ"(۲)

❺ کسی فن یا کسی کلام کی تشریح و توضیح کرنا اسی کے مطابق الافصاح فی فقہہ اللغۃ میں لکھا ہے:

"تَرْجَمَ فُلَانٌ كَلَامَهُ إِذَا أَوْضَحَهُ وَبَيَّنَهُ"(۳)

یہی چیز المصباح المنیر میں بھی ترتیب کی تغییر کے ساتھ اِس طرح لکھی ہے:

(۱) عینی علی البخاری، ج:1، ص:85، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

(۲) بخاری باب کیف کان بدء الوحی، ج:1، ص:2۔

(۳) الافصاح فی فقھہ اللغۃ، مادہ (ت، ر، ج، م)۔

''وَتَرجَمَ فُلَانٌ كَلَامَهُ اِذَابَيَّنَهُ وَاَوْضَحَهُ''(١)

اور اِسی کے مطابق میر باقر داماد کو ترجمان المنطق کہا جاتا ہے کہ اُس نے منطق کی دورِ متاخرین میں سب سے زیادہ اور نمایاں تشریح کی ہے۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تعالٰی عَنهُمَا کو ترجمان القرآن کہنا بھی اسی بنیاد پر ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر و توضیح کرنے میں فائق تھے۔ اُن کے ہم عصر صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ان سے متعلق فرمایا:

''نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ ابْنُ عَبَّاسٍ''(٢)

❻ کسی بھی کتاب کا دیباچہ اور ابتدائی حصہ جسے فاتحۃ الکتاب بھی کہا جاتا ہے۔ المنجد میں لکھا ہے:

''تَرْجَمَةُ الْكِتٰبِ فَاتِحَتُهُ''(٣)

❼ پیغام رسانی، جس کے مطابق ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو تراجمۃ اللہ کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کا کلام و پیغام اور اُس کی تعلیمات عام بندوں کو پہنچاتے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر محی ابن عربی نے لکھا ہے:

''ثُمَّ قَالَ عَنْهُ التَّرَاجِمَةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِي بَابِ الشَّفَاعَةِ''(٤)

حضرت علی المرتضٰی نور اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

''رَسُوْلُكَ تَرْجُمَانُ عَقْلِكَ وَكِتَابُكَ اَبْلَغُ مَا يَنْطِقُ عَنْكَ''(٥)

---

(١) المصباح المنیر، مادہ:(ت،ر،ج،م)۔

(٢) التبحیر فی علم التفسیر للامام السیوطی، ص: 335، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور پاکستان۔

(٣) المنجد، مادہ:(ت،ر،ج،م)۔

(٤) الفتوحات المکیہ، ج:4، ص:7، مطبوعہ دار صادر بیروت۔

(٥) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر:301۔

حضرت شیخ اکبر کی اس پیشِ نظر عبارت "مُتَرجِماً لا مُتَحکِّماً" میں ترجمہ کا یہی آخر الذکر مفہوم "پیغام پہنچانا" متعین ہے لہٰذا مذکورہ اشتباہ کا قطعاً کوئی مصرف نہیں رہتا۔ اِس کے مطابق عبارۃ "حَتّٰی اَکُوْنَ مُتَرجِماً لا مُتَحکِّماً" سے حضرت شیخ کا مقصد یہ ہوگا کہ اِس کتاب کے مضامین و حِکَم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل پر القا ہوئے ہیں میں اِن کے مطابق الفاظ استعمال کرنے سے سوا کچھ اور نہیں چاہتا اور یہ تب ہی ممکن ہوگا جب اول سے آخر تک عصمتِ الٰہی میرے شامل حال ہو۔

باقی رہا یہ تصور کہ جب کتاب اِن کی اپنی لکھی ہوئی ہے، اعیان ثابتہ کی حصہ ہے اور قضا و قدر کے ماتحت ہے تو پھر تقدیر کے دوسرے معاملات کی طرح اپنے وقت پر ظاہر ہونا ہی تھا۔ ایسے میں اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کی طرف سے انہیں حکم دینا اور ﴿هٰذَا كِتٰبُ فُصُوْصِ الْحِكَمِ خُذْهُ وَاخْرُجْ بِهٖ اِلَى النَّاسِ﴾ کے فرمان صادر کرنے کا کیا فلسفہ ہو سکتا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر الٰہی کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:۔ معلّق یعنی کسی شرط کے ساتھ مشروط اور کسی خارجی عمل پر موقوف۔

دوسری قسم:۔ مبرم یعنی یکطرفہ فیصلہ۔

حضرت شیخ اکبر کے ہاتھ سے وجود میں آنے والی اِس کتاب کا تعلق تقدیر کی پہلی قسم کے ساتھ تھا جس کے مطابق اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کی طرف سے ملنے والا یہ حکم بھی تقدیر کا حصہ ہے یعنی تقدیر میں ایسا ہی تھا اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کے ہاتھ سے حضرت شیخ اکبر کو ملنے میں کتاب کی عظمت کا بھی اظہار ہے کہ اِسے لکھنے میں سید عالم ﷺ کا حکم شامل ہے۔

خطبہ کے تیسرے حصہ کے الفاظ "لِيَتَحَقَّقَ مَنْ يَقِفُ عَلَيْهِ مِنْ اَهْلِ اللّٰهِ وَ اَصْحَابِ الْقُلُوْبِ" سے لے کر لفظ "يَدْخُلُهَا التَّلْبِيْسُ" تک کا حاصل مضمون بھی بمع چند مندرجات کے قابل توضیح ہے جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ لفظ "تحقق" کبھی لازم استعمال ہوتا

ہے کبھی متعدی لازم ہونے کی صورت میں ثبوت کے معنی میں ہوتا ہے اور متعدی ہونے کی صورت میں، اطمینان کرنے تسلی کرنے اور یقین کرنے جیسے کسی بھی مناسب مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں پر بھی یقین کرنے کے مفہوم میں ہے۔ لفظ ''یَقِفُ'' جو وقوف سے ہے اور وقوف کا مشہور معنی اگرچہ ٹھہرنے کے ہیں تاہم آگاہ اور مطلع ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں پر بھی اِسی مفہوم میں متعیّن ہے، لفظ ''اَھْلَ اللّٰہ'' سالکین راہِ طریقت کے تمام کاملین کو شامل ہے جو سفرِ سلوک کے مختلف اَسفار کے چاروں طبقوں کو محیط ہے جن کو صوفیاء کرام وعُرفاء اسلام کی زبان میں اَسفار اربعہ کہا جاتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ترتیب سے ہیں:

1. **سفر من الخلق الی الحق** کہلاتا ہے، اِس کے پھر دو حصے ہیں:

پہلے حصہ کو سیر اَنفُسی کہتے ہیں یعنی اپنی ذات سے فکری سفر کا آغاز کیا جاتا ہے۔ جس میں سب سے پہلے سالکِ اپنی ذات اور اپنی تخلیق سے متعلق قوتِ فکری کو استعمال کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں، کس طرح وجود میں آیا ہوں، میرے ظاہر و باطن اور عقل وحواس جیسے اجزاء بدن میں سے ہر ایک کی جدا جدا کیفیت، ایک دوسرے سے مختلف کام اور مختلف نعمت وکمال کا یہ نظام کس طرح وجود میں آیا، اِس کی ابتداء کیسی اور انتہا کیسی اور اِسے وجود میں لانے والا کون ہے، اُس کے لیے کون کون سی صفات کا ہونا ضروری ہے اور کن کن باتوں سے پاک ومقدس اور مُنزّہ ہونا ضروری ہے اور اُس کے ساتھ میرا رابطہ اور تعلق ونسبت کیا ہے اور اِس نسبت کا پاس رکھنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہئے اور کس طرح زندگی گزارنا چاہئے؟

دوسرا حصہ سَیرِ آفاقی ہے، جس میں سالک اپنے مخصوص وجود سے خارجی دُنیا ''زمین و آسمان وما بینہما اور اُن سے متعلق خلائق'' پر غور کرتا ہے جو اُسے خالقِ کی پہچان، اُس کے لاشریک وجود کے احساس اور اُس کے جملہ اوصافِ کمالیہ پر یقین تک پہنچاتا ہے۔

سَیرِ من الخلق الی الخالق کے اِس سفرِ فکری سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ''(۱)

ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپس میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بیشک وہ حق ہے کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

نیز فرمایا: ''اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ''(۲)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لیکر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اُتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہے۔

اِس کے پس منظر کی اہمیت سے متعلق اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا:

''وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيْهَا''(۳)

فکری سفر اور سیر الی اللہ کی اِس قسم یعنی **سفر من الخلق الی الحق** کی اہمیت اور ہر مکلّف پر لازم ہونے سے متعلق حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فرمایا:

''اَوَّلُ مَا يَنْظُرُ الْعَاقِلُ فِيْ صِفَةِ نَفْسِهٖ وَتَرْكِيْبِهٖ ثُمَّ فِيْ جَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ

(۱) فصلت:53۔

(۲) البقرۃ:164۔

(۳) تفسیر روح المعانی، ج:2، ص: 33۔

وَالْمُبْدَعَاتِ فَيَسْتَدِلُّ بِذٰلِكَ عَلٰى خَالِقِهَا وَمُبْدِعِهَا لِاَنَّ فِي الصَّنْعَةِ دَلَالَةً عَلَى الصَّانِعِ وَفِي الْقُدْرَةِ الْمُحْكَمَةِ اٰيَةً عَلَى الْفَاعِلِ الْحَكِيْمِ فَاِنَّ الْاَشْيَاءَ كُلَّهَا مَوْجُوْدَةٌ بِهٖ''(۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر عاقل و بالغ پر سب سے پہلے جو لازم ہے وہ یہ ہے کہ خود اپنی جان سے متعلقہ احوال اور اُس کی ترکیبی اجزاء پر غور کرے اس کے بعد دوسری خلائق اور قدرت کی عجیب و غریب پیدائش پر غور کرے تاکہ اِس کے ذریعہ اِن سب کے خالق اور پیدا کرنے والی ذات پر استدلال کر سکے کیوں کہ صفت میں اُس کے صانع پر دلالت ہے اور محکم قدرت حکمت والے فاعل کی علامت ہے اِس لیے کہ دنیا بھر کی تمام اشیاء کا وجود درحقیقت اُسی ایک فاعل و صانع وحدہ لاشریک کے وجود سے مربوط ہے وہ ہے تو یہ سب کچھ ہے اگر وہ نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں ہے۔

قرآن و سنت کے مذکورہ نُصوص سے پیشروانِ اسلام نے جو مطلب اخذ کیا اُس کی نشان دہی کے لیے حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ کلام کافی و شافی ہے جسے تسلیم کرتے ہوئے اُن کے بعد والے جملہ اہلُ اللہ اور تمام کاملینِ اُمت نے راہِ سلوک کے اِس ابتدائی سفر یعنی **سفر من الخلق الی الحق** کے دونوں حصوں سے واحد مقصد وصول الی اللہ بتایا ہے جو ''فنافی اللہ'' ہونے کا ابتدائی مرحلہ ہے اور یہاں پر وصول الی اللہ کی وہ صورت ہرگز ممکن نہیں ہے جو کسی مخلوق تک وصول کی ہوتی ہے کیوں کہ مخلوق تک وصول کی صورت معقول یا محسوس ہوتی ہے جبکہ یہاں پر معقولیت ہے نہ محسوسیت بلکہ طریقت کے سالک کا واصلِ الی اللہ ہونے کی صورت اور اُس ماوراء العقل والحواس وحدہ لاشریک کی پہچان کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کی مندرجہ ذیل پانچ قسمیں:

پہلی قسم:۔ معرفت ذات اللہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے، اَزلی و ابدی ہے اور جملہ خلائق کے

(۱) فتوح الغیب، مقالہ:74۔

تنہا خالق و مالک اور مربّی وحاجت رواہے، نفع ونقصان کا علی الاطلاق مالک ومُتصرِّف اور سب کی طرف سے استحقاقِ عبادت کا حقدار اور وحدہ لاشریک ہے۔

دوسری قسم:۔ معرفتہ افعال اللہ ہے کہ اِس جہاں میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اُس کا خالق اور اُسے وجود میں لانے والی ذات اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی اور نہیں ہے یہ سب کچھ اُس کے ارادہ، اُس کے قضاوقدر اُس کے علم اور اُس کے حکم تکوینی کے مطابق ہو رہا ہے جبکہ انسانوں کے اچھے اعمال سے متعلق اُس کے امرِ شرعی اور امرِ تکوینی دونوں متعلق ہیں اور ارادہِ بھی مع الرضا ہے اِس کے برعکس انسانوں کے ناپسندیدہ اور بُرے اعمال چاہے قوتِ فکری سے متعلق ہو یا قوتِ عملی سے اِن کے ساتھ صرف امرِ تکوینی متعلق ہوتا ہے امر شرعی کا تصور یہیں پر ممکن نہیں ہے۔

تیسری قسم:۔ معرفت صفات اللہ ہے کہ وہ اُلوہیت کے لیے لازم جملہ اوصاف کمالیہ سے متصف ہے، اُس کی شان کے لائق کسی بھی صفت کا اُس سے تخلّف ممکن نہیں بلکہ اوصاف جلالیہ سے لے کر اوصاف اکرامیہ تک اور اوصاف حقیقیہ محضہ سے لے کر اوصاف حقیقہ ذات اضافت تک اور اوصاف ذاتیہ سے لیکر اوصاف فعلیہ تک سب کے ساتھ اُس وحدہ لاشریک کا متصف ہونا اَزلی وابدی ہے قدیم وضروری ہے جس میں حدوث ممکن ہے نہ کسی قسم کا تغیّر۔

نیز اِن کے ساتھ ارادہ مع الرضا ہرگز نہیں بلکہ ارادہ مع الکراہت متعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے جتنے افعال بھی وجود میں آرہے ہیں وہ کبھی مخلوق کے دخلِ عمل سے اور انسانوں کے کسب واختیار کے بعد وجود میں آتے ہیں اور کبھی کسی کے کسب اور دخلِ عمل کے بغیر مافوق العادۃ انداز پر وجود میں آتے ہیں۔ بہر حال اِس جہاں میں جو فعل، جو عمل اور جو کچھ بھی وجود میں آرہا ہے اُس کے پیچھے قدرتِ الٰہی کا کرشمہ کارفرما ہے جس کے بغیر کوئی ذرّہ بھی وجود میں نہیں آسکتا، کوئی پتا بھی نہیں ہل سکتا، کوئی پُھول دیکھنے کو مل سکتا ہے نہ کوئی کانٹا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ''(۱)

اور اللہ ہی تمہارا اور تمہارے عمل کا خالق ہے۔

نیز فرمایا:''وَمَاتَشَآءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ''(۲)

تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ رب العلمین چاہے۔

جس کے مطابق جملہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ:

''مَاشَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ''

چوتھی قسم:۔ معرفتِ اسماء اللہ ہے کہ اُس وحدہ لاشریک کے لیے جتنے بھی آسماء ہیں اُن سب کی تاثیر بھی اُس کی ذات ماوراء العقل والحس ہونے کی طرح ماوراء العقل والحس ہے، سب اُس کی پہچان کی دلیل وعلامات ہیں اور سب باکمال ہیں اور اِن تمام اسمآء کو اسمآء الحسنٰی اِس لیے کہتے ہیں کہ اِن کی باطنی تاثیر اپنے مظاہر کی استعداد اور اُن کے فطری تقاضوں کے مطابق ہے یعنی جس اِسم کا مظہر جیسی استعداد رکھتا ہے اسم بھی اُس کے مطابق اثر کرتا ہے گویا انہیں حسین اور آسماء الحسنٰی نام سے موسوم ہونے کا مفہوم حُسن بمعنی ملائم الطبع ہونے پر ہے۔

نیز اِن مرکزی اسماء الحُسنٰی میں سے ہر ایک کے ماتحت بقدر لاتُعد ولاتحصٰی اسماء جو پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب اپنے جملہ مظاہر ومتعلقات یعنی خلائق کو لے کر اپنے اپنے دائرہ میں مصروف کار ہیں اور ہر اسم اپنے دائرہ کار سے مربوط خلائق کے مُربّی ہے اور مُربّی و مربٰی۔ نیز ظاہر ومظہر کا یہ سارا نظامِ قدرت اُس ایک ذات وحدہ لاشریک کا مظہر ہے۔

پانچویں قسم:۔ معرفۃ احکام اللہ ہے اِس حوالہ سے یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے احکام بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں:

---

(۱) الصافات:96۔

(۲) التکویر:29۔

ایک وہ ہیں جن کو شرعی احکام کہا جاتا ہے چاہے انسانوں کی قوتِ فکری سے متعلق ہو یا قوتِ عمل سے۔ قوتِ فکری سے متعلقہ احکام کو اُصول دین اور عقائد کہا جاتا ہے، عام اِس سے کہ قطعی ویقینی ہو یا ظنی۔ نیز ضرورتِ دینیہ کے قبیل سے ہو یا ضروریاتِ مذہبیہ کے قبیل سے یا ان دونوں سے برعکس محتاجِ دلیل ونظری ہو۔

جبکہ قوت عملی سے متعلقہ احکام فروع دین اور احکام فرعیہ، احکام عملیہ اور احکام فقہیہ جیسے ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جن کی گیارہ قسمیں ہے؛

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سُنّتِ مؤکدہ (۴) سُنّتِ عادیہ (۵) مستحب (۶) حرام (۷) مکروہ تحریم (۸) اِسائت (۹) مکروہ تنزیہ (۱۰) خلافِ اولیٰ (۱۱) مباح

شریعتِ مُقدسہ کے اِن احکام کی پہچان سے اصل مقصد اِس کے مطابق عمل کرنا ہے کہ سالِک کی عملی زندگی اِس کے مطابق ہو جائے، گویا شرعی اِحکام کے علم سے مقصد اُن کے مطابق عمل کرنا ہے اور عمل کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ظاہری، باطنی۔

ظاہری عمل کی پھر تین قسمیں ہیں:

(۱) سیاست مدنی۔ (۲) تدبیر منزل۔ (۳) تہذیب الاخلاق۔

باطنی عمل کی دس قسمیں ہیں، جن کو اہل اللہ کی زبان میں منازل عشرہ سلوک کہا جاتا ہے جن کی ترتیب اِس طرح ہے: توبہ، زُہد، فقر، صبر، شکر، توکل، خوف، رَجاء، حُبّ، رَضا۔

جن میں سے اوّل الذکر یعنی توبہ بمنزلہ بنیاد ہے، عمارت کھڑی کرنے کے لیے جس کی اہمیت کی بناء پر بعض کاملین نے اِسے عمارت کی بنیاد کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے بغیر عمارت کھڑی کرنے کا تصور ہی ممکن نہیں ہوتا جبکہ بعض نے زمین کے ساتھ تشبیہ دی ہے فصل کاشت کرنے کے لیے۔ انجامِ کار منزلِ توبہ پر استوار ہونے والے باقی تمام منازل اور اُن کے ثمرات ایسے ہیں جیسا زمین کی پوری پیداوار اور اُس کے منافع وفوائد یا عمارت اور اُس کی زیبائش وفوائد۔

مکتب صوفیاء کی خصوصیت:۔

اَسفارِ اربعہ جو الٰہیات کے حوالہ سے قوتِ فکری کی مخصوص حرکات سے عبارت ہیں کے لیے عمل کو ناگزیر قرار دیتے ہیں جس کے مطابق ہر فکری سفر کے تقاضوں کو عمل کے لیے دائرہ کار بنایا جاتا ہے، گویا مکتبِ صوفیاء حدیث نبوی ﷺ ''مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ'' کی عملی تجربہ گاہ ہے جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ سیر الی اللہ یعنی **سَفَر مِن الخلق الی الخالق** جو سلوک کے اَسفارِ اربعہ میں سے پہلے سَفَر ہے چاہے سیر اَنفُسی ہو یا سیر آفاقی بہر حال عمل اُسے لازم ہے یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ قوتِ فکری کی توجہ الی الانفس والآفاق کے نتیجہ میں جو علم وعقیدہ حاصل ہو رہا ہے وہ علم برائے علم یا سَفَر برائے سفر ہے بلکہ صوفی مکتب میں اُس کے مطابق عمل لازم ہے اور یہ بھی ہے کہ صوفیاء کرام کے مکتب عرفان میں ظاہری عمل کی درستگی اصلاح باطن کے بغیر ممکن نہیں ہوتی کیوں کہ ظاہری عمل کا تعلق ظاہری جوارح اور زبان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ ظاہری جوارح بمع زبان دل کے تابع ہوتے ہیں جو باطن و پوشیدہ چیز ہے جس کے متعلق اللہ کے حبیب سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا:

''اِذَاصَلحَتْ صَلحَ الجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَالْجَسَدُ كُلُّهُ''(۱)

وہ درست ہو ظاہری جوارح کے تمام عمل درست ہوتے ہیں اور اُس کے فاسد ہونے کی صورت میں ظاہری جسم کے تمام عمل فاسد ہوتے ہیں۔

اِسی فلسفہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بزرگانِ دین اور صوفیاء کاملین نے اصلاحِ باطن کی طرف زیادہ توجہ دی ہے اور نصابِ تربیت کے طور پر سلوک کے مذکورہ منازلِ عشرہ کو مرتب فرمایا جن پر عمل کرنے والوں کو اہل اللہ کہا جاتا ہے جو فُصوص الحکم شریف کی مذکورہ عبارت ''مَن يَقِفُ عَلَيْهِ مِنْ اَهْلِ اللّٰه'' سے مراد ہیں۔ سلوک کے اسفارِ اربعہ میں سے پہلا سفر یعنی **سَفر من الخلق الی الخالق** کی جو جھلک ہم نے پیش کی اِس سے مندرجہ ذیل حقائق واضح ہوجاتے ہیں:

---

(۱) مشکوۃ شریف، کتاب البیوع، فصل اول، باب الکسب وطلب الحلال۔

❶ سلوک کے بغیر کوئی شخص اہل اللہ کہلانے کے قابل نہیں ہوتا۔

❷ اہل اللہ پر حسب استعداد معارف کے جو دریچے کُھل جاتے ہیں وہ سلوک کے مرہونِ منت ہیں۔

❸ سلوک کے بغیر وُصول الی اللہ کا تصور نہیں ہے۔

❹ وُصول الی اللہ سے مراد مذکورہ علوم خمسہ کی دست آوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے، جن میں سے احکام کا علم وعمل وسیلہ ہے اَسماء اللہ کے علم تک رسائی پانے کے لیے اور آسماء اللہ کا علم زینہ وذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کے اَفعال کے علم تک رسائی پانے کے لیے اور اَفعال اللہ کا علم ذریعہ ہے اللہ کے اوصاف کے علم تک پہنچنے کے لیے جبکہ صِفات کا علم وسیلہ ہے اُن کے موصوف وحدہ لاشریک کی معرفت پانے کے لیے جس کی کوئی حد ہے نہ نہایت۔

❺ اِن عُلوم خمسہ میں سے ہر مافوق اپنے ماتحت کے مقابلہ میں مشکل ہے۔

❻ سلوک کے اَسفارِ اربعہ میں سَفرِ اول یعنی سفرِ من الخلق الی الحق کی اہمیت سب سے زیادہ ہے کیوں کہ یہ باقی تینوں کے لیے بمنزلہ بنیاد ہے عمارت کے لیے۔

نیز اِس میں سالکینِ اُمت کے لیے از اوّل تا آخر رہنما ومُرشِد کی ضرورت ہوتی ہے جب تک ہم جنس مربّی ومُرشِد کی رہنمائی میسر نہ ہو اُس وقت تک اِس راہ کی مسافرت اختیار کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے جبکہ اِسے کامیابی کے ساتھ طے کرنے کے بعد دوسرے، تیسرے اور چوتھے سَفر میں کسی ہم جنس رہنما ومرشد کی ضرورت باقی نہیں رہتی جبکہ راہِ سلوک کے اِس اوّلین سفر کا زیادہ اہمیت کے حامل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اِس کے لیے اصل محرّک جذبہ ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

❶ جذب قبل السلوک ❷ جذب بعد السلوک

جذب قبل السلوک:۔ ایسا ہی ہے جیسا مشہور مثال "قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا" میں بُزدلی کی پہلے سے موجودگی جنگ سے پیچھے رہ جانے کے لیے باعث بن گئی ہے۔

اِسی طرح جذب قبل السلوک میں سالکین راہِ طریقت کے اندر پہلے سے موجود جذبہ اِس راہ کے مسافر بننے کے لیے باعث بن رہا ہے۔

جذب بعد السلوک:۔ ایسا ہے جیسا علم نحو کی کتابوں میں مذکور مشہور مثال ''ضَرَبْتُهٗ تَاْدِیْبًا'' میں ضرب پر مرتب ہونے والے اَدَب کا حصول ضرب کے لیے علّت غائی بن رہا ہے۔ جبکہ اسفار اربعہ کی باقی تینوں قسموں میں ایسا نہیں ہوتا جیسا اِس کے بعد مذکور ہونے والی تفصیل سے عنقریب واضح ہو جائے گا۔(اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی)

4 ہماری اِس تحقیق سے سفرِ اول کے مفہوم کی وسعت بھی واضح ہوگئی کہ یہ سلوک کی مندرجہ ذیل چاروں قسموں کو شامل ہے، بخلاف باقی اسفار ثلاثہ کے کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

سلوک کی چار قسمیں مندرجہ ذیل ہیں:

سلوک بعد الجذب:۔ جس میں سالک کے اندر پیدائشی طور پر پہلے سے موجود جذب الی اللہ اُسے میدانِ سلوک کا مسافر بنا دیتا ہے یہ رُتبہ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ بعض اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے جنہیں صوفیاء کاملین اور عرفاء اسلام کی زبان میں مرادُ اللہ اور محبوبُ اللہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

سلوک قبل الجذب:۔ جس میں سلوک کے مراتب جوں جوں طے ہوتے جاتے ہیں دھیمی رفتار کے ساتھ جذب اِلی اللہ کا وجود بھی پیدا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وُصول اِلی اللہ کی سعادت حاصل ہونے کے ساتھ ہی جذب بھی اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے جس کے بعد مجذوب سالک اور سالک مجذوب میں بظاہر کوئی تفریق نظر نہیں آتی حقیقت میں اگرچہ بہت فرق ہے یہ اکثر اولیاء اللہ کا رُتبہ ہے جن کے علم وعمل اور اخلاص ومساعی کو قبول فرما کر اللہ تعالیٰ نے انہیں اِس کمال سے نوازا ہے۔(وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ)

صوفیاء کاملین اور عرفاء اسلام کی زبان میں سالکین راہِ طریقت کے اِس مقدّس طبقہ کو

مُحِبّ اور مُرید جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ تائب، زاہد، فقیر، صابر، شاکر، متوکّل اور خائف وراجی جیسے اوصاف دونوں طبقوں میں مشترک ہیں۔

سلوک للجذب المطلق:۔ جس میں جذبہ کی پہلے سے موجودگی یا بعد السُّلوک پیدا ہونے کی قطعاً کوئی تخصیص نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک ممکن ہے۔ مجذوب سالک اور سالک مجذوب سے اِس کی تفریق صرف جانب وُصول میں ہوسکتی ہے کہ وصول اِلی اللہ کے بعد جذب اُسے پوری دُنیا ومافیہا سے کاٹ کر رکھ دیتا ہے، اپنی ذات کو ذاتِ الٰہی میں اور اپنی صفات کو اُس کی صفات میں اور اپنے اَفعال کو اُس کے افعال میں فنا کر دیتا ہے، فناء الذات فی الذات کو عُرفاء اسلام اور صوفیاء کاملین کی زبان میں لفظ ''سِرّ'' سے اور فناء الصفات فی الصفات وفنا الافعال فی الافعال کو لفظ ''خفی'' سے اور اِس فنائیت سے فنا وغافل ہو کر ذاتاً، وصفاً، فعلاً اُسی وحدہ لاشریک کی بے مثل ذات میں محو ہونے کو لفظ ''اخفٰی'' سے اور کبھی لفظ ''اختفاء'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

گویا سفرِ اول میں کامیاب ہونا اِس کے لیے محویت کا سبب بنتا ہے اور محویت وفنائیت کے اِس حال میں دوسرا سفر شروع کر دیتا ہے جسے عُرفاء اسلام اور صوفیاء کاملین کی زبان میں ''**سفر من الحق الی الحق بالحق، سفر من الخالق الی الخالق بالخالق، سفر من الحق فی الحق بالحق**'' جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ اسفار اربعہ میں سے دوسرا سفر ہے جس میں فناء فی اللہ کے رُتبے پر فائز اِس سالک کا عالَم ناسوت کی طرف یعنی اربعہ عناصر کی اِس دُنیا کی طرف توجہ قطعاً نہیں ہوتی بلکہ اِس جہاں کے ہر معقول ومحسوس میں اور ہر کُلّی وجُزی اور ہر کُل وجزو میں ذاتِ الٰہی کا تصور کرتا ہے۔ اِسی طرح بندوں کے جملہ افعال میں اللہ کا فعل دیکھتا ہے، سنتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ اِسی طرح بندوں کی جملہ صفات کو بھی اللہ تعالیٰ کی صفت کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتا جو اس کی اپنی ذات وصفات وافعال کی بالترتیب اُس وحدہ لاشریک کی ذات وصفات اور افعال میں فنائیت کا لازمی نتیجہ ہے یہ وہ مقام ہے جس میں پہنچ کر سُلطان بایزید بسطامی نے

''سُبْحَانِی مَااَعْظَم شَانِی'' کہا تھا۔ اور حضرت منصور حلاج نے کہا تھا۔

اَنْتَ الْمُنَزَّہُ عَنْ نَقْصٍ وَعَنْ شَیْنٍ　　حَاشَایَ حَاشَایَ عَنْ اِثْبَاتِ اثْنَیْنِ

بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ اِنِّیْ یُنَازِعُنِیْ　　فَارْفَعْ بِلُطْفِکَ اِنِّیْ مِنَ الْبَیْنِ (۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ تو ہر نقصان اور ہر عیب سے پاک ہے، میری طرف سے اجتناب و اجتناب ہے دو وجود کا عقیدہ رکھنے سے، میرے اور تیرے مابین میری اِنسیّت (مخلوقیت) میرے ساتھ جھگڑتی ہے، تو اپنے کرم سے میری اِنسیّت کو بیچ میں سے اُٹھا دے۔

سالکین کے اِس طبقہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اِن ماوراء العقل والحس اور ماوراء الشرع باتوں کو شریعت کا حصہ نہ سمجھا جائے اور اِن حضرات کو بے سلوک مجذوبوں کے حکم میں رکھا جائے، جو سلوک سے ماوراء ہوتے ہیں، انہیں پیرومرشد نہ بنایا جائے اور ان سے انکار بھی نہ کیا جائے کیوں کہ یہ اہل اللہ کا وہ طبقہ ہے جس کا لطیفہ سِرّ، خفی، اَخفا قدرتِ الٰہی کے ایسے رُموز واسرار ہیں کہ اُن کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہے، اِس باب میں قولِ فیصل یہ ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَالَاتَعْلَمُ اَللّٰہُ اَعْلَمُ'' (۲)

سلوک بدون الجذب:۔ سلوک کی یہ قسم سالکین کے اُس طبقہ کے ساتھ خاص ہے جو کسی خاص مرشد اور کامل رہنما کے بغیر محض عقل کی رہنمائی میں سَفرِ سلوک اختیار کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ الٰہیات کے حوالہ سے عقل کبھی مصیب ہوتی ہے کبھی مخطی۔ نیز یہ کہ عقل کی رہنمائی میں ہونے والا یہ سُلوک صرف محسوسات و معقولات اور شرعیات تک محدود ہے جبکہ مذکور الصدر تینوں کا دائرہ کار اِس سے زیادہ وسیع ہے کیوں کہ وہ فطریات اور وجدانیات اور کچھ رُموز واسرار کو بھی شامل ہیں۔

---

(۱) الاسفار الاربعہ، ج:1، ص:132۔

(۲) عمدة القاری علی البخاری، ج:7، ص:28، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت۔

نیز اِس سُلوک کے لیے باعث و محرّک شرعی احکام کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے راہِ سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ پہلے تینوں طبقوں میں شرعی احکام کے ساتھ جذبہ بھی محرّک ہے چاہے جس نوعیت کا بھی ہو۔

نیز سالکین کے اِس طبقہ کے نزدیک سُلوکِ فرضی اور سُلوک نفلی کی کوئی تفریق نہیں ہے بلکہ شرعی احکام پر عمل کے لیے بھی اور اُن کی دلائل کی حیثیت کو سمجھنے کے لیے بھی عقل سے رہنمائی لینے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جبکہ پہلے تینوں طبقوں کے نزدیک سلوک کی فرضی اور نفلی حیثیتوں کی تفریق ضروری ہوتی ہے جس کے مطابق فرضی سُلوک سب کے لیے ضروری ہے ورنہ گناہ گار رہوں گے جبکہ نفلی سُلوک صرف اصحابِ جذب پر لازم ہوتا ہے چاہے اِس کا وجود بالفعل ہو یا بالقوۃ جو ہزاروں اور لاکھوں میں اِکاّ دُکاّ ہوتے ہیں پھر اِن میں بھی مسندِ ارشاد کے مناسب بہت کم ہوتے ہیں جنہیں انسانیت کا جوہر اور فخرِ آدم و بنی آدم کہا جائے تو بے مصرف نہ ہوگا۔

یہ وہ حضرات ہیں جو اسفار اربعہ میں سے پہلا سفر کامیابی کے ساتھ طے کر کے وصول اِلی اللہ کی سعادت پانے کے بعد تیسرا یا چوتھا سفر شروع کر لیتے ہیں۔ جو اپنی ذات کو ذاتِ الٰہی میں، اپنی صفات کو صفات الٰہی میں اور اپنے افعال کو افعال الٰہی میں فنا کر کے فنا فی الذات والصفات والافعال کہلانے کے بعد دوسرے سَفر یعنی **سفر من الحق الی الحق بالحق** میں بے خود ہونے کے بجائے خودی میں ہوتے ہیں اور اِس دوسرے سَفر میں بند ہونے کے بجائے خودی کے عالم میں تیسرا یا چوتھا سفر شروع کر دیتے ہیں جس کے بعد مُدت العمر اِسی سفر کے مسافر رہتے ہیں۔ تیسرے سفر کو عرفاء اسلام اور صوفیاء کاملین کی زبان میں **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جبکہ چوتھے سفر کو **سفر من الخلق الی الخلق بالحق** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اور تیسرا سَفر ولایت کا خاصہ ہے جبکہ چوتھا سَفر نبوّت و رسالت کا خاصہ ہے اِن دونوں سے مقصد

خلقِ خُدا کو تبلیغ کرنا ہے، دُنیائے انسانیت کو ترغیب وترہیب کرنا ہے اور بندوں کی اصلاح احوال کرنا ہے۔ انسانوں کی اصلاح احوال کرنے کے اِس مقصد میں تیسرے اور چوتھے سَفَر کے یہ طبقے ایک دوسرے سے جدا ہیں کیوں کہ تیسرے سفر کے یہ مسافر جو اولیاءِ کاملین و مُکمّلین ہوتے ہیں کہ خود بھی کامل ہیں اور دوسروں کو بھی کامل کرنے والے ہیں اِن کی تبلیغ و تعلیم اور تربیت انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی اتباع میں ہوتی ہے کیوں کہ یہ اُن کے نائبین اور ورثاء ہوتے ہیں۔ جبکہ چوتھے سفر کے یہ مسافر انبیاء و مرسلین ہوتے ہیں۔ نیز انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰت والتسلیم بندوں کی اصلاح احوال کے حوالہ سے شرعی احکام کی حدود میں محدود ہوتے ہیں جبکہ اولیاءِ کاملین کے طبقہ میں بعض حضرات ذاتِ الٰہی، صفاتِ الٰہی اور افعالِ الٰہی کے کچھ رُموز و اسرار سے بھی انکشاف کرتے ہیں۔

اہل اللہ کے اِن مقدس و معظم اور مکرم طبقات کے حوالہ سے **خلاصة الكلام بعد التحقيق** یہ کہ تیسرا سَفر یعنی **سَفر من الحق الى الخلق بالحق** اور چوتھا سفر یعنی **سَفر من الخلق الى الخلق بالحق** کے دونوں طبقے عام انسانوں کو رُشد و ہدایت پہنچانے کے ذمہ دار ہیں، بے راہ و بے اعتدال بندوں کو راہِ اعتدال دکھانے اور صراطِ مستقیم کی طرف بلانے پر مامور ہیں جبکہ عام لوگوں پر اِن کی اتباع لازم ہے، اِن کی تقلید ضروری ہے اور اِن کی دعوت پر لبیک کہنا، اِن کے حلقہ ارادت میں آنا اور اِن کا دامن تھامنا کامیابی کی ضمانت ہے۔ اِن کے حلقہ ارادت میں آنے والے سعادت مندوں میں سے جو جتنا زیادہ اِن کے قریب ہوتا ہے اور اِن سے تربیت کا فیض پاتا ہے اُسی تناسب سے دوسروں کے لیے بھی رہنما و مربّی بن جاتا ہے بخلاف اُن دو طبقوں کے جو اول سفر یعنی **سَفر من الخلق الى الحق** تمام کرنے کے بعد دوسرے سفر یعنی **سَفر من الحق الى الحق بالحق** کے مشاہداتِ غیبیہ میں گم ہو جاتے ہیں اور ذاتِ الٰہی کے رُموز و اسرار سے لے کر اوصاف و افعالِ الٰہی کے رُموز و اسرار میں محو ہو جاتے ہیں اور فنافی الذات والاوصاف والافعال ہونے کی بنا پر اپنی ذات کی تعبیر ذاتِ الٰہی سے، اپنی صفات کی تعبیر صفاتِ الٰہی سے اور اپنے افعال کی تعبیر افعالِ الٰہی سے کر کے حدودِ شرعیہ کی گرفت میں آ جاتے ہیں جس وجہ سے یہ حضرات عنداللہ

وعندالرسول درست اور حق بجانب ہونے کے باوجود اِس پوزیشن میں نہیں ہوتے کہ دوسروں کے لیے رہنما و مربّی بن سکیں کیوں کہ شریعت کے ظاہری احکام سے ماوراء اِفاضہ کی اجازت ہوسکتی ہے نہ ارادت کی جو شریعت مقدسہ کی بالادستی کا مظہر ہے جس کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عُرفاء اسلام اور صوفیاء کاملین نے فرمایا:

''عِلْمُنَاهٰذَامُقَيَّدٌ بِالْكِتٰبِ وَالسُّنَّةِ''(۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اِفاضہ واستفاضہ اور ارشاد وارادت سے متعلق ہمارا علم کتاب وسنت کی قید میں مقید ہے۔

اِسی طرح سُلوک بے جذب کا طبقہ بھی اِس پوزیشن میں نہیں ہوتا کہ دوسروں کے لیے رہنما و مربّی بن سکے اِس لیے کہ سُلوک کے اولین سفر یعنی **سفر من الخلق الی الحق** میں سالک کی رہنمائی وتربیت کا منصب انسانی عقل کو نہیں بلکہ اولیاء اللہ اور انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مختص ہے جیسا پچھلے صفحات میں ہم واضح کر چکے ہیں جبکہ بے جذب سُلوک کے اِس طبقہ میں محض عقل کی رہنمائی ہوتی ہے اور عقل اِس راہ میں پیش آنے والے ماوراء العقل والحواس حالات کے اِدراک سے قاصر ہے۔ ایسے میں اِن کا اپنا سفر خطرہ میں ہوتا ہے اور وصول الی اللہ یقینی نہیں ہوتا، تو پھر دوسروں کے لیے رہنما و مُرشِد بننے کی صلاحیت کہاں سے آئے گی جبکہ سَفرِ اول کے جملہ مراحل میں از اول تا آخر یعنی وصول اِلی اللہ کی دولت بالفعل حاصل ہونے تک کامل رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جس وجہ سے مُرشِد ورہنما کی واجبی شرائط میں سے ایک اہم شرط اُس کے روحانی کنکشن کا اِتصال بھی ہے کہ وہ اپنے شیخ ومُرشِد اور رہنما و مربّی کے ساتھ جملہ شرائطِ اِتصال کے مطابق متصل السند ہو اور دوسروں کی رہنمائی وتربیت کے لیے اجازت یافتہ بھی ہو اور وہ بھی اپنے شیخ ومربّی کے ساتھ ایسی ہی نسبتِ اتصال واجازت رکھتا ہو علیٰ ہٰذا القیاس الامام الاعظم للسالکین، قدوۃ الکاملین، اُسوۃ المکمّلین، مُرشِد کلِ الواصلین الی رب العلمین علی المرتضیٰ نور اللہ

(۱) الرسالۃ القشیریۃ، ص:20، مبطوعہ مصفی البابی مصر۔

وجہہ الانور تک پہنچتا ہو جبکہ حضرت کی ولایت عامہ، شاملہ، کاملہ ومحیطہ کا سید الانبیاء والمرسلین سید عالم ﷺ کی رسالتِ عامہ، شاملہ، کاملہ ومحیطہ کے ساتھ اتصال اظہر من الشّمس ہے۔

سالکین طریقت کے رہنما و مُرشد کے حوالہ سے حقیقت کی اِس روشنی میں سالکین کی رہنمائی اور تربیت کا منصب نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کے کامل ورثاء کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے جبکہ کامل وارث وہی ہوسکتے ہیں۔ جو ظاہر و باطن میں کمال اتباع رکھتے ہو اور ظاہری و باطنی اتباع نبوی ﷺ میں کمال رکھنے والے اولیاء اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے تو پھر منصب ارشاد و تربیت اور روحانی رہنمائی کرنے کے قابل بھی اِن حضرات کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ لیکن افسوس کہ ناقص مشائخ اور جعل ساز پیروں کی وجہ سے روحانی تربیت کا یہ عظیم سلسلہ آج کل نسیاً منسیا ہو چکا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اِس حوالہ سے اچھے خاصے اہل علم بھی اصلی ونقلی کی تمیز کرنے سے قاصر ہیں تو پھر عوامی بھیڑ چال کا شکوہ ہی کیا ہے۔ (فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی)

چند حقائق کا ظہور:۔

ہماری اِس تحقیق سے مندرجہ ذیل حقائق آپ ہی ظاہر ہو رہے ہیں:

1. بے علم اور بے عرفان شخص ولی اللہ ہوسکتا ہے نہ مسند ارشاد کے لیے اہل۔
2. بے عمل و بے سلوک شخص کو روحانی رہبر و مرشد بنانا جائز نہیں۔
3. بے علم و بے عرفان شخص کو روحانی رہنما و مرشد بنانے والا شخص اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے اُس پر واجب ہے کہ جلد از جلد اُس بے عرفان جاہل سے جان چھوڑا کر کسی عالم باعمل اور صاحب عرفان کی صحبت اختیار کرے تاکہ مقصد سلوک کی دست آوری ہوسکے۔
4. جو لوگ کسی بے عرفان و بے شرائط کو سلوک کے لیے رہنما و مرشد بنانے کی غلطی کرنے کے بعد اُسی پر قائم و دائم رہتے ہیں وہ سلوک سے محروم رہتے ہیں اور مدۃ العمر جاہل وخطا کار رہتے ہیں اور جہلِ مرکب کے زندان کے اسیر ہوتے ہیں۔

۵ سلوک کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:۔ سلوک تقویٰ ہے جو بلا تخصیص تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہے جس کے لیے رہنما و مرشد کوئی بھی عالم باعمل ہوسکتا ہے، مذہبی کتاب اور مذہبی ماحول بھی ہوسکتا ہے۔ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے اپنی کتاب کشف المحجوب کو جو رہنما و مرشد کہا ہے وہ بھی اسی اعتبار سے ہے اسی طرح حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اپنی ایک کتاب ''مواقع النجوم'' کو جو رہنما و مرشد کہا ہے اُس کا پسِ منظر بھی اِس کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور بعض بزرگانِ دین نے جو فرمایا ہے کہ جس کا پیر نہ ہو اُس کا پیر شیطان ہوتا ہے اِس سے مراد بھی ایسا ہی پیر و مرشد ہے جو سلوکِ تقویٰ کے لیے ضروری ہوتا ہے ورنہ سلوک احسان نہ سب پر لازم ہے اور نہ سُلوک احسان کے مسافر نہ ہونے والے گناہ گار معصیت اور مرید شیطان قرار پائیں گے جس کا تصور ہی اسلام میں نہیں ہے کیوں کہ الٰہیات و عرفانیات کے حوالہ سے مسلمانوں کے معروضی حالات سے ظاہر ہے کہ سُلوکِ احسان کی سعادت پانے والے لاکھوں کروڑوں میں اِکا دُکا حضرات ہوتے ہیں جو حسب المراتب اہل اللہ کہلاتے ہیں۔

دوسری قسم:۔ سلوکِ احسان ہے جس کا رُتبہ پہلی قسم کی تکمیل کے بعد ہے جو سلوک کے اَسفار اربعہ سے عبارت ہے۔ جس کے سَفر اول کے آغاز سے لے کر انتہا یعنی وصول الی اللہ تک مُتّصِل السند کامل و مکمِّل رہنما و مرشد کی دستگیری ضروری ہے جو منصب ارشاد کی جملہ شرائط کے جامع ہو سلوک کی یہ قسم ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے سوا کسی اور پر لازم نہیں ہوتی بلکہ استحباب و استحسان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

۶ تصوف و عرفان کی زبان میں ہر سالک اسفار اربعہ کا مسافر نہیں ہوتا جبکہ اسفار اربعہ کا ہر مسافر حسب المراتب سالک ہوتا ہے چاہے جس انداز سے بھی ہو۔

۷ تقاضائے وقت کے مطابق سلوک تقویٰ کے جملہ لوازمات کی تکمیل کے بعد سُلوک احسان اختیار کرنے والے سب یکساں نہیں ہوتے بلکہ اُن میں ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین

علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر فرض ولازم ہوتا ہے جبکہ دوسرے اہل اللہ یعنی اولیاء کاملین کے لیے نفلی عبادت کے درجہ میں ہوتا ہے جو حدیث قدسی "**لَا یَزَالُ العَبد یَتقَرَّب اِلَیَّ بِالنَّوَافِل**"(۱) کا مظہر ہے۔

❽ اسفار اربعہ میں سے اول **سفر جو سفر من الخلق الی الحق** ہے تمام سالکین میں قدرِ مشترک اور سب کے لیے ناگزیر ہے جس کے بغیر سُلوکِ احسان کے وجود کا تصور ہی ممکن نہیں ہے جبکہ دوسرا سَفر جو **سفر من الحق الی الحق بالحق** ہے یہ اولیاء اللہ کے اُس طبقہ کے ساتھ خاص ہے جو سَفر اول کی تکمیل اور وُصول الی اللہ کی سعادت پانے کے بعد فنا فی الذات والصفات والافعال ہوتے ہیں اور مُدۃ العمر **سفر من الحق الی الحق بالحق** کے عجائبات میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ عالَم ناسوت یعنی اربعہ عناصر کے اِس جہاں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے یہاں تک کہ خلائق کی جملہ ذوات میں ذاتِ الٰہی اور جملہ صفات میں صفات الٰہی اور جملہ افعال، اقوال واعمال میں بالترتیب ذاتِ الٰہی، صفاتِ الٰہی اور افعال الٰہی اُنہیں نظر آتے ہیں جس وجہ سے اثنینیت اور دوئی وجود کا تصور ہی نہیں کر سکتے ہیں۔ اہل اللہ کے اِس طبقہ سے برعکس تیسرا سَفر یعنی **سفر من الحق الی الخلق بالحق** روحانی مسافروں کے اُس طبقہ کے ساتھ خاص ہے جو سفر اول کی تکمیل کر کے وُصول الی اللہ کے رُتبے پر فائز ہو جانے کے بعد دوسرے سفر یعنی **سفر من الحق الی الحق بالحق** میں محو ہونے کے بجائے انسانوں کے رُشد وہدایت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اِن میں جذب قبل السلوک والے وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ نوازنا ہوتا ہے اِس سَفر میں مختلف طبقات کے انسانوں کے ساتھ تبلیغی تجربہ، تمرین اور عملی ممارست وتجربہ حاصل ہونے کے بعد چوتھا سفر یعنی **سفر من الخلق الی الخلق بالحق** کا آغاز کر لیتے ہیں جو اِن ہی کے ساتھ مختص ہے گویا نبوت کی وحی کا آنا، اعلان نبوت کرنا نبی کی صفت نبوت کا اُن کی

(۱) جامع الصغیر مع فیض القدیر، ج:2، ص:241۔

صفت ولایت پر غالب ہونا اور چوتھے سفر کا آغاز کرنا ایک حقیقت کے مختلف انداز ہیں۔

خلاصۃ البحث:۔ فصوص الحکم شریف کے الفاظ "مِنْ اَهْلِ اللّٰهِ" شریعتِ مقدسہ کے ظاہری حصہ کے مطابق سلوک کی دونوں قسموں کو شامل ہے یعنی سلوکِ تقویٰ کا شرف پانے والوں کو بھی شامل ہے اور سلوکِ تقویٰ کے بعد سلوک احسان کی طرف ترقی پانے والوں کو بھی شامل ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ" (۱)

بے شک اللہ متقیوں اور محسنوں کے ساتھ ہے۔

جبکہ یہ آیت کریمہ دونوں طبقوں کی تحسین اور اُن کے مدح کے طور پر نازل ہوئی ہے جس کے مطابق اِن دونوں کو اہل اللہ ہونا لازم ہے ورنہ مدح وتحسین کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا جس کی روشنی میں ہر دو طبقوں کو اہل اللہ کہا جا سکتا ہے جبکہ صوفیاء کاملین اور عرفاء اسلام کا اندازِ بیان اِس حوالہ سے مختلف ہے کہ وہ سلوکِ تقویٰ کو سُلوک احسان کے لیے بمنزلہ شرط یا بمنزلہ بنیاد قرار دیتے ہیں جس کے بغیر سلوکِ احسان کا تصور ممکن نہیں ہے اِن حضرات کے نزدیک اِس کی ایسی مثال ہے جیسے منزلِ توبہ دوسری تمام منازل سُلوک کے لیے بمنزلہ زمین ہے فصل کاشت کرنے کے لیے اِس لیے وہ کہتے ہیں کہ سُلوک تقویٰ کی فرضیت پانے والے ہر متقی کے لیے نہ سُلوکِ اِحسان کا مسافر ہونا ضروری ہے نہ ذات اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور اسماء اللہ سے متعلق رُموز واسرار پر مطلع ہونا بلکہ سلوکِ تقویٰ کے بعد سلوک احسان کا شرف پانے والے ہی اِس رُتبے پر فائز ہو کر اہل اللہ کہلانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ نہ صرف عرفاء اسلام کے زمرہ میں شامل ہیں بلکہ اِس زمرہ کے عظیم طبقہ میں شمار ہوتے ہیں جس کے مطابق ان کے مذکورہ الفاظ "مِنْ اِهْلِ اللّٰهِ" سے مراد بھی یہی خواص ہیں جو سُلوک تقویٰ کی سعادت پانے کے بعد سلوک احسان کے مسافر ہوتے ہیں۔

---

(۱) النحل:128۔

اہل اللہ کے مظہر کے حوالہ سے اِس تحقیق کے بعد فصوص الحکم شریف کے الفاظ ''اَصْحَابُ الْقُلُوْب'' بھی محتاج توضیح ہیں۔ اِس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ نحوی اور بلاغی اعتبار سے یہ اپنے ماقبل یعنی ''اَهْلُ اللّٰه'' سے بدل ہے اور کلام سے اصل مقصد چوں کہ بدل ہوتا ہے جس کی روشنی میں یہاں پر بھی ''اہل اللہ'' سے مقصد یہی ''اَصْحَاب قُلُوْب'' ہی ہوں گے اور لفظ ''قلوب'' قلب کی جمع ہے جس سے مراد اس کے لُغوی مفہوم نہیں بلکہ شرعی مفہوم ہے جو انسانی روح کی اُس حیثیت سے عبارت ہے جس میں وہ ہر وقت اور ہر لحظہ خالق کے ساتھ بھی مربوط رہتی ہے مخلوق کے ساتھ بھی۔ اِس کی مکمل تحقیق کتاب کے ابتدائی حصہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُنَزِّلِ الْحِكَمِ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَلِمِ'' کی تشریح میں گزر چکی ہے۔ قارئین کے لیے ضروری ہے کہ کتاب کے اِس مقام کو سمجھنے کے لیے اُس کی طرف رجوع کریں۔ (وَاللّٰهُ الْهَادِیْ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ)

سُلوکِ خاص کے اَسفارِ اربعہ سے متعلق ایک **ضروری وضاحت** یہ ہے کہ سُلوک چاہے فرضی ہو یا نفلی بہر تقدیر شریعتِ مقدسہ کے مطابق علم و عمل میں محنت و مشقت کرنے سے عبارۃ ہے جس میں اخلاص ضروری ہے یعنی علم و عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے، اُس کی منشاء اور اُس کی رضا کے لیے ہو جس میں نفسِ اَمّارہ جیسے کسی بھی شیطان کو دخل نہ ہو اِس کے بعد سالک کے اسفارِ اَربعہ کا اولین اور بلا واسطہ تعلق قوتِ فکری کے ساتھ ہوتا ہے کہ اپنی ذات اور اُس کی پیدائش اور اُس کے ظاہر و باطن میں جو عجائباتِ قدرت پائے جاتے ہیں اُن پر غور و فکر کرے تا کہ اس کے بنانے والی ذات وحدہ لاشریک کی معرفت کا راستہ کُھل جائے جسے اہل اللہ اصحاب قلوب کی زبان میں سیرِ انفسی کہتے ہیں، اِس میں حتی المقدور صاحب عرفان ہونے کے بعد اپنے گرو وپیش الاقرب فالاقرب کے فطری اُصول کے مطابق دوسری خلائق کے وجود و کمالات پر غور و فکر کیا جاتا ہے جو سالک کی اِستعداد کے مطابق کم سے کم بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے یہاں تک کہ جملہ خلائق علوی و سفلی کے رُموز و اسرار تک بھی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے جو مُلک سے لے کر ملکوت تک سب کو محیط ہوتی ہے۔ الغرض سالکِ طریقت کے اسفارِ اربعہ میں سے اولین سَفَر کا دائرہ

کار سیرِ انفسی سے شروع ہوکر سیرِ آفاقی تک محدود رہتا ہے جس کے متعلق حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہے:

''اَوَّلُ مَا یَنْظُرُ الْعَاقِلُ فِیْ صِفَةِ نَفْسِہٖ وَتَرْکِیْبِہٖ ثُمَّ فِیْ جَمِیْعِ الْمُخْلُوْقَاتِ وَالْمُبْدَعَاتِ فَیَسْتَدِلُّ بِذٰلِكَ عَلٰی خَالِقِھَا وَمُبْدِعِھَا لِاَنَّ فِی الصُّنْعِ دَلَالَةً عَلَی الصَّانِعِ وَفِی الْقُدْرَةِ الْمُحْکَمَةِ آیَةً عَلَی الْفَاعِلِ الْحَکِیْمِ فَاِنَّ الْاَشْیَاءَ کُلَّھَا مَوْجُوْدَةٌ بِہٖ وَفِیْ مَعْنَاہُ مَا ذُکِرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا فِیْ تَفْسِیْرِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی ''وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ'' فَقَالَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَآئِہٖ وَاسْمُ کُلِّ شَیْءٍ مِّنْ اِسْمِہٖ فَاِنَّمَا اَنْتَ بَیْنَ اَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَاَفْعَالِہٖ بَاطِنًا بِقُدْرَتِہٖ ظَاھِرًا بِحِکْمَتِہٖ ظَھَرَ بِصِفَاتِہٖ وَبَطَنَ بِذَاتِہٖ حَجَبَ الذَّاتَ بِالصِّفَاتِ وَحَجَبَ الصِّفَاتِ بِالْاَفْعَالِ وَکَشَفَ الْعِلْمَ بِالْاِرَادَةِ وَاَظْھَرَ الْاِرَادَةَ بِالْحَرَکَاتِ وَاَخْفَی الصُّنْعَ وَالصَّنِیْعَةَ وَاَظْھَرَ الصَّنْعَةَ بِالْاِرَادَةِ فَھُوَ بَاطِنٌ فِیْ غَیْبِہٖ وَظَاھِرٌ فِیْ حِکْمَتِہٖ وَقُدْرَتِہٖ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ وَلَقَدْ اَظْھَرَ فِیْ ھٰذَا الْکَلَامِ مِنْ اَسْرَارِ الْمَعْرِفَةِ مَالَا یَظْھَرُ اِلَّا مِنْ مِشْکٰوةٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَمْرُہٗ بِرَفْعِ یَدِ الْعِصْمَةِ بِالْاِبْتِھَالِ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْلَ اَنَالَنَا اللّٰہُ بَرَکَاتِھِمْ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِھِمْ بِحُرْمَتِھِمْ'' (۱)

حضرت پیران پیر کے اِس مقالہ کی تفہیم سے پہلے اِس میں مذکور کچھ مفردات کی تشریح ضروری سمجھتا ہوں:

1. صَنعت کسی بھی عمل سے عبارت ہے جبکہ صُنع پختہ کاری سے عبارت ہے مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے:

''اَلصُّنْعُ اِجَادَةُ الْفِعْلِ فَکُلُّ صُنْعٍ فِعْلٌ وَلَیْسَ کُلُّ فِعْلٍ صُنْعًا''

(۱) فتوح الغیب، مقالہ نمبر:74، ص:502، مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلکیشنز لاہور۔

۲ لفظ ''صنیع'' اور ''صَنِیعَة'' کسی بھی مَصنُوع سے عبارت ہے۔

۳ ''لِاَنَّ فِی الصُّنعِ دَلَالَةً عَلَی الصَّانِعِ'' میں لفظ ''الصُّنع'' مصدر معلوم ہے جبکہ اس کے بعد ''وَفِی الْقُدْرَةِ الْمُحْكَمَةِ آيَةً عَلَى الْفَاعِلِ الْحَكِيمِ'' میں لفظ ''قدرة'' مصدر مجہول اور مبنی للمفعول ہے۔

۴ تمام اشیاء کا وجود اللہ تعالیٰ سے ہونے کا مقصد اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ دُنیا کی ہر شے اَسماء اللہ کے مظاہر ہیں اور ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا خاص اِسم کار فرما ہے۔

۵ ''بَاطِنًا بِقُدْرَتِهٖ ظَاهِرًا بِحِكْمَتِهٖ'' میں یہ دونوں اِسم منصوب حال بعد الحال ہیں ضمیر مجرور مضاف الیہ سے جو ''اَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَاَفْعَالِهٖ'' میں مذکور ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اور حال کا یہ انداز آیت کریمہ ''ملت ابراہیم حنیفا'' کے انداز پر ہے جس کی تفصیل اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جس کے مطابق پوری عبارت ''فَاِنَّمَا اَنْتَ بَيْنَ اَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَاَفْعَالِهٖ بَاطِنًا بِقُدْرَتِهٖ ظَاهِرًا بِحِكْمَتِهٖ'' کا محصل مفہوم اور توضیحی عبارت یوں ہوگی ''فَاِنَّمَا اَنْتَ تُوجَدُ بَيْنَ اَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَاَفْعَالِهٖ حَالَ كَوْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى بَاطِنًا عَنْ حَوَاسِكَ بِسَبَبِ قُدْرَتِهٖ ظَاهِرًا لِحَوَاسِكَ بِسَبَبِ حِكْمَتِهٖ''

۶ ''ظَهَرَ بِصِفَاتِهٖ'' سے مقصد انسان کے وجود میں اُس کی صفتِ خالقیت، صفتِ ارادہ اور صفتِ تکوین کا ظہور ہے کہ اِس سے اُس وحدہ لاشریک کی یہ تینوں صفات پہچانی جاتی ہیں کیوں کہ انسان کی شکل میں اگر اللہ تعالیٰ کا یہ شہکار موجود نہ ہوتا تو پھر اُس وحدہ لاشریک کی اِن تینوں صفات کی پہچان بھی انسان کے لیے ممکن نہ ہوتی۔

۷ ''بَطَنَ بِذَاتِهٖ'' سے مراد یہ ہے کہ صفتِ تکوین، صفتِ ارادہ اور صفتِ خالقیت کی پہچان کے بغیر محض ذاتِ الٰہی باطن ہی باطن ہے جس کی پہچان کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔

۸ ''بِالصِّفَاتِ، بِالْاَفْعَالِ'' یہ دونوں بالترتیب حال ہیں ''حَجَبَ'' کے ضمیر مرفوع

متصل مستتر سے جو ذاتِ الٰہی کی طرف راجع ہے اور ظرف مُستقر ہیں جس کے مطابق اِس پوری عبارت کی تقدیر یوں ہوگی ''حَجَبَ الذَّاتَ مُتَلَبِّسًا بِالصِّفَاتِ وَحَجَبَ الصِّفَاتِ مُتَلَبِّسًا بِالْاَفْعَالِ'' اِس کا فلسفہ یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کی رسائی فہم اللہ تعالیٰ کے افعال تک ہوتی ہے کہ جب بھی اپنے پورے ڈھانچہ یا اُس کے کسی بھی جزو پر اِس حیثیت سے توجہ دیتا ہے کہ یہ اُس وحدہ لاشریک کا شہکار ہے اِس میں صُنعتِ الٰہی کا تصور پیدا ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ جزم و یقین تک پہنچ جاتا ہے اِس مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت سمیت جملہ صفات درجہ حجاب میں ہوتے ہیں۔ حضرت پیرانِ پیر کی عبارت ''حَجَبَ الصِّفَاتِ بِالْاَفْعَالِ'' کا تعلق انسانی توجہ کے اِس درجہ کے ساتھ ہے اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے بلکہ مخلوق سے خالق پر استدلال کرنے والے ہر متفکر و مستدِل وِجدانی طور پر اِسے محسوس کرتا ہے یہ الگ بات ہے کہ اِس طرف توجہ نہیں ہوتی جبکہ راہِ سلوک کے پہلے سفر کا آغاز بھی اِسی تصور سے ہوتا ہے جسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت پیرانِ پیر نے بھی اِس مقالہ کی ابتداء میں ''اَوَّلُ مَا یَنْظُرُ الْعَاقِلُ فِیْ صِفَةِ نَفْسِهٖ وَ تَرْکِیْبِهٖ'' کہا ہے جس میں راہِ سلوک کا سفر اختیار کرنے والوں کی رہنمائی ہونے کے ساتھ فطرت کی عکاسی بھی ہے۔(فَجَزَاهُ اللّٰهُ مَا اَکْمَلَهٗ مُعَلِّمًا مَا اَحْسَنَهٗ مُرَبِّیًا)

توجہ کے اِس اولین مرحلہ کے بعد دوسرا مرحلہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ کی طرف توجہ کا آجاتا ہے کہ جس ذات نے انسان کے اِس ڈھانچہ کو اور اِس فلان جزو وکمال کو پیدا کیا ہے اُس کا خالقیت، عالمیت، قادریت اور ارادہ وتکوین جیسی اُن تمام صفات کے ساتھ متصف ہونا ضروری ہے جن کے بغیر فعل کو وجود بخشنا ممکن نہیں ہے، کسی بھی صنیع و پیدائش کا تصور نہیں ہے اور ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' کے مظاہر کا وجود نہیں ہے توجہ فی الصفات کا یہ مرحلہ جو صوفیاء کرام کی زبان میں سیر فی صفات اللہ کہلاتا ہے، سالک کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں اتنا منہمک اور مستغرق کر دیتا ہے کہ اُس کے ساتھ ذات کی طرف توجہ ہی نہیں کر سکتا اور جب تک اِس مرحلہ میں ہوتا ہے

چاہے ایک سیکنڈ ہی کیوں نہ ہو اُس کے حوالہ سے ذاتِ الٰہی صفات کے حجاب میں ہوتی ہے جسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت پیرانِ پیر نے ''حَجَبَ الذَّاتَ بِالصِّفَاتِ'' کا جملہ فرمایا ہے یہاں پر بھی مُصنِّف سے متعلق بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ (مَآ اَکْمَلَهٗ مُبَلِّغًا)۔

سیر فی صفاتِ اللہ کے اِس مرحلہ کے بعد چاہے ایک لحظہ ہی کیوں نہ ہو راہِ طریقت کے سالک کا دل و دماغ ذاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اُس وحدہ لاشریک کو جملہ اوصاف کمالیہ کے ساتھ متصف ہونے پر حق الیقین کے رُتبے پر فائز ہو جانے کے بعد پکار اُٹھتا ہے کہ ''رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا'' (۱) گویا حق الیقین کے رُتبے پر فائز سالکین راہِ طریقت کی مدح میں نازل شدہ یہ آیت کریمہ ذرّہ ذرّہ خلائق کے ساتھ متعلق ہے جو خود نفسِ انسانی سے شروع ہو کر جملہ خلائق علویہ و سفلیہ کو محیط ہے۔ اِس کے علاوہ حضرت پیرانِ پیر کی اِس عبارت کی ترتیب کا کمال یہ ہے کہ اِس میں سالکین کی ذہنی رفتار اور اُس کی فطری ترتیب کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ذاتِ الٰہی کو محض غیب و باطن کہا ہے جو عین حقیقت ہے اِس لیے کہ خلائق کی تخلیق اور صفاتِ کمالیہ سے قطع نظر وہ باطن ہی باطن ہے کہ ظہور کا امکان نہیں اور غیب ہی غیب ہے کہ عیان و مشاہدہ کا امکان نہیں ہے۔ جیسا کہا گیا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و ز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

باقی رہا یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ کی اِن دونوں صفات ''ظاہر و باطن'' کو اِس ترتیب سے ذکر کیا ہے کہ باطن کو یکطرفہ اُس کی قدرت کے ساتھ مربوط کیا ہے جیسا مذکورہ الفاظ ''بَاطِنًا بِقُدْرَتِهٖ'' سے واضح ہے جبکہ ظاہر کو دوبار اُس کی حکمت کے ساتھ مربوط بتانے کے بعد ایک بار قدرت کے ساتھ بھی مربوط بتایا ہے جیسا بالترتیب مذکورہ الفاظ ''ظَاهِرًا بِحِكْمَتِهٖ، وَظَاهِرٌ فِيْ حِكْمَتِهٖ وَقُدْرَتِهٖ'' سے صاف ظاہر ہے۔

---

(۱) آلِ عمران: 191۔

اِس کا فلسفہ یہ ہے کہ جملہ خلائق جو مقدور اللہ ہیں ہر طرف سے قیود میں اور حسب الحال حدود میں مقید و محدود ہیں جبکہ اِن کا خالق وحدہ لاشریک اِن سب پر قادر اور سب کا صانع ہونے کے باوجود کسی بھی قید سے مقید اور کسی بھی حد میں محدود ہونے سے پاک و سبحان ہونے کی بِنا پر ماوراء الحس والعقل ہے، غیب ہے اور باطن ہی باطن ہے اور خاص کر انسان کو اُس کے متعلقہ افعال اختیاریہ پر جو قدرت دی ہے اُس کے مطابق دُنیا کی نگاہ میں وہی ظاہر ہے۔ اِس اعتبار سے ذاتِ الٰہی کے ظہور کا قطعاً کوئی تصور نہیں ہے گویا انسان کو اُس کی شان کے لائق قدرت دے کر خود پردہ غیب میں ہے کہ کسی مقدور میں ظاہر ہوتا ہے نہ کسی قادر میں، کسی کاسب میں نہ کسی مکسوب میں، جس کی پہچان فکری سلوک کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جبکہ اِس کے مقابلہ میں اِسم ظاہر کا تعلق خلائق کی ظاہری صورت کے ساتھ ہے جس وجہ سے خلائق کو اسماء اللہ کے مظاہر کہا جاتا ہے اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ اسمآء اللہ اپنے اِن تمام مظاہر کو ساتھ لے کر ذاتِ الٰہی کے مظہر ہیں اور یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مظہر کو ظاہر لازم ہے جس کے مطابق جملہ خلائق میں ذاتِ الٰہی ظاہر ہے جو اُس وحدہٗ لاشریک کی ذات کے مطابق ہے یعنی جیسا اُس کی ذات کسی قید سے مقید اور کسی حد میں محدود نہیں ہے۔

اِسی طرح اُس کا یہ اِسم ''ظاہر'' اور صفتِ ظہور بھی محسوسات و معقولات کے ظہور کی طرح نہیں ہے کہ معقول و محسوس ہو سکے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ کسی تشبیہ کے بغیر محض افہام و تفہیم کے لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ جیسا آئینہ میں اپنی صورت دیکھنے والے کو اُس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک آئینہ کی ساخت اور اُس کی حدود اربعہ کی طرف توجہ کیے بغیر ہمہ تن اپنی صورت کو نہ دیکھے حالاں کہ صورت کا آئینہ میں ظاہر ہونا امر یقینی ہے اور آئینے کا اُس کے لیے مظہر ہونے میں بھی شک نہیں ہے اِسی طرح اسمآء اللہ کے کسی بھی مظہر اور کسی بھی مخلوق کی ساخت اور اُس کی جغرافیائی حدود و قیود سے ماوراء نہ ہوگا اُس وقت تک اُس میں ظاہر ہونے والی ذات وحدہ لاشریک کو دیکھنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ جبکہ جملہ قیودات و حدودات

سے معرّی وخالی ہونا کسی مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہے تو پھر اُس میں ظاہر ہونے والی ذات وحدہ لاشریک کو دیکھنا اربعہ عناصر کے اِس عالم ناسوت میں کیوں کر ممکن ہو اِسی فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ''(۱)

آنکھیں اُسے احاطہ نہیں کرتی اور وہ سب آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے اور وہی پورا باطن پورا خبردار ہے۔

حالاں کہ وہ ذرّہ ذرّہ خلائق میں ظاہر ہونے کی طرح آنکھوں میں بھی ظاہر ہے اور جملہ خلائق اُس کے مظاہر ہونے کی طرح آنکھیں بھی اُس کے مظاہر ہیں اِس کے باوجود آنکھیں اُس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہیں کیوں کہ یہ اپنی ساخت کی حدود میں محدود اور لاتعداد قیود میں مقید ہیں جبکہ وہ ہر قید وحد سے معرّی وخالی اور مطلق ہے جیسا اِن کا قیود وحدود سے معرّی وخالی ہونا ممکن نہیں ہے ویسا ہی اُس کا کسی قید میں مقید ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ جیسا فرمایا:

''يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ''(۲)

اے جن وانس کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ جہاں نکل کر جاؤ گے اُسی کی سلطنت ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ جس سلطنتِ الٰہی میں جن وانس کو محصور ومقید بتایا گیا ہے، اُس کی حقیقت قیود وحدود کے حصار سے مختلف نہیں ہے۔ حقائق کی اِس روشنی میں اِسم الٰہی ''ظاہر'' کا تعلق جملہ خلائق کی ظاہری صورت کے ساتھ اور اِسم ''باطن'' کا تعلق خلائق کی مقدوریت اور اُن کے کسب واختیار کے ساتھ ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے جسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے پیرانِ پیر نوّر اللہ

(۱) الانعام:103۔

(۲) الرحمن:33۔

مَرْقَدُہُ الشَّرِیْف نے مذکورہ عبارت میں ہر ایک کی کارفرمائی کا انداز بتایا ہے جسے اگر معرفت کا سمندر کہا جائے غلط نہ ہوگا۔

❾ مذکورہ الفاظ ''وَ کَشَفَ الْعِلْمَ بِالْاِرَادَۃِ وَاَظْھَرَ الْاِرَادَۃَ بِالْحَرَکَاتِ'' کہنے میں اِس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جیسا علمِ الٰہی اپنے معلوم کے تابع ہے ویسا ارادۂ الٰہی بھی علمِ الٰہی کے تابع ہے اور خلائق کا وجود میں آنا بھی ارادۂ الٰہی کے تابع ہے یعنی جیسا معلوم کے بغیر علم کا تصور نہیں ہے اِسی طرح علم کے بغیر ارادے کا تصور نہیں ہے اور ارادہ کے بغیر کسی اختیاری فعل کو وجود میں لانا ممکن نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلائق کا وجود میں آنا دلیل ہے ارادۂ الٰہی پر اور ارادۂ الٰہی دلیل ہے علمِ الٰہی پر۔ اور علمِ الٰہی دلیل ہے اِس بات پر کہ جملہ خلائق اربعہ عناصر کے اِس عالمِ ناسوت میں آنے سے پہلے اُس وحدہ لاشریک کے اَزلی علم میں ایسے ہی موجود تھے جیسا اَب ہیں۔

❿ مذکورہ الفاظ ''وَاَخْفَى الصُّنْعَ وَالصَّنِیْعَةَ وَاَظْھَرَ الصَّنْعَةَ بِالْاِرَادَۃِ'' تخلیقِ الٰہی کے اُس حصے سے متعلق ہیں جو مخلوق کے دخلِ عمل اور انسانوں کے کسب پر مرتب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نر و مادہ کا جنسی اختلاط جو اُن کا اختیاری عمل اور کسب کہلاتا ہے جس کے بعد بچہ کا پیدا ہونا تخلیقِ الٰہی ہے جس میں اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے بچہ کبھی پیدا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کا اِسے پیدا کرنا صُنع اللہ کہلاتا ہے اور پیدا ہونے والا بچہ صَنِیع اللہ کہلاتا ہے جبکہ اِس سے پہلے نر و مادہ سے وجود میں آنے والا کسب ''صَنعة'' کہلاتا ہے اور ظہور و خفا کے حوالہ سے اِن دونوں کے تقابل کا عالم یہ ہے کہ ''صُنع'' و ''صنیع'' کو اُس کے اصل خالق وحدہ لاشریک کی طرف منسوب کرنا صیغہ خفا میں ہے جو اصل خالق کی کارفرمائی پر غور و فکر کیے بغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں ''صَنعۃ'' کی طرف ''صنیع'' کی نسبت ظاہر ہے، متعارف ہے اور نا قابلِ خفا ہے۔ یہ سب کچھ اُسی ایک ذات وحدہ لاشریک کی طرف سے مقرر شدہ خود کار نظامِ قدرت کے تحت ہو رہا ہے جسے بدلنا ممکن نہیں ہے جیسا فرمایا:

''لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ''(۱)

نیز فرمایا:''اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَا اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مٰلِکُوْنَ''(۲)

اور کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے چوپائے اُن کے لیے پیدا کیے تو یہ اُن کے مالک ہوتے ہیں۔

حضرت پیرانِ پیر کے اِس مقالہ میں پوشیدہ معارف تک مکمل رسائی پانے کے لیے اِس آیت کریمہ میں پوشیدہ معارف کو جاننا کافی وشافی ہے اللہ تعالیٰ سب کو اِس کی توفیق دے۔الفاظ مفردہ کی اِس تحقیق کے بعد فتوح الغیب شریف کی اِس مجموعی عبارت کا حاصل مفہوم اِس طرح ہے کہ پیرانِ پیر نے اِسے حضرت عبداللہ ابن عباس (رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْھُمَا) کی تفسیر پر بنا کیا ہے جو اُنھوں نے سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 13 ''وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ'' کی تفسیر کے سلسلہ میں اشارہ دیا ہے۔

اصل واقعہ اِس طرح ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے مسئلہ پوچھا کہ: ''خلائق کی پیدائش، کس چیز سے ہوئی ہے؟'' جواب میں اُنھوں نے کہا: ''کہ پانی، نور، ظلمت، ہوا اور مٹی سے''۔ اُس نے پھر سوال کیا کہ ''بعد والے خلائق کی اصل یہ پانچ ٹھہریں تو پھر خود اِن کی پیدائش، کس چیز سے ہوئی ہے؟''

عبداللہ ابن عمرو نے کہا کہ اِس کا جواب مجھے نہیں آتا۔ وہ شخص عبداللہ ابن زبیر (رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْھُمَا) کے پاس جا کر اُن سے بھی بالترتیب وہی سوال کیے جو عبداللہ ابن عمرو سے کیے تھے اُنھوں نے بھی پہلے سوال کا جواب دینے کے ساتھ دوسرے کے جواب سے لاعلمی ظاہر کی تب وہ عبداللہ ابن عباس (رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْھُمَا) کے پاس گیا اور بالترتیب وہی سوال اُن کے سامنے پیش کیے جو حضرت عبداللہ ابن عمرو اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیے تھے۔ حضرت عبداللہ

---

(۱) الروم:30۔

(۲) یٰسٓ:71۔

ابن عباس (رَضِیَ اللّٰہ تعَالٰی عَنْهُمَا) نے پہلے سوال کا وہی جواب دیا جو حضرت عبداللہ ابن عمرو اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا جبکہ دوسرے کے جواب میں سورۃ الجاثیہ کی مذکورہ آیت کریمہ ''جَمِیْعًا مِّنْهُ'' پڑھی کہ یہ پانچ بھی قدرتِ الٰہی کے کرشمے ہیں گویا حضرت عبداللہ ابن عباس (رَضِیَ اللّٰہ تعَالٰی عَنْهُمَا) نے سورۃ الجاثیہ کی اِس آیت کریمہ کو اُس سوال کا جواب قرار دیا جس کا حل سابقہ حضرات سے نہ ہوسکا تھا حضرت عبداللہ ابن عباس کی زبان سے اپنے سوال کا جواب سمجھ کر مطمئن ہونے کے بعد اُس شخص نے کہا:

''مَا کَانَ لِیَأتِیَ بِهٰذَا اِلَّا رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَیْتِ النَّبِیِّ''(۱)

یہ جواب خاندانِ نبوت کے سوا کسی اور شخص سے ممکن نہیں ہے۔

واقعہ کی یہ تفصیل سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 13 سے متعلقہ تمام تفسیروں میں لکھی ہوئی موجود ہے شاذ ونادر کوئی تفسیر اِس سے خالی ہو ورنہ کل مکاتب فکر مفسرین کرام نے اِسی طرح بیان کیا ہے۔ نہ صرف اتنا بلکہ تفسیر کی کتابوں میں وہ آراء بھی مذکور ہیں جو ابن عباس کے اِس جواب سے متعلق اسلاف سے ثابت ہیں جن میں سب سے قوی، سب سے زیادہ منقول اور قابلِ فہم وہ روایت ہے جو ابن جریر طبری نے خود عبداللہ ابن عباس کے حوالہ سے لکھی ہے؛

''یَقُوْلُ کُلُّ شَیْءٍ هُوَ مِنَ اللّٰهِ وَذٰلِکَ الْاِسْم فِیْهِ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَآئِهٖ فَذٰلِکَ جَمِیْعًا مِّنْهُ وَلَا یُنَازِعُهُ فِیْهِ الْمُنَازِعُوْنَ وَاسْتَیْقَنَ اَنَّهُ کَذٰلِکَ''(۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہر شے کے اسم میں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اِسم موجود ہے تو پھر اسماء و مسمّٰی کا یہ مجموعہ عالم سب کے سب اُسی کی طرف سے ہے جس میں اختلاف کرنے والے یہ

(۱) روح المعانی، ج:25، ص:145، مطبوعه داراحیاء التراث العربی بیروت۔

(۲) تفسیر جامع البیان للابن جریر الطبری، ج: 20، ص:143، مطبوعه مکتبه مصطفٰی البابی الحلبی مصر، تحت الآیة المذکورة۔

حق اُس سے چھین نہیں سکتے۔

اِس روایت کی معقولیت کی بِنا پر حضرت پیرانِ پیر نے فتوح الغیب کے اِس مقالہ کو اِسی پر بِنا کیا ہے جو اُس کے لیے شرح کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت پیرانِ پیر کی طرف سے اِس تشریح کے بعد اُن اقوال کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں رہتی جو ابن عباس کے مذکورہ قول کی تشریح کے سلسلہ میں کتابوں میں پائے جاتے ہیں کیوں کہ یہ قابلِ فہم ہونے کے ساتھ عظمتِ شانِ الٰہی کے بھی مطابق ہے اور آیت کریمہ کے آخری حصہ ''اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ''(۱) کے بھی مناسب ہے جس میں خالق ومخلوق کے مابین مناسبت وارتباط کو سمجھ کر اُس کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو نہ صرف مقتضائے توحید بلکہ عین توحید ہے۔ گویا اِس مقالہ میں حضرت پیرانِ پیر نے جو کچھ فرمایا ہے اِسے حضرت عبداللہ ابن عباس کے مذکورہ قول کی تفسیر قرار دیا ہے جس کی بنیاد مذکورہ آیت کریمہ ہے۔

حقائق کی اِس روشنی میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نورِ بصیرت کو دادِ تحسین دیئے بغیر کون رہ سکتا ہے کہ اُنہوں نے فصوص الحکم شریف کے مذکورہ حصہ ''مِنْ اَهْلِ اللّٰهِ اَصْحَابِ الْقُلُوْبِ'' میں طریقت کے اَسفارِ اربعہ میں سے سَفرِ اول کی جس ترتیب کی طرف اشارہ کیا ہے اِس میں وہ منفرد نہیں ہیں بلکہ اُن سے پہلے بزرگوں نے بھی یہی کچھ کہا ہے اور اُن سے بھی پہلے صحابی رسول عبداللہ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا نے بھی یہی کہا ہے کیوں کہ آیت کریمہ کا مفاد بھی یہی کچھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے والد محترم شاہ عبدالرحیم نے بھی فُصوص الحکم شریف کے جملہ مضامین کو قرآن وسُنّت سے ثابت کرنے اور برسرِ منبر بیان کرنے کا فرمایا ہے اُن کی اصل عبارت یوں ہے:

''اگر خواهم فُصوص را بر سر منبر تقریر کنم و جمیع مسائل آں

(۱) الرعد:3۔

را بآیات واحادیث مبرھن سازم وبوجھے بیان نمایم کہ ھیچ کس را شبہ نہ ماند"

ایسے میں فُصوص الحکم شریف کے مذکورہ حصہ کو سلوک کے اَسفار اربعہ کو محیط کہا جائے مبالغہ نہ ہوگا کیوں کہ یہ قرآن وسُنت کے رُموز واسرار کے سوا اور کچھ نہیں ہیں جن تک رسائی صرف اُن حضرات کو نصیب ہوسکتی ہے جو حدیث نبوی ﷺ "مَنْ عَمِلَ بِمَاعَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ" کے مظہر ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر کی اِس عبارت میں جہاں سَفر اول کی ترتیب کی طرف اشارہ ہے کہ اِس کا آغاز دلائل اَنفسی سے ہے وہاں متناہی وغیر متناہی ہونے کے حوالہ سے سلوک کے اَسفار اربعہ کے مابین تفریق بھی معلوم ہو رہی ہے کہ سَفر اول متناہی اور باقی تینوں غیر متناہی ہیں۔

جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ اصحاب قلوب اہل اللہ کا اولین سَفر فکری اور اُس کے مطابق عمل کا آغاز خود اپنے تن وبدن اور اپنے ظاہر وباطن سے ہوتا ہے جس میں حسب الاستعداد کفایت حاصل ہونے کے بعد دوسرا حصہ سیر آفاقی سے شروع ہوتا ہے جس میں حسبِ استعداد کفایت حاصل ہونے کے بعد وصول الی اللہ پر منتج ہوکر سَفر اول اپنے انتہا کو پہنچ جاتا ہے جس وجہ سے فکری سلوک کے اِس سفر یعنی **سَفر من الخلق الی الخالق** کو متناہی کہا جاتا ہے جس کے بعد باقی تینوں یعنی **سفر من الحق الی الحق بالحق** اور **سفر من الحق الی الخلق بالحق** اور **سَفر من الخلق الی الخلق بالحق** میں سے کسی ایک کی بھی نہایت نہیں ہے کیوں کہ سَفر من الحق الی الحق بالحق پر فائز یہ حضرات فنافی اللہ کے رُتبے پر ہونے کی وجہ سے اُن کی قوتِ فکری جملہ خلائق سے بلکہ خود اپنی ذات سے بھی منقطع ہوکر ذاتِ الٰہی میں مستغرق ہوتی ہے اور ذاتِ الٰہی کے انوار و تجلیات اور شئون وکمالات غیر متناہی ہونے کی بنا پر اِس کی بھی نہایت نہیں ہوتی اور سَفر سوم یعنی **سفر من الحق الی الخلق بالحق** جو اصحاب اِرشاد اولیاء اللہ کا رُتبہ ہے اور اُن کی زبان سے خلق خدا کو تبلیغ وارشاد چونکہ احکام اللہ، اسماء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذاتِ الٰہی سے متعلق ہوتا ہے جن کی کوئی نہایت نہیں ہے تو پھر سَفر ارشاد کے متناہی ہونے کا کیا تصور باقی رہتا ہے اور سفر

چہارم جو **من الخلق الی الخلق بالحق** ہے اور ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا رُتبہ ہے یہ بھی دعوت وارشاد سے متعلقات کے غیر متناہی ہونے کی طرح غیر متناہی ہے۔ اِس تفصیل کے ساتھ کہ یہ حضرات جب تک عُنصری حیات کی قید میں ہوتے ہیں اِن کا ارشاد اور اِن کے علوم و معارف کا ایک حصہ اپنے لیے ہوتا ہے اور دوسرا حصہ دوسروں کے لیے جبکہ وفات کے بعد سب کچھ اپنے لیے ہوتا ہے کہ ان کے معارف تزداد یوماً فیوماً ہے۔

خطبہ کے اِس تیسرے حصہ کے آخری الفاظ ''وَاَرْجُوْاَنْ یَکُوْنَ الْحَقّ لِمَاسَمِعَ دُعَائِیْ قَدْاَجَابَ نِدَآئِیْ'' کے پس منظر میں سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی واتباع کا عمل پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے ہر کمال اور ہر فضیلت پر سیدِ عالم ﷺ عجز وانکسار کا اظہار فرماتے تھے اور ہر وقت خوف ورجآء کی صفت سے موصوف رہتے تھے مثال کے طور پر وسیلہ نام کی ایک خاص فضیلت وکمال اور عظمتِ مقام کا ایک رُتبہ ہے جو آخرت میں نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کو ملنا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' (۱) کے مطابق وسیلہ نام کے اِس رُتبے پر نبی الانبیاء والمرسلین ﷺ کا فائز المرام ہونا امرِ یقینی ہے خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اِس پر یقین تھا اور جملہ اہل ایمان کو بھی یقین ہے کیوں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے نا قابلِ تشکیک ہے اور شک وتردّد کا امکان نہیں رکھتا اِس کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے اِس کے ملنے کو یکطرفہ انداز میں نہیں بلکہ اُمید ورجاء کے انداز پر اظہار فرمایا ہے حدیث کے الفاظ ہیں:

''اِذَاسَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوامِثْلَ مَایَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْاعَلَیَّ فَاِنَّهُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ بِهَاعَشْرًاثُمَّ سَلُوااللّٰهَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ فَاِنَّهَامَنْزِلَةٌ فِی الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّالِعَبْدٍمِنْ عِبَادِاللّٰهِ وَاَرْجُوْاَنْ اَکُوْنَ اَنَاهُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ'' (۲)

---

(۱) الاسراء، 79۔

(۲) مسند امام احمد حنبل، ج:2، ص:168۔

جب اذان سُنو تو مؤذن کے الفاظ کی طرح تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو اِس لیے کہ جس نے بھی مجھ پر درود پڑھا اللہ اُسے دس گُنا اجر عطا فرمائے گا پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو کہ وہ جنت میں ایک خاص منزل ہے لائق نہیں ہے مگر اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو اور میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں۔

اِس قسم احادیث کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اُس کریم و مہربان کی طرف سے ملنے والے کسی بھی کمال کے حوالہ سے عجز وانکسار کا اظہار کیا جائے کہ اُس کی خصوصی عنایت کے بغیر بندہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تقاضائے ادب کے اِس اُصول اور سنتِ نبوی ﷺ کی اِس مثال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت شیخ اکبر نے بھی یہاں پر اپنی دُعا کی اِجابت کو اُمید و رجاء کے انداز پر پیش کیا ہے۔ (فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَآءِ)

خطبہ کے چوتھے حصہ کے الفاظ ''وَلَا اُنْزِلُ فِي هٰذَا الْمَسْطُوْرِ اِلَّا مَا يُنَزَّلُ بِهٖ عَلَيَّ'' میں لفظ ''تَنْزِيْل'' اور لفظ ''مَسْطُوْر'' قابلِ توضیح ہیں جن کی بالترتیب تفصیل اِس طرح ہے کہ لفظ ''تَنْزِيْل'' جو نزول سے ہے اور نزول کی دلالت حرکت ہبوطی پر ہوتی ہے یعنی اُوپر سے نیچے آنے پر اور اِس مفہوم میں اِس کا استعمال بعض مواقع پر قابلِ فہم ہوتا ہے جیسا آیت کریمہ ''وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ''(۱) جبکہ بعض مواقع پر عام لوگوں کے لیے نا قابل فہم ہوتا ہے جیسا آیت کریمہ ''وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ''(۲) اِس قسم نا قابلِ فہم مقامات کو قابلِ فہم بنانے کے لیے اسلاف کے طبقہ اہل نظر سے طرح طرح کی تاویلات وتوجیہات منقول ہیں جبکہ طبقہ اہل کشف یعنی وہ ذواتِ قدسیہ جن کی نظر اَعیان ثابتہ پر ہوتی ہے یعنی دُنیا کی پیدائش سے قبل کے حالات پر اُن کے نزدیک یہ بھی پہلی قسم کی طرح قابلِ فہم اور حقیقت پر مبنی ہیں جس کی تفصیل سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل حقائق کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے:

---

(۱) المومنون:18۔

(۲) الحدید:25۔

❶ دُنیا کی پیدائش سے پہلے اِس کی موجودہ حالات جیسے ہیں ویسے ہی حُضور علمی کے طور پر اپنے خالق و مالک وحدہ لاشریک کے حُضور حاضر تھے جس کی تعبیر بعض حضرات نے صُورِ علمیہ سے اور بعض نے مثل افلاطونیہ سے اور بعض نے اعیان ثابتہ جیسے الفاظ سے کی ہیں۔ الغرض تعبیر جو بھی ہو اور جس نام سے بھی اُسے یاد کیا جائے بہر تقدیر اصل سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

❷ اربعہ عناصر کا یہ جہاں جو عالَم ناسوت کہلاتا ہے صُورِ علمیہ کی اُس حقیقت کے ساتھ مربوط ہے جو کائنات کی پیدائش سے قبل اپنے خالق و مالک وحدہ لاشریک کے حُضور حاضر تھی۔

❸ عالَم ناسوت کے اِس جہاں میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے دُنیوی ثمرات ونتائج کے علاوہ باطنی صورت وثمرات اور نتائج بھی عالَم غیب میں وجود پاتے ہیں جسے عالَم ملکوت کہا جاتا ہے جو اِن سب کے اُخروی و باطنی صورتوں پر مشتمل ہونے کے ساتھ صُورِ علمیہ کے حقائق کا بھی مظہر ہے جو عالَمِ ناسوت کے اِس وسیع جہان سے ہزاروں لاکھوں گُنا زیادہ وسیع ہے۔

❹ عالَم ناسوت سے عالَم ملکوت کو منتقل ہونے والے ثمرات ونتائج اور متولد ہونے والی باطنی صورتوں کے مابین مابہ الاشتراک اور سب کی بنیاد ذات وحدہ لاشریک کی غیر متناہی شُئونات وحیثیات جو عالَمِ جبروت کہلاتی ہیں ذوالجہتین ہیں، یعنی جیسا عالَم ناسوت میں مرتب اور تفصیلی انداز سے وجود میں آنے والے اجسام واعراض، اعمال وکسب اور جملہ حرکات و سکنات کے لیے سبب بنتی ہیں ویسا ہی عالَمِ ملکوت میں اِن کی باطنی صورتیں پیدا ہونے اور محفوظ ہونے کے لیے بھی سبب بنتی ہیں اور سببیت کی اول صورت کی موجودگی میں مُسبّب کا تخلف محال ہونے کی طرح دوسری صورت میں بھی محال ہے کیوں کہ سببیت کی یہ دونوں صورتیں علتِ تامہ کی حیثیت رکھتی ہیں جبکہ علت تامہ سے متعلق قضیہ ''یَسْتَحِیْلُ تَخَلُّفُ الْمَعْلُوْلِ عَنْ عَلَّتِه'' امرِ واقعی ہونے کی طرح قضیہ ''یَسْتَحِیْلُ وُجُوْدُالْمَعْلُوْلِ بِدُوْنِ عِلَّتِهٖ'' بھی امرِ یقینی ہے جس کے مطابق اربعہ عناصر کے اِس عالَم ناسوت کے جس عمل کی طرف بھی شانِ

الٰہی من حیث التکوین متوجہ ہوتی ہے اُسی وقت وہ وجود میں آتا ہے جیسا فرمایا:

''وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ''(۱)

نیز فرمایا:''اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ''(۲)

اِسی طرح اربعہ عناصر کے اِس جہاں یعنی عالَم ناسوت میں وجود پانے والے عمل کے باطنی نتائج اور ماوراء العقل والحواس متولد ہونے والی صورتوں کی طرف من حیث التکوین متوجہ ہونے کے ساتھ ہی وہ بھی عالَمِ ملکوت میں موجود ہو کر اُس کے حصے بن جاتی ہیں خاص کر انسانوں کے اعمال کے حوالہ سے جاری وساری اِس عمل میں انقطاع کا تصور نہیں ہے جو آیت کریمہ ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ''(۳) کے مظاہر ہیں۔

خلاصۃ الکلام:۔ عالَمِ جبروت جو شئونات الٰہی من حیث التکوین سے عبارت ہے بیک وقت اعیانِ ثابتہ کے ساتھ مربوط ہوتے ہوئے عالَمِ ناسوت کی تفصیل کے ساتھ بھی مربوط ہے اور عالَمِ ناسوت کے جزئیات وتفصیلات کو اُن کے اوقات مقررہ کے مطابق وجود میں لانے کے لیے علت ہونے کی طرح عالَم ملکوت کے جزئیات وتفصیلات کو وجود میں لانے کے لیے بھی علت ہے اور اعیان ثابتہ، عالَم جبروت، عالَم ملکوت یہ تینوں عالَم غیب اور عالَم عِلوی کہلاتے ہیں جبکہ اِن کے مقابلہ میں عالَم ناسوت کو عالَم مشاہدہ اور عالَم سفلی کہا جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے عالَم غیب میں سے کسی بھی چیز کا عالَم مشاہدہ کی طرف منسوب ہونے کی تعبیر نزول سے کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ''(۱)

(۱) القمر:50۔

(۲) یٰسٓ:82۔

(۳) الرحمن: 29۔

(٤) الحجر:21۔

۵ بشمول انسان جملہ خلائق ارادۂ الٰہی کے ایسے تابع ہیں جیسا انسان کے ہاتھ پیر وغیرہ اس کے ارادہ کے تابع ہوتے ہیں یہاں پر ارادۂ الٰہی سے مراد ارادہ تشریعی نہیں بلکہ ارادہ تکوینی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَمَاتَشَآءُ وْنَ اِلَّآاَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ''(۱)

۶ حضرت شیخ اکبر کے اِس کلام میں مذکور لفظ ''مَسْطُوْرٌ'' اپنے لُغوی مفہوم کے اعتبار سے مشتق ہے سَطر سے جبکہ سطر متعدد چیزوں کو مساوی انداز میں مرتب کرنے سے عبارت ہے اِس سے اشتقاق پا کر استعمال ہونے والے الفاظ چاہے اِسم آلہ ''مِسْطَرٌ'' کی شکل میں ہو یا اِسم فاعل ''سَاطِرٌ'' کی شکل میں یا اِسم مفعول ''مَسْطُوْرٌ'' کی شکل میں بہر تقدیر برابری و ترتیب کے مفہوم سے خالی نہیں ہیں۔ اور کتابت کے مفہوم میں استعمال ہونے کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ مکتوب کے سُطور عام حالات میں برابر اور مرتب ہوتے ہیں اور ایک قطار میں مساوی انداز سے لگائے گئے درختوں اور پودوں کو مسطور کہنے یا کسی بھی صف پر اِس کے اطلاق کرنے کا راز بھی اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ بھی مرتب اور مساوی ہوتے ہیں۔ مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے:

''اَلسَّطْرُ، وَالسَّطْرُ الصَّفُّ مِنَ الْکِتَابَۃِ وَمِنَ الشَّجرِ الْمَغْرُوْسِ وَمِنَ الْقَوْمِ الْوُقُوْفِ''(۲)

۷ کتاب میں مذکور لفظ ''مَسْطُوْرٌ'' بمعنی مکتوب ہے اور اِس کا مظہر اعیان ثابتہ کے اجمال سے عالَم ناسوت کی تفصیل میں آنے والے وہ معارف اور ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی وہ انفرادی خصوصیات ہیں جو فُصوص الحکم میں درج کیے گئے ہیں اور خطبہ ابتدائی ہے جس وجہ سے لفظ ''اَلْمَسْطُوْرٌ'' کا حاصلِ مفہوم ''اَلَّذِی یُسْطَرُ'' میں ہوگا

---

(۱) التکویر:29۔

(۲) مفردات القرآن (مادہ س، ط، ر)۔

اور کتاب میں مذکور لفظ ''بِــهِ'' جو جار و مجرور کا مجموعہ ہے ظرف مستقر ہے اور متعلق ہے متلبسا مقدر کے ساتھ جو حال ہے ''یُنزل'' کے قائم مقام فاعل سے اور وہ عبارت ہے الفاظ سے اور ''بِــهِ'' کے ضمیر مجرور متصل راجع ہے ''مَسْـطُـوْرٌ'' کی طرف محصل عبارت یوں ہوگی ''وَ مَـآ اُنْـزِلُ فِی هٰذَاالَّذِی یُسطَرُاِلَامَایُنزَلُ عَلَیَّ مُتَلَبِّسًا بِهٖ ''یعنی عطیہ نبوی کی شکل میں انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے متعلق جن معارف اور خصوصی کمالات کو یہاں پر لکھ رہا ہوں اُن سے متعلق الفاظ بھی وہی ہیں جو مجھ پر اِلقاء کیے جاتے ہیں گویا فُصوص الحکم کے نام سے الفاظ و معانی کا یہ مجموعہ آیت کریمہ ''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّاعِـنْـدَنَـاخَزَآئِـنُهٗ وَمَانُنَزِّلُهٗ اِلَّابِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ'' (۱) کا مظہر ہے۔

کتاب کے اِس چوتھے حصہ ''وَلَسْتُ بِنَبِیٍّ وَّلَارَسُوْلٍ'' سے لے کر لفظ ''فَوَسِّعُوْا'' تک کے معارف کی تفصیل اِس طرح ہے کہ ''وَلَسْتُ بِنَبِی وَّلَارَسُوْلٍ'' کہہ کر کلام سابق سے اُٹھنے والے وہمہ کا جواب دینے کے ساتھ سلوک میں اپنا مقام و مرتبہ بتادیا ہے کہ اِس سے متصلاً قبل کلام میں جب یہ کہا کہ فُصوص الحکم کے مضامین بھی اور اُن کے اظہار کے لیے الفاظ بھی میری طرف سے نہیں بلکہ یہ سب کچھ مبداء فیاض جل جلالہٗ کی طرف سے مجھ پر القاء ہوئے ہیں تو اِس سے دعوائے نبوت کا وہمہ پیدا ہونے لگا کہ یہ شانِ پیغمبری ہے کہ جو کچھ کہتا ہے القائے ربانی سے کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت نبوۃ سے متعلق فرمایا:

''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰیo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی'' (۲)

حالاں کہ نبوت کا سلسلہ نبی آخر الزمان رحمتِ عالم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ جیسا فرمایا:

''اَنَاخَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَانَبِیَّ بَعْدِی وَلَارَسُوْلَ'' (۳)

---

(۱) الحجر: 21۔

(۲) النجم: 3تا4۔

(۳) ابوداؤد شریف، کتاب الفتن، ج:2، ص:228۔

صحابہ کرام کی جس مبارک جماعت نے اِسے بلا واسطہ سنا ہے اُن کے لیے یہ ایسا ہی قطعی ویقینی ہے جیسا قرآن شریف کی آیت قطعی ویقینی ہے جبکہ بالواسطہ اور واسطہ بعد الواسطہ سننے والے ہمارے جیسوں کے لیے خبر واحد ہونے کی بِنا پر اجماع سے قطع نظر ظنی ہے اور اِس کے مضمون کے ساتھ اُمت کے اجماع کی روشنی میں نہ صرف قطعی ویقینی بن جاتا ہے بلکہ ضروریاتِ دین کے قبیل سے قرار پاتا ہے۔ جس میں توقف کرنے کی گنجائش بھی اسلام میں نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی شخص مدعی نبوت یا خاصہ نبوت کے مدعی ہونے کے بعد مسلمان رہ سکے۔

حضرت شیخ اکبر کے کلامِ سابق ''وَلَا اُنْزِلُ فِیْ هٰذَا الْمَسْطُوْرِ اِلَّا مَا یُنَزَّلُ بِهٖ عَلَیَّ'' سے اِس وہمہ کا پیدا ہونا فطری بات ہے کہ یہ بظاہر سورۃ النجم، آیت نمبر 4 ''اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی'' کی طرح ہے جسے خاصہ نبوت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت شیخ اکبر نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْف نے اِس جملہ ''وَلَسْتُ بِنَبِیٍّ وَلَا رَسُوْلٍ'' میں اِس کا واضح جواب دیا کہ میں خاصہ نبوت کے دعویٰ کرنے یا اُس مقام پر فائز ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اِس لیے کہ ختم النبوۃ کا قطعی ویقینی عقیدہ جو ضرورتِ دینی کی حد تک مشہور ہے اِس قسم کے جملہ راہوں کو مسدود و ممنوع کر چکا ہے۔ ختم نبوۃ سے متعلق اِس اسلامی عقیدہ کو حضرت شیخ اکبر نے اپنی دوسری تصنیف الفتوحات المکیہ شریف میں اِس طرح بیان کیا ہے:

''اِنَّ رِسَالَةَ التَّشْرِیْعِ وَ نُبُوَّةَ التَّکْلِیْفِ قَدِ انْقَطَعَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ ﷺ وَلَا نَبِیَّ یُشَرِّعُ وَلَا یُکَلِّفُ'' (۱)

باقی رہا یہ تصور کہ اِس وہمہ کا جواب دینے کے ساتھ اپنے مقام سلوک کی طرف اشارہ کس طرح کیا ہے وہ اِس طرح ہے کہ اِس سے پہلے فُصوص الحکم کے حوالہ سے جو فرمایا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مجھے عطیہ ہوا ہے جس کے جملہ مضامین منجانب اللہ ہیں اور اُن کے افہام وتفہیم کے ذرائع یعنی الفاظ بھی ''مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ'' ہیں کہ جیسے مجھ پر نازل ہوئے ویسا ہی میں نے لکھ دیے

(۱) الفتوحات المکیہ، ج:1، ص:456۔

ہیں اُس پورے کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ مصنف اللہ تعالیٰ کی طرف سے معارف الٰہیہ کی تبلیغ کے لیے مامور ہو گئے تھے اور اہل معرفت سے مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معارف الٰہیہ کی تبلیغ پر مامور شخصیت دو کمالات سے خالی نہیں ہوتی یا کمالِ ولایت کے خاص رُتبے پر فائز ہوتی ہے یا مقامِ نبوۃ و رسالت پر فائز ہوتی ہے جب دوسری صورت کی ''وَلَسْتُ بِنَبِيٍ وَلَا رَسُوْلٍ'' کہہ کر نفی کر دی، پہلی صورت آپ ہی متعین ہو گئی کہ ولایت کے خاص رُتبے پر فائز تھے۔ اور اہل عرفان کے مطابق یہ وہ رُتبہ ہے جسے سلوکِ فکری کے اسفارِ اربعہ میں سے تیسرا سفر یعنی **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کہا جاتا ہے جو ولایت کا خاصہ ہے نبوت و رسالت میں اِس سفر کا تصور نہیں ہے کیوں کہ اُس کے لیے چوتھا سفر یعنی **سفر من الخلق الی الخلق بالحق** مختص ہے۔ سفر سلوک کے اِن دونوں رُتبوں پر بالترتیب اولیاء اللہ اور ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر معارف الٰہیہ کا نزول بظاہر اگرچہ یکساں لگتا ہے کہ دونوں پر مبداء فیاض جل جلالہ کی طرف سے ہی نازل ہو رہے ہیں تاہم اِس مابہ الاشتراک کے علاوہ متعدد وجوہ سے فرق ہے:

پہلی وجہ: ۔ اولیاء اللہ پر نازل ہونے والے معارف میں اشتباہ و مغالطہ کا احتمال ہو سکتا ہے کہ اِن کے اخذ کرنے میں، سننے میں اور سمجھنے میں اِن حضرات کو اشتباہ ہوا ہو جبکہ ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل ہونے والے معارف میں مغالطہ و اشتباہ کا امکان نہیں ہے کیوں کہ یہاں پر ہر طرح عصمت ہی عصمت ہے۔

دوسری وجہ: ۔ اولیاء اللہ کے قلوب پر نازل ہونے والے معارف کی سبیل و ذریعہ وحی نہیں ہوتا کیوں کہ یہ رُتبہ نبوت و رسالت کے ساتھ مختص ہے اِس لیے اولیاء اللہ کے بارے میں اِس کا تصور نہیں کیا جا سکتا جبکہ اِس کے سوا متعدد سُبل و ذرائع ہوتے ہیں جو اِلقاء، الہام، نفث فی الروع، رویا صالحہ، مبشرات، حدس، فراستِ ایمان، نورِ ایمان، تحدیث من اللہ جیسے ناموں کے ساتھ مشہور ہیں۔

تیسری وجہ:۔ ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل ہونے والے معارف کا محور بندوں کی اصلاح احوال سے متعلق احکام الٰہی ہوتے ہیں تاہم اسماء الٰہی، صفاتِ الٰہی، افعال الٰہی اور ذاتِ الٰہی سے متعلق رُموز واسرار کے نزول سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا جن میں سے بعض خواص کو بھی بتادیئے جاتے ہیں حضرت حُذیفہ ابن الیمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کو اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے بہت کچھ بتادیا کرتے تھے ان کے علاوہ کچھ اور صحابہ کرام کو بھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ "حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وِعَائَیْنِ فَأَمَّا أَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہُ، وَأَمَّا الآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہُ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ" (۱)

جبکہ اولیاء اللہ پر نازل ہونے والے معارف کا محور اسماء الٰہی، صفات الٰہی، افعال الٰہی اور ذاتِ الٰہی سے متعلق رُموز واسرار ہوتے ہیں تاہم احکام اللہ کے رُموز واسرار کے نزول سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا بہر تقدیر اولیاء اللہ پر نازل ہونے والے جملہ معارف وکمالات اتباع نبوی ﷺ کے ثمرات اور ورثہ نبوت کے اثرات ہوتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا؛

"عِلْمُنَا ھٰذَا مُقَیَّدٌ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ" (۲)

ہم پر نازل ہونے والے معارف کتاب وسنت سے مقید ہیں۔

سلوک کے اَسفار اربعہ میں سے بنیادی سفر یعنی سفر اول جو **سفر من الخلق الی الحق** کہلاتا ہے جو اپنی ذات وصفات سے شروع ہو کر جو سیر اَنفسی کہلاتا ہے سیر آفاقی جو الاقرب فالاقرب کے اُصول پر وُصول الی اللہ پر منتج ہوتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

"سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ" (۳)

---

(۱) مشکوۃ شریف، کتاب العلم، ص:37، بحوالہ بخاری شریف۔

(۲) الرسالۃ القشیریۃ، ص:20، مطبوعہ مصر۔

(۳) فصلت:53۔

اِس سعادت کی دست آوری کے بعد دوسرے سفر میں جو عُرفاء کی زبان میں **سفر من الحق فی الحق بالحق** کہلاتا ہے محو ہونے کی بجائے تیسرا سفر جو **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کہلاتا ہے جو ولایت کے ساتھ مختص ہے شروع ہونے کے ساتھ ہی معارف کا نزول بھی شروع ہو جاتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا چوتھے سفر یعنی سفر **من الخلق الی الخلق بالحق** جو ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مختص ہے اِس میں بھی سفر کے شروع ہونے کے ساتھ ہی نبوت و رسالت سے متعلق معارف کا نزول شروع ہو جاتا ہے یعنی بالترتیب دونوں سفروں کے شروع کو نزول معارف لازم ہے جس کے مطابق ایسا نہیں ہو سکتا کہ اولیاء اللہ کا تیسرا سفر شروع ہو جائے لیکن ولایت سے متعلق معارف کا اُن پر نزول نہ ہو۔ اِسی طرح انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مختص چوتھا سفر شروع ہو جائے لیکن نبوت سے متعلق معارف کا اُن پر نزول نہ ہو جائے یا موخر ہو جائے۔ نیز ذواتِ قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل ہونے والے معارف کی نوعیت اور کمیت ہر ایک کی استعداد کے مطابق ہیں اور بعض سب میں قدرِ مشترک اور بعض ان کے انفرادی کمالات و فضائل کہلاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً'' (۱) یہ تم سب کا ایک دین ہے۔

نیز فرمایا: ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' (۲)

نیز فرمایا: ''وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ'' (۳)

اِسی طرح عرفاء و کاملین پر نازل ہونے والے معارف کی نوعیت و کمیت کا حجم بھی ہر ایک کی فطری استعداد کے مطابق ہوتا ہے جن میں سب سے افضل و اعلیٰ اور سب پر علی الاطلاق فوقیت والا وہ طبقہ ہوتا ہے جو اسماء اللہ، صفات اللہ، افعال اللہ اور ذات اللہ سے متعلق معارف کے نازل ہونے کا اہل

---

(۱) الانبیاء:92۔

(۲) البقرہ:253۔

(۳) الاسراء:55۔

ہونے کے ساتھ احکام اللہ کی جانب اعلیٰ و جانب اسفل اور ظاہر و باطن کا بھی جامع ہوتا ہے جسے عرفاء کی زبان میں مجدّد کہا جاتا ہے جس کے تعارف میں اللہ کے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَنْ تَزَالَ طَآئِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ''(۱)

نیز فرمایا: ''یَنْفُوْنَ عَنْہُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَانْتِحَالَ الْجَاھِلِیْنَ وَتَاْوِیْلَ الْمُبْطِلِیْنَ''(۲)

اولیاء اللہ کے اِس عظیم المرتبت طبقہ سے متعلق امام عبدالوہاب الشعرانی نے لکھا ہے کہ:

''یہ عزیز الوجود ہے اور اپنے دور کا حکیم الزمان ہے۔''(۳)

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نے فتوح الغیب میں فرمایا:

''وَجَعَلَہٗ جَھِیْدًا وَدَاعِیًا لِلْعِبَادِ وَنَذِیْرًا لَّھُمْ وَحُجَّةً فِیْھِم ھَادِیًا مَھْدِیًّا شَافِعًا مُشَفَّعًا صَادِقًا مُصَدِّقًا بَدَلًا لِرُسُلِہٖ وَاَنْبِیَآئِہٖ عَلَیْھِمْ صَلَوَاتُہٗ وَتَحِیَّاتُہٗ وَبَرَکَاتُہٗ فَھٰذَا ھُوَ الْغَایَةُ وَالْمُنْتَھٰی فِی بَنِیْ آدَمَ لَامَنْزِلَةَ فَوْقَ ھٰذِہِ الْمَنْزِلَةِ اِلَّا النُّبُوَّةُ فَعَلَیْکَ بِہٖ''(۴)

حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا:

''ہر چہ دران مدت از فیوض بامتان برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب و اوتاد و بدلا و نجبا باشند''(۵)

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کا اشارہ کہ سفر سلوک کے حوالہ

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، باب ثواب ھذہ الأمة، ص:533، مطبوعہ نور محمد۔

(۲) مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم، ص:36، مطبوعہ نور محمد۔

(۳) الیواقیت والجواھر، ص:26، مطبوعہ مصطفی البابی مصر۔

(٤) فتوح الغیب، مقالہ نمبر:33۔

(٥) مکتوبات امام ربانی، حصہ نور الخلائق، مکتوب نمبر:4۔

سے وہ اس رُتبے پر فائز تھے فُصوص الحِکم کی پیشِ نظر عبارت کے سیاق وسباق کی دلالت سے معلوم ہو رہا ہے کیوں کہ کتاب کے مضامین سے لے کر الفاظ تک سب کچھ مجھ پر نازل کیے گئے ہیں کہنے کے بعد یہ اعتراف کہ میں نبی ورسول نہیں ہوں اِس کے سوا اور مفاد و مدلول نہیں رکھتا کہ سلوک فکری کے تیسرے سفر''**من الحق الی الخلق بالحق**'' کے رُتبے پر فائز تھے جس میں معارف کا نزول ضروری ہوتا ہے۔ اِس کے بعد دوسرا جملہ''وَلٰكِنِّي وَارِث''میں مندرجہ ذیل معارف پوشیدہ ہیں:

پہلا:۔ ہر ولی نبی کا وارث ہوتا ہے کیوں کہ ولایت کے جملہ کمالات اتباعِ نبوت کے ثمرات و برکات ہوتے ہیں۔ فتوحات مکیہ شریف میں اِس مفہوم کی توثیق کے لیے حضرت شیخ اکبر نے جنید بغدادی کی تصریح نقل فرمائی ہے:

''عِلْمُنَا هٰذَا مُقَيَّدٌ بِالْكِتٰبِ وَالسُّنَّةِ''(۱)

معارف وحقائق سے متعلق ہمارے پاس جو علم بھی ہے یہ سب کچھ کتاب والسنۃ کی قید میں مقید ہے۔

دوسرا:۔ پیغمبر کے وارث ہونے کی حیثیت سے اپنے رُتبے ومقام کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے وراثت پیغمبری کے اُس اعلیٰ رُتبے پر فائز کیا ہے جس میں اللہ کا ولی اِس قابل ہوتا ہے کہ اُس پر القاء ربانی کے فیوضات واسرار کا نزول ہونے لگ جاتا ہے۔

تیسرا:۔ وراثت پیغمبری کی اقسام کی طرف کیا ہے کہ اِن کی کوئی حد نہیں ہے جن میں سے تین قرآن شریف میں بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ''(۲)

---

(۱) الفتوحات المکیہ، ج:3، ص:56، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی۔

(۲) فاطر:32۔

پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چُنے ہوئے بندوں کوتو اُن میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اُن میں کوئی میانہ چال پر ہے اور اُن میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے جاتا ہے یہی بڑا فضل ہے۔

وراثتِ نبوی ﷺ کی اِس ترتیب میں پہلا طبقہ جو''ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ'' ہے محض علمی اِفادہ کے اعتبار سے وارث کہلاتا ہے کیوں کہ عملی بے اعتدالیوں کی وجہ سے وہ وارث نبوی کہلانے کے قابل ہی نہیں ہے گویا چراغ ہے خود جلتا ہے دوسروں کو روشنی دیتا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں واضح اکثریت کے ساتھ دنیا میں پھیلنے والا یہ طبقہ کتاب اللہ کے ورثاء کی سب سے پچھلی صف میں ہونے کے باوجود عوام کی اصلاح اور اسلام کی نمائندگی کے حوالہ سے سب سے آگے ہے کیوں کہ عوام اِس کے عمل کو نہیں بلکہ علم وارشاد اور تعلیم وتبلیغ کی پیروی کے پابند ہیں جس وجہ سے اِس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا طبقہ جو''مُقْتَصِدٌ'' ودرمیانہ ہے علمی اِفادہ کے ساتھ اُمت کی عملی اصلاح کے حوالہ سے بھی علم وعمل دونوں کے اعتبار سے فی الجملہ وارث کہلاتا ہے کیوں کہ اِن کی وراثت کامل نہیں ہے۔

تیسرے طبقہ کی وراثت کامل ہونے کی بنا پر ہر اعتبار سے وارث کہلاتا ہے اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اِن میں ہر طبقہ کے اندر بھی مختلف طبقے ہیں یعنی پہلے طبقہ کے تمام افراد یکساں ہوتے ہیں نہ دوسرے طبقے کے نہ تیسرے کے بلکہ فردِ ادنیٰ سے لے کر فردِ اعلیٰ تک کی تفریق سب میں موجود ہوتی ہے یہاں تک کہ سب سے اعلیٰ طبقہ جو ورثہ نبوت کی جانب ظاہر وباطن کا جامع ہوتا ہے اور روحانیت میں ہر اعتبار سے خلافتِ نبوی ﷺ کے فرائض انجام دیتا ہے اِس میں بھی سب یکساں نہیں ہوتے۔ اِس کے متعلق فتوحات المکیہ شریف میں فرمایا:

''فَاَهْلُ الْقُرْآنِ هُمْ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ فَهُمُ الْاَحْبَابُ الْمُحِبُّوْنَ''(۱)

---

(۱) فتوحات مکیہ شریف، ج:2، ص:352، مطبوعہ بیروت۔

یعنی اہلِ قرآن جو حقیقت میں ورثاء قرآن ہوتے ہیں یہی اہل اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تو پھر یہی اُس کے دوست ہوتے ہیں جو اُس کی محبت میں وارفتہ ہوتے ہیں۔

اور فنا عن الغیر وبقاء باللہ کا وصف اِن سب میں قدرِ مشترک ہونے کے ساتھ مقامات و مراتب اور رُموز و معارف کے کمالات میں بھی "بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ" ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا:

"ہر مقام را علوم و معارف جدا است و ہر حال را قال علیحدہ"(۱)

فضائل و کمالات اور اسرار و معارف کے حوالہ سے امتیازات سے قطع نظر کامل وارث ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز اُمتی کے حق میں اِس سے بڑے کسی اور کمال کا تصور ممکن نہیں ہے اِسی فلسفہ کے مطابق حضرت پیرانِ پیر شیخ عبد القادر الجیلانی نے فرمایا:

"لَامَنْزِلَةَ فَوْقَ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ اِلَّا النُّبُوَّةُ"(۲)

حضرت شیخ اکبر نَوَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَرْقَدَهُ الشَّرِیْف نے یہاں پر خود اپنی ذات سے متعلق کسی قید و تحدید کے بغیر مطلق وارث ذکر کر کے اِس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ کامل وراثت کے مقام پر فائز تھے ویسے بھی شریعت مقدسہ کے ظاہری احکام کے رُموز و اسماء سے متعلقہ معارف سے لے کر باطنی رُموز و معارف تک ان کے کارنامے اِس بات کی واضح دلیل ہیں کہ وہ قرآن و سنت کے جملہ معارف کے امین تھے، تمام آسمانی کتابوں کے نکتہ شناس تھے اور علی الاطلاق ہر اعتبار سے کامل وارث نبوی ﷺ تھے۔ (فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ)

کتاب کے لفظ "وَلَاٰخَرَتِی حَارِث" میں آیت کریمہ "یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ"(۳) کے پابند ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دوسرے انسانوں کی

---

(۱) مکتوب نمبر:160، دفتر اول، حصہ سوم۔

(۲) فتوح الغیب، مقالہ نمبر:33۔

(۳) الانشقاق:6۔

طرح میں نے بھی اپنے کسب وعمل کے ساتھ اُس وحدہ لاشریک کے حضور حاضر ہونا ہے جس کے لیے اِس کاوش کوذخیرہ آخرت بنانا چاہتا ہوں۔

باقی رہا یہ تصور کہ مصنف نے ''ولاخِرتِی مُحتَرِث، کَاسِبٌ ''اور''مُکتَسِبٌ'' جیسے الفاظ کی بجائے لفظ''حَارِث'' کا انتخاب کیوں فرمایا حالاں کہ یہ کھیتی باڑی اور تخم ریزی کے لیے موضوع ہے مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے:

''اَلحَرثُ اِلقَاءُ البَذرِفِی الاَرضِ''

زمین میں تخم ڈالنا جو ظاہری جوارح کا عمل ہوتا ہے جبکہ مصنف کی یہ کاوش قوتِ فکری کا عمل ہے ظاہری جوارح کا نہیں ایسے میں مصنف جو کہنا چاہتے ہیں اُس کے مطابق ''مُحتَرِث، کَاسِبٌ، مُکتَسِبٌ، عَامِل'' جیسا کوئی لفظ مناسب تھا حارث نہیں۔

اِس کا جواب یہ ہے لفظ''حرث ''اگرچہ تخم ریزی والے مفہوم کے لیے موضوع ہے تاہم استعمال اِس کا عام ہے کہ اُس کے علاوہ بھی ہوتا ہے جیسا کھیتی کے لیے اور کسی بھی اختیاری عمل وکسب کے لیے استعمال ہونے کی مثالیں موجود ہیں جو بالترتیب قرآن شریف میں مذکور ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا''نِسَآؤُکُم حَرثٌ لَّکُم ''(۱)،''مَن کَانَ یُرِیدُ حَرثَ الاٰخِرَةِ نَزِدلَه فِی حَرثِه وَمَن کَانَ یُرِیدُ حَرثَ الدُّنیَانُؤتِه مِنهَاوَمَالَه فِی الاٰخِرَةِ مِن نَّصِیبٍ''(۲)

اِس کے علاوہ ایک حدیث بھی عام طور پر بیان کی جاتی ہے''کُلُّکُم حَارِثٌ وَکُلُّکُم هَمَّامٌ''۔ نیز روایت میں آیا ہے''اَصدَقُ الاَسمَآءِ حَارِثٌ وَهَمَّام ''(۳) جبکہ اہل اللہ وکاملین اپنی طرف سے کوئی لفظ استعمال کرنے کے بجائے قرآن وسنت میں استعمال ہونے والے الفاظ کو ہی ترجیح دیتے ہیں جس سے ان کا مقصد تفاول وتبرک حاصل کرنا ہوتا ہے خاص مصنف کی فتوحات مکیہ

(۱) النسآء:223۔

(۲) الشوریٰ:20۔

(۳) سنن ابوداؤد شریف،ج:4،ص:443،باب فی تغییر الاسماء۔

ایسے اقتباسات سے بھری پڑی ہے۔ مشتے نمونہ ازخروارے آیت کریمہ "لَنْ تَرَانِی "(۱) اور آیت کریمہ "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی "(۲) سے اقتباس کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس سے وحدۃ الوجود پر بھی روشنی پڑتی ہے:

قُلُوْبُ الْعَاشِقِیْنَ لَهَا ذِهَابُ ۔۔۔ اِذَا هِیَ شَاهَدَتْ مَنْ لَاتَرَاهُ

وَذَامِنْ اَعْجَبِ الْاَشْیَآءِ فِیْنَا ۔۔۔ نَرَاهُ وَمَانَرَاهُ اِذَانَرَاهُ

دَلِیْلِیْ اِذْیَقُوْلُ رَمَیْتَ عَبْدِیْ ۔۔۔ فَلَا تَعْجَبْ فَمَا الرَّامِیْ سِوَاهُ

کَذَاقَدْجَآءَ فِی الْقُرْآنِ نَصًّا ۔۔۔ لِاَمْرٍفِیْ حُنَیْنٍ قَدْدَهَاهُ

عاشقوں کے دلوں کے لیے ماوراء العقل والحس جانا ہے یہ اُس وقت ہے جب وہ اُس کا مشاہدہ کریں جسے تو نہیں دیکھتا اور یہ خلائق میں موجود تمام عجائبات سے زیادہ عجب ہے کہ ہم اُسے دیکھتے ہیں اور جب اُسے دیکھنے لگتے ہیں تو اُسے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ میری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اے میرے بندے تو نے پھینکا پھر تو تعجب نہ کر کیوں کہ وہ پھینکنے والا اُس کے سوا کوئی اور نہیں ہے اِسی طرح قرآن شریف میں نص کے طور پر آیا ہے اُس کام کے لیے جس نے جنگِ حنین میں اُس خاص بندے ﷺ کو پریشان کیا تھا۔(۳)

مصنف کے اِس جملہ "وَلَآخِرَتِی حَارِثٌ "میں لفظ "آخرۃ" محض دارِ آخرۃ کے ساتھ ہی مختص نہیں ہے جو دارِ دُنیا کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ اپنے لُغوی مفہوم پر محمول ہے۔

جو آخر کی مونث ہے اور لُغوی مفہوم میں دُنیا واولیٰ کے مقابلہ میں ہے جس کا مصداق "اَلسَّاعَةَ الآخِرَة " ہے اِس کی ایسی مثال ہے جیسا آیت کریمہ "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌلَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی "(۴)

---

(۱) الاعراف:143۔

(۲) الانفال:17۔

(۳) فتوحات مکیه شریف، ج:2، ص:389، باب السابع والتسعون ومائة فی معرفة اللهاب۔

(٤) الضحیٰ:4۔

سے مراد بعض اسلاف نے ''اَلسَّاعَةُ الْآخِرَة'' لیا ہے یعنی ہر پچھلی گھڑی تیرے لیے پہلی گھڑی سے بہتر ہے اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کے علوم و مراتب یوما فیوما ترقی میں ہونے کی طرح آپ ﷺ کے کامل ورثاء کے علوم و معارف اور فضائل و مراتب کے سلسلۂ دراز میں بھی ٹھہراؤ نہیں ہے جس کے مطابق جب تک لیل و نہار کا موجودہ نظام شمسی موجود ہے اور ساعت اولیٰ و ساعت اُخریٰ کا تصور باقی ہے اُس وقت تک کے انسان بھی حارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ''(۱)

اِس آیت کریمہ کے مطابق آخرت کے لیے حارث ہونے کا سلسلہ لیل و نہار کا نظام شمسی ختم ہو کر دارِ آخرت کے آغاز پر جا کے منتہی ہوگا جس کے بعد ساعۃ اولیٰ کا تصور باقی رہے گا نہ ساعت آخرۃ کا۔ بلکہ لوازمات اُلوہیت کی ازلیت عین ابدیت اور ابدیت عین ازلیت ہونے کی طرح دارِ آخرۃ کی ساعت اولیٰ عین ساعت اخری اور ساعتِ آخرت عین ساعتِ اُولیٰ ہوگی، نظامِ شمسی کا تصور ہوگا نہ لیل و نہار اور سال و ماہ کا احساس جیسا اُس کی نعمتیں حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ''مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَمْ یَخْطُرْ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' ہیں ویسے ہی اُس کے زمان و مکان کا معاملہ بھی ہے۔

حضرت شیخ اکبر کے اِس کلام ﴿وَلِآخِرَتِیْ حَارِثٌ﴾ میں لفظ ''آخرۃ'' کے مفہوم کی اِس وسعت میں دارِ دُنیا کے جملہ لحاتِ حیات شامل ہونے کی طرح دارِ برزخ کی پوری مدت بھی شامل ہے جبکہ دارِ آخرۃ اِس کی مظہرِ اتم اور فردِ کامل ہے جس کے بعد نہ کوئی دار ہے نہ آخرۃ، حرث ہے نہ کسی قسم کی مسئولیت بلکہ دارِ دُنیا کی عملی زندگی میں جیسا کیا ہے ویسا پائے گا اور جیسا بویا ہے ویسا کاٹے گا جس وجہ سے اُسے یوم الدین اور یوم الخلود کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) الانشقاق:6۔

''ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ''(۱)

حضرت شیخ اکبر کے کلام میں یہاں پر لفظ ''آخرۃ'' کے اِس عمومی مفہوم کے علاوہ خاص مفہوم بھی مراد لیا جاسکتا ہے جس کے مطابق اِس کا مظہر پچھلی حالت ہوگی جس سے مقصد سفر سلوک میں وقتاً فوقتاً پیش آنے والے حال بعد الحال اور تحول بعد التحول میں استقامت کے لیے سعی کرنا ہے۔

اِس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر سفر سلوک کے اُس رُتبہ ولایت پر فائز تھے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق خدا کی رہنمائی پر مامور کیا جاتا ہے جسے صوفیاء کاملین کی زبان میں **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کہا جاتا ہے اور اسفار اربعہ کے سلسلہ میں تیسرا سفر کہلاتا ہے اور یہ حضرات چونکہ پیغمبر اکرم سید عالم ﷺ کے کامل وارث ہوتے ہیں، اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور اُن کے طریقے کے مطابق حسب الحال خلق خدا کی رہنمائی کرتے ہیں جس وجہ سے انہیں بھی ایسی مشکلات اور نامساعد حالات کا سامنا ہوتا ہے جیسا اِن کے مورث اعلیٰ کو در پیش ہوتے رہے ہیں جن سے تحفظ پانے اور اپنے مشن میں استقامت دکھانے کے لیے یوماً فیوماً زیادہ سے زیادہ مجاہدہ کرنا ہوتا ہے جس کا اظہار حضرت شیخ نے یہاں پر ''وَلَآخِرَتِی حَارِث'' کے الفاظ میں کیا ہے جس سے مقصد آگے چل کر یوماً فیوماً پیش آنے والے تحولات سے تحفظ اور ہر آنے والے حال میں استقامت کی سعادت پانے کے لیے مجاہدہ کرنا ہے جس کی بدولت حال مقام میں بدل جاتا ہے اور داخلی وخارجی شیاطین سے تحفظ مل جاتا ہے جو اپنے مورث اعلیٰ نبی اکرم سید عالم ﷺ کے کامل وارث ہونے کا عملی ثبوت ہے۔

حضرت شیخ کے کلام کا یہ محمل اِس کے سیاق وسباق کے زیادہ مناسب ہے کیوں کہ اِس سے متصلاً قبل ''وَلٰكِنِّیْ وَارِث'' جو کہا ہے اُس کا یہی مقتضاء ہے کہ وارث ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا جائے جس کے لیے ''وَلَآخِرَتِی حَارِث'' کہا جبکہ اِس کے مقابلہ میں اول الذکر زیادہ جامع اور لفظ ''آخرۃ'' کے لُغوی مفہوم کے جملہ مظاہر کو محیط ہے۔

---

(۱) ق:34۔

''فَمِنَ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا...... وَاِلَى اللّٰهِ فَارْجِعُوْا '' حضرت کے کلام کا یہ حصہ کلام سابق کا نتیجہ اور اُس پر مرتب ہے جیسا فائے فصیحہ سے مفہوم ہو رہا ہے اِس میں بتانا یہ چاہتے ہیں کہ جب سب کو معلوم ہوا کہ میں **سفر من الحق الی الخلق بالحق** کے رُتبے پر فائز ہوں اور نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کا کامل و مکمل وارث ہوں جس کا عملی ثبوت بھی پیش کر رہا ہوں جس کے مطابق میرے اِن مساعی جمیلہ کے پیچھے اللہ وحدہ لاشریک کی کارفرمائی ہے تو پھر اِس کتاب کے مندرجات کے حوالہ سے بھی میں کچھ نہیں ہوں، میری حیثیت محض مظہر کی ہے جبکہ اصل سنانے والا اور سمجھانے والا وہی ایک وحدہ لاشریک ہے تو پھر اِسے پڑھنے اور سننے اور سمجھنے والے بھی اِس تصور سے یہ سب کچھ کریں کہ اللہ تعالیٰ سے سن رہے ہیں اور وہی وحدہ لاشریک ہمیں سمجھا رہا ہے تو ہم سمجھ رہے ہیں وہ اگر سنانے اور سمجھانے والا نہ ہو ہم کچھ سمجھ سکتے ہیں نہ مصنف کچھ سمجھا سکتے ہیں، ہم کچھ سن سکتے ہیں نہ مصنف کچھ سنا سکتے ہیں اور اُس کی کارفرمائی کے بغیر ہماری کوئی حیثیت ہے نہ مصنف کی۔

اِس کے علاوہ مذکورہ کلام کے دوسرے حصہ ''وَاِلَى اللّٰهِ فَارْجِعُوْا '' میں اِس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نہ صرف اِس کتاب کے مندرجات کو سمجھنے کے حوالہ سے بلکہ کسی بھی بہتری کی دست آوری کے لیے اُسی وحدہ لاشریک کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے کیوں کہ اُس کے بغیر کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔ گویا فُصوص الحکم شریف کے اِن مختصر الفاظ میں قرآن و سنت کے اُن تمام نصوص کا خلاصہ جمع فرما دیا ہے جن میں اُسی وحدہ لاشریک کو مددگار و کارساز اور ماویٰ و ملجا سمجھنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ فصوص الحکم کی اِس جامعیت کے پیشِ نظر حضرت شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف نے فرمایا کہ فُصوص الحکم کے جملہ مضامین قرآن و سنت سے مستفاد ہیں اگر میں چاہوں تو برسرِ منبر اِس کے ایک ایک مضمون پر قرآن و سنت کے دلائل بیان کروں۔ اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''اگر خواہم فصوص را بر سر منبر تقریر کنم و جمیع مسائل آن را

بآیات واحادیث مبرهن سازم وبوجهی بیان نمایم که هیچ کس داشبه نماند"(۱)

"فَإِذَا مَا سَمِعْتُمْ مَا...... أَتَيْتُ بِهِ فَعُوْا" اِس میں معارف الٰہیہ کے طلباء کو اور خاص کر اس کتاب کے معارف سے مستفیض ہونے والوں کو نصیحت کرنا مقصد ہے کہ اِس سے وہی حضرات کما حقہ مستفیض ہو سکتے ہیں جو اسے سمجھ کر پڑھیں اور سننے کے بعد دماغ میں محفوظ کریں کیوں کہ اِس کا ہر مسئلہ اپنی جگہ معارف کا خزانہ ہے، کائنات کے رُموز واسرار کو سمجھنے کی کُنجی ہے اور عجائبات قدرت کی درسگاہ ہے یہ جنہیں یاد ہوں گے وہ نہ صرف خود کسی بھی علمی مشکل سے نکل سکیں گے بلکہ دوسروں کے لیے بھی درسِ عرفان بن سکیں گے مصنف کی یہ نصیحت اگر چہ صراحتاً فصوص الحکم شریف کے مندرجات کو سمجھنے کے بعد ہر وقت مستحضر رکھنے کے بارے میں ہے۔ تاہم اِس کے علاوہ بھی ہر درس اور کسی بھی فن کے طلباء کو شامل ہے کہ درس کو محض پڑھنے اور پڑھانے کی حد تک محدود نہ کریں بلکہ سمجھنے کے بعد دل ودماغ میں مستحضر رکھیں تاکہ تعلیم وتعلم سے اصل مقصد حاصل ہو سکے۔

"ثُمَّ بِالْفَهْمِ فَصِّلُوْا...... مُجْمَلَ الْقَوْلِ وَاجْمَعُوْا" اِس کے دو واضح حصے ہیں:

اول:۔ "قول مجمل" کی تفصیل کرنے سے متعلق ارشاد ہے۔ اور دوسرا جمع کرنے کا امر ہے۔ اور یہ دونوں آپس میں معطوف ومعطوف علیہ ہو کر فہم سے متعلق اور جار ومجرور کے مجموعہ میں عامل ہیں۔ اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ حصہ معطوف علیہ یعنی "فَصِّلُوْا" کے لیے مفعول بہ اُس کے بعد مذکور ہے جو "مُجْمَلَ الْقَوْلِ" یعنی قول مجمل ہے جبکہ حصہ معطوف یعنی "اِجْمَعُوْا" کے لیے مفعول بہ محذوف ہے جو کتاب میں مذکور ہونے والے اُصول وکلیات کے فروع وجزئیات ہیں جن کی زیادہ تعداد کو اپنے اُصول وکلیات کے تحت جمع کرنے اور اُصول وکلیات اور اُن کے فروع و جزئیات کے مابین مابہ الاشتراک ومابہ الامتیاز کو پیشِ نظر رکھ کر مشق وتمرین کرنے کا فرمایا ہے اور مصنف کی یہ نصیحت اُن کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ کوئی بھی مخلص مصنف اور مشفق ومہربان مدرس و

---

(۱) انفاس العارفین، ص:80، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کچہری روڈ ملتان۔

رہنما اپنے درس یا اپنی تصنیف سے استفادہ کرنے والوں کی ایسی ہی رہنمائی کرتا ہے۔ اِسی وجہ سے کہا گیا ہے ''اِذَا تَکَرَّرَ فِی السَّمْعِ تَقَرَّرَ فِی الْقَلْبِ'' ظاہر ہے کہ ایک اُصول وضابطہ یا کسی بھی مرتبے کی ایک کلی کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد اپنے ذہن کو اُس تک محدود رکھنے سے اُس کی روشنی نہیں پھیل سکتی، اُس کے متعلق حاصل ہونے والا تقلیدی علم استدلالی کا رُتبہ نہیں پا سکتا اگر وہ استدلال سے حاصل ہے تو یہ استدلالی علم تجربہ کی حد کو نہیں پہنچ سکتا یعنی علم الیقین سے ترقی کر کے حق الیقین کے رُتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

اِس کے برعکس اُس کے مصادیق ومظاہر اور فروع وجزئیات کو جس شرح تناسب سے دل ودماغ میں جمع کیا جائے اور اِسے اُن پر منطبق ومحمول کر کے دیکھا جائے کہ اصل وفرع میں کس حد تک مابہ الاشتراک اور کس حد تک مابہ الامتیاز ہے کون کون سے فروع وجزئیات پر اِس کا صادق آنا یکساں ہے اور کس کس پر علی سبیل التشکیک یعنی کمی وبیشی یا مقدم یا موخر یا شدید وضعیف کی تفریق کیساتھ ہے اُسی شرح تناسب سے اِس کی روشنی کا حجم بھی بڑھتا ہے بزرگانِ دین کا فرمودہ ''اَلسَّبَقُ حَرْفٌ وَ تَکْرَارُهُ اَلْفٌ'' یعنی سبق ایک جملہ یا ایک مضمون سے متعلق ہو اور اُس کا تکرار ہزار بار ہو۔(۱) بھی اِسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ کسی ایک کلی یا کسی ایک اُصولِ فطرت یا ضابطہ کا سبق لینے کے بعد اُس کے ماتحت آنے والے ہزار فروع وجزئیات کو تلاش کر کے دل ودماغ میں جمع کیا جائے اور اِن میں سے ایک ایک پر اُسے منطبق ومحمول کر کے حمل کی نوعیت کا جائزہ لیا جائے کہ کس میں یکساں اور کس میں تفریق کے ساتھ ہے مشق وتمرین کی اِس محنت ومجاہدہ کو ہزار فروعات و جزئیات پر دُہرایا جائے تب اُس کا حق ادا ہوگا اُس کی روشنی کا حجم وسیع سے وسیع تر ہوگا اور اصل سے متعلق تقلیدی علم استدلالی بن جائے گا اگر استدلالی تھا اب ترقی کر کے تجرباتی بن جائے گا یہاں تک کہ علم الیقین سے ترقی کر کے حق الیقین میں بدل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے ہمارے اِن اسلاف کو جنہوں نے ہمیں علم وعرفان کی روشنی دینے کے ساتھ حاصل کردہ علم کو پختہ

---

(۱) تعلیم المتعلم، ص:6۔

کرنے کا طریقہ بھی سکھایا اور علم و عرفان کا فیض دینے اور لینے کے یہ سلیقے بھی سمجھائے۔

حصہ معطوف ''وَاجْمَعُوْا'' کی اِس توضیح کے بعد معطوف و معطوف علیہ یعنی ''فَصِلُوْا'' اور ''وَاجْمَعُوْا'' کے مجموعہ کی تمثیلی وضاحت اِس طرح ہے کہ اربعہ عناصر کے اِس جہاں کی ایک ایک شے اسماء اللہ کی مظہر ہے یہ درس عرفان کا ایک اُصول ہے اور اجمال میں ہے جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ اسماء اللہ کی تاثیر کے بغیر کوئی شے وجود میں نہیں آ سکتی اور جو چیز جس اِسم الٰہی کے ماتحت وجود میں آتی ہے وہ بلاواسطہ اُسی اسم کی مظہر اور اُس کی علامت و پہچان ہوتی ہے اور اُسی کے ساتھ مربوط اور اُس کی مربوب ہوتی ہے اور اُس کے واسطہ سے ذاتِ الٰہی کے ساتھ بھی مربوط و مظہر اور علامت و پہچان ہوتی ہے اور ذاتِ الٰہی کو اُس کے تمام اسماء لازم ہونے کی بنا پر یہی شے تمام اسماء اللہ کی بھی بالواسطہ مظہر و پہچان قرار پاتی ہے اور اسماء اللہ کی نہایت نہیں ہے بلکہ ''لَا یُحْصِیْهَا الحَدُّ وَ الْعَدُّ'' ہے کیوں کہ اُمہات الاسماء (99) جو حدیثوں میں مذکور ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت لاتُعد ولاتحصی ذیلی اسماء ہیں گویا اربعہ عناصر کے اِس عالم ناسوت کی ایک ایک شے مستقل عالم ہے جن کی کوئی نہایت ہی نہیں ہے اور معقولات کی دُنیا میں جزئیات کا سلسلہ دراز اپنی کلیات کے ماتحت اور اُن کی پہچان و مظاہر ہونے کی طرح عرفانیات کی دُنیا کے یہ لامتناہی عالم ہائے متفرقہ بھی مخصوص کلیات کے ماتحت اور اُن کے حصار میں محصور ہونے سے خالی نہیں ہیں جنہیں معرفت کی زبان میں حضرات الٰہیہ، حضرات خمسہ اور کلیات خمسہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جو اپنے خالق و مالک وحدہ لاشریک کے حضور و مشاہدہ میں ہوتے ہوئے غیر اللہ کہلانے والے خلائق کی نسبت غیب و مشاہدہ جیسے تضادات کی طرف منقسم ہوتی ہیں۔

جس کے مطابق دُنیائے عرفان کی اولین کلی **الغیب المطلق** کہلاتی ہے جس کا عالم و پہچان اور مصداق و مظہر اعیان ثابتہ کہلاتے ہیں، جو ذاتِ الٰہی کے ماسوا سب سے غیب ہیں۔

دوسری کلی **الشهادة المطلقه** کہلاتی ہے جس کا عالم و پہچان اربعہ عناصر کا یہ سارا جہاں ہے جسے عالم ناسوت اور عالم ملک بھی کہا جاتا ہے جو تحت الحس والعقل ہونے کی وجہ سے بصارت و بصیرت

دونوں سے متعلق ہوتا ہے۔

تیسری کلی **الغیب المضاف الاقرب الی الغیب المطلق** کہلاتی ہیں جس کا عالم و پہچان اور مصداق و مظہر عالَم ارواح کہلاتا ہے عام اِس سے کہ عالَم جبروت سے متعلق ہو یا عالَم ملکوت سے۔

حاشیتی اضافہ:۔ سبب و مسبب اور علت و معلول کے مابین ارتباط کہ سبب اور علت کے پائے جانے کی صورت میں مُسبّب کا سبب پر اور معلول کا اپنی علت پر مرتب ہونا فطری امر ہے جس میں کسی اور چیز کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا جس وجہ سے اِس پورے نظامِ قدرت کو جبر اور عالَم جبروت جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جو خالق کائنات وحدہ لاشریک کی طرف سے مقرر کردہ خود کار نظام قدرت کا کرشمہ ہے۔ اور آیت کریمہ "فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ" (۱) جیسے نصوص کی جھلک ہے۔ اور ملکوت عبارت ہے عالَم ملک و ناسوت کے اِس جہاں میں وقوع پذیر ہونے والے اُن متنوّع باطنی صورتوں سے جو عالَم غیب یعنی ماوراء الحس والعقل جہاں کو منتقل ہوتی رہتی ہیں اِن کے علاوہ نفوس مجردہ کو بھی شامل ہے۔

چوتھی کلی تیسری کلی سے برعکس ہے یعنی **الغیب المضاف الاقرب الی الشهادة المطلقه** کہلاتی ہے جس کا عالَم و مظہر اور مصداق و پہچان عالَم مثال ہے جس میں ہر کثیف و لطیف اور ہر ظاہر و باطن اور ہر چھوٹی و بڑی جوہر و عرض کی اصل صورت و مثال محفوظ ہوتی ہے اِس کی صورتوں میں اور عالَم ملکوت کی صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اِس میں ہر چیز کی اصل صورت محفوظ ہوتی ہے جبکہ ملکوت میں اصل نہیں بلکہ اُن کی حرکات و سکنات اور اعمال سے جنم پانے والی صورتیں محفوظ ہوتی ہیں جس وجہ سے اِنکی جغرافیائی حدود و لوازمات اور تقاضے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

دُنیائے عرفان کی پانچویں اور آخری کلی **الحضرة الالهيه الجامعه لهذه الاربعة** کہلاتی ہے جس کا عالم و پہچان حضرت الانسان ہے جس میں موجود ازلی استعداد و عواقب الغیب المطلق کے درجہ میں ماوراء العقل والحس ہونے کے ساتھ کچھ چیزیں الشہادۃ المطلقہ کے درجہ

---

(۱) الحجر:29۔

میں سب پر عیاں بھی ہیں اور دور نگے بھی کہ من وجہ غیب اور من وجہ شہادۃ ہیں۔ عالَم انسان کی یہ کلی جو کلیات صوفیہ وعرفانیہ کی آخری کڑی ہے کلیات منطقیہ کی نوع سافل سے مختلف نہیں ہے بلکہ کلیات منطقیہ کے مشہور معلم ورہنما ''ایساغوجی'' کے نزدیک عالَم انسان سب کے بعد ہوتے ہوئے بھی اپنے سے اُوپر والے تمام انواع فوقیہ واجناس عالیہ کو محیط اور سب پر مشتمل ہے۔

اِسی طرح دُنیا عرفان کی اِن کلیات خمسہ کی یہ آخری نوع بھی وجود عنصری کے اعتبار سے سب سے موخر اور سب کے بعد وجود میں آنے کے باوجود سب پر محیط ہے کہ اُس سے اُوپر والے کلیات اربعہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے یہ شامل نہ ہو بلا مبالغہ ایسا ہی ہے جیسا جوہر، جسم مطلق، جسم نامی اور حیوان میں سے ایک کے بغیر بھی انسان کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اِسی طرح **الغیب المطلق، الشهادة المطلقه، الغیب المضاف الاقرب الی الغیب المطلق اور الغیب المضاف الاقرب الی الشهادة المطلقه** میں سے کسی ایک کے بغیر بھی انسان کا وجود ممکن نہیں ہے۔

یہ ہے کلام مصنف کے اول حصہ ''فَصِّلُوْا مُجْمَلَ الْقَوْلِ'' کی ہزاروں مثالوں میں سے صرف ایک مثال اُمید کرتا ہوں کہ فُصوص الحکم شریف کے معارف سے مستفیض ہونے والوں کو اِس سے کافی رہنمائی ملے گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

جبکہ دوسرے حصے ''وَاجْمَعُوْا'' کی عملی مثال اِس طرح ہوگی کہ جب عالَم انسان کو حضرات الالٰہیہ کے زمرہ میں ایک ایسی کلی تسلیم کیا گیا جو اپنے سے اُوپر والے چاروں کو محیط ہے تو یہ نہ صرف کلی ہے بلکہ کلی ہونے کے ساتھ اپنے اندر ایک مسلمہ اُصول بھی رکھتی ہے جس کے ساتھ اُس کے جزئیات وفروع کو جمع کر کے دل ودماغ میں متحضر کرنے کی عملی صورت یوں ہوگی کہ انسان کے افراد وجزئیات میں کامل بھی ہوتے ہیں ناقص بھی اور متوسط بھی، سلیم الاعضاء بھی ہوتے ہے اور ناقص الاعضاء بھی، محنتی بھی ہوتے ہیں اور بے محنت بھی، فصیح وبلیغ قادر الکلام بھی ہوتے ہیں اور بے زبان بھی علی ہٰذا القیاس اِس قسم کے تمام افراد کے جملہ اوصاف الشہادۃ المطلقہ کے قبیل سے

ہیں جو سب پر عیاں ہوتے ہیں جبکہ باطنی خصوصیات اور آخری انجام وعواقب جیسے غیبی صفات الغیب المطلق کے قبیل سے ہیں جیسا اعیان ثابتہ کے درجہ میں اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور کے حُضور علمی میں نہیں تھے ویسا عالَم شہادۃ میں آنے کے بعد بھی اُس وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور کو ان سے متعلق حُضور علمی نہیں ہوتا اور انسانوں کی فکری وعملی تصرفات پر مرتب ہونے والے باطنی اثرات وصورتیں جو عالَم ملکوت کا حصہ بنتی ہیں یہ سب کے سب **الغیب المضاف الاقرب الی الغیب المطلق** کے قبیل سے ہیں کیوں کہ مکافات اعمال کی شکل میں جو ظاہر ہوتی ہیں اور عالَم شہادۃ کے حصہ بنتی ہیں وہ اُن کے مقابلہ میں اقل قلیل ہیں جو عالَم برزخ بین الدنیا والآخرۃ کے لیے اور دارِ آخرت کے لیے عالَم ملکوت کے پردہ غیب میں محفوظ رہتی ہیں اور انسانوں سمیت ان کی قوت فکری وعملی سے وجود میں آنے والے کردار کی جو صورتیں عالَم مثال کی حصہ بنتی ہیں یہ سب حضرات الٰہیہ کی چوتھی قسم یعنی **الغیب المضاف الاقرب الی الشہادۃ المطلقہ** کے قبیل سے ہیں اور اُس کے ماتحت متنوع افراد وجزئیات متباءنہ ہیں کیوں کہ عام خلائق سے یہ سب کچھ پوشیدہ اور ماوراء العقل والحواس ہونے کے باوجود عالَم شہادت یعنی اربعہ عناصر کے اِس عالَم ناسوت میں اِن کے ظہور پذیر ہونے کے لیے نظامِ قدرت میں بہت سے اسباب ہیں جن کے مطابق یہ عالَم شہادت کی حصہ بنتی رہتی ہیں لیکن انسان کو اِس کا شعور نہیں ہوتا۔

حدیث شریف ''وَاَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَکُ بَشَرًا فَیُکَلِّمُنِیْ فَأَعِیَ مَا یَقُوْلُ'' بھی اِسی قبیل سے ہے اور ایک شخص کو ایک ہی وقت میں متعدد جگہوں میں دیکھنے کے جو واقعات ہیں وہ بھی اور ہوا کی لہروں کو مسخر کر کے سائنس جو کچھ دکھا رہا ہے یہ بھی اِسی قبیل سے ہیں علیٰ ہٰذا القیاس عالَم مثال کے جو حصے صیغہ غیب میں رہتے ہیں وہ اُن کے مقابلہ میں اقل قلیل ہیں جو مختلف اسباب کے تحت مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں لیکن انسانوں کو اِس کا شعور نہیں ہوتا اِس میں بھی قدرت کے رُموز واسرار پوشیدہ ہیں۔

اِجمال کی تفصیل اور جزئیات کو جمع کرنے کی اِن تمثیلی توضیحات کے بعد فُصوص الحکم

شریف کی مذکورہ عبارت میں حصر کا فلسفہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر نے فروع وجزئیات کو جمع کرنے اور اجمال کی تفصیل کرنے کو فہم کے ساتھ مختص فرمایا ہے ورنہ قائم مقام ظرف یعنی جارومجرور کے مجموعہ کو اُس کے عامل سے مقدم کرنے کا کوئی اور فلسفہ ہی یہاں پر موجود نہیں ہے جیسا علم بلاغت سے مانوس حضرات جانتے ہیں ہے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر کا سب سے بڑا فائدہ حصر ہے جس کے مطابق حضرت شیخ اکبر نے اِس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اجمال کی تفصیل ہو یا کسی اُصول اور کلی کی جزئیات کو اُس پر مرتب کرنا بہرحال یہ سب کچھ فہم میں منحصر ہیں کیوں کہ اصل مسئلہ کو خود سمجھنا سب سے مقدم ہے، سب سے اہم ہے اور تفریعات وتفصیلات کے درست ہونے کے لیے اصل الاصول ہے ورنہ اصل مسئلہ کی فہم سے قاصر انسان سے یہ توقع کرنا کہ وہ کسی اُصول کو اُس کے فروع پر یا کسی کلی کو اُس کے جزئیات پر منطبق کر کے ثمرہ حاصل کرے گا جو ''بیل سے دودھ'' ملنے کی توقع کرنے سے مختلف نہیں ہوگا۔

''ثُمَّ مُنُّوابِهٖ عَلٰی...... طَالِبِیْهِ لَاتَمْنَعُوْا'' ''هٰذِهِ الرَّحْمَةَ الَّتِی...... وَسِعَتْكُمْ فَوَسِّعُوْا'' اِس عبارت میں حضرت الشیخ نے تین معارف کا افادہ کیا ہے؛

پہلا افادہ:۔ اِس کتاب کے معارف کو ہر ایک کے سامنے نہیں بلکہ اہل اور استفادہ کے خواہش مند حضرات کے سامنے بیان کرنا چاہیے ورنہ نااہل اور بدذوق غافلوں کے سامنے بیان کرنے کا اُلٹا اثر ہوسکتا ہے کیوں کہ انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ جس بات کو وہ نہیں سمجھتا اُسے تسلیم نہیں کرتا جیسا مشہور ہے کہ ''اَلْاِنْسَانُ عَدُوٌّ لِّمَا جَهِلَ'' یعنی انسان جس بات کو نہیں سمجھتا اُس کا دشمن ہوتا ہے۔ اِسی فلسفہ کی بنیاد پر ایسے مسائل بیان کرنے کی اجازت اسلام میں نہیں ہے جو مخاطبین کی سمجھ سے دور ہو حضرت علی المرتضٰی نوراللہ وجہہ الانور نے فرمایا:

''كَلِّمُوا النَّاسَ بِمَا يَتَعَارَفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ''(۱)

لوگوں کے ساتھ اُن کی فہم کے مطابق بات کرو کیا تم گوارا کرو گے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی

(۱) جامع الصغیر مع فیض القدیر، ج:5، ص:27، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت۔

تکذیب کی جائے۔

اِسی فلسفہ کے تحت بزرگانِ دین نے فرمایا:

''لِکُلِّ کَلَامٍ مَقَامٌ وَلِکُلِّ مَقَامٍ رِجَالٌ''

دوسرا افادہ:۔ کتاب کے مندرجات اور اس کے معارف رحمتِ الٰہی کے حصے ہیں جو کسی نا کسی شکل میں جملہ کائنات کو محیط ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ اسے ہر شے کو شامل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ''(۱)

تیسرا افادہ:۔ رحمت کی وسعت اور اس کے استحقاق کے مابین فرق کا کیا ہے کہ رحمتِ الٰہی اپنی جگہ اتنی وسیع ہے کہ بدایۃ ونہایت کی حدود سے بھی ماوراء ہے کیوں کہ وہ اپنے موصوف و محل جو ذاتِ الٰہی ہے کو لازم ہونے کی وجہ سے ازلی وابدی ہے کیونکہ جانب ماضی کے اعتبار سے مسبوق بالعدم نہ ہونے کی وجہ سے ازلی کہلاتی ہے اور جانب مستقبل کے اعتبار سے متناہی نہ ہونے کی بنیاد پر ابدی کہلاتی ہے اور مطلقِ زمان کی قید سے بھی ماوراء ہونے کا مقتضاء یہی ہے کہ اُس کی ازلیت میں ابدیت اور ابدیت میں ازلیت ہو جس وجہ سے سرمدی کہلاتی ہے۔

رحمتِ الٰہی کی وسعت کا یہ مفہوم نہ صرف اِسی کے ساتھ خاص ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ یہ صوفیاء کرام اور اہلِ کشف کا خاص مسئلہ ہے جو کشف والہام کے بغیر کسی پر منکشف نہیں ہوتا بلکہ کشفی ہونے کے ساتھ استدلالی بھی ہے کہ متکلمین اسلام نے اِس پر طرح طرح کے براہین قائم کیے ہیں۔ شرح عقائد وغیرہ میں بیان شدہ مشہور اسلامی عقیدہ ''اَوْصَافُهُ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰی قَدِیْمٌ بِذَاتِهٖ'' جس کا محصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا قدیم، واجب، ازلی، ابدی اور سرمدی ہونا اُس کی ذات کا مقتضا ہے کیوں کہ عقل اِس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ واجب الوجود، قدیم، ازلی، ابدی اور سرمدی ذات کی کوئی وصف غیر واجب یا غیر قدیم یا

---

(۱) الاعراف:156۔

مسبوق بالعدم وحادث ہو یا متناہی ہو کر منقطع ہونے والی ہو حاشا وکلاّ ایسا تصور اہل تقلید کے نزدیک ممکن ہے نہ اہل نظر واستدلال والوں کے نزدیک چہ جائیکہ اہل کشف اِس کا تصور کر سکے۔جبکہ عملی زندگی میں رحمتِ الٰہی کے مستحق ہونے کا مسئلہ اِس سے مختلف ہے کیوں کہ وہ بندوں کے کردار سے متعلق ہونے کی وجہ سے اُسی کے شرح تناسب کے مطابق محدود ہوتا ہے۔

اِسی فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے استحقاق سے قطع نظر صرف اپنی رحمت من حیث الرحمت کی وسعت بیان فرمانے کے بعد اس کے استحقاق پانے والوں کے بارے میں فرمایا:

''فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ''(۱)

اورحدیث شریف میں رحمتِ الٰہی کی تقسیم جو مذکور ہوئی ہے اُس کا تعلق بھی استحقاق کے ساتھ ہے نفس رحمت کے ساتھ نہیں۔ایک صحابی نے دُعا میں ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا'' کہا جس پر اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے ایسا کہنے سے اُسے منع کیا اور فرمایا:

''لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا''(۲)

بے شک تو نے اللہ کی وسیع رحمت کو محدود کیا۔

یعنی رحمتِ الٰہی بجائے خود وسیع ہے جو اہل استحقاق کی تلاش میں ہے جب بھی کوئی اُس کا مستحق ہو جاتا ہے وہ اُسے شامل حال ہو جاتی ہے جسے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔جیسا فرمایا:

''وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا''(۳)

اِسی واقعہ سے متعلق ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے اُس صحابی سے فرمایا:

''لَقَدْ حَظَرْتَ رَحْمَةً وَاسِعَةً اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ رَحْمَةً وَاحِدَةً

(۱) الاعراف:156۔

(۲) بخاری شریف، کتاب الادب ،باب رحمة الناس والبهائم،ج:2، ص:889۔

(۳) بنی اسرائیل:20۔

يَتَعَاطَفُ بِهَا الْخَلَائِقُ جِنُّهَا وَاِنْسُهَا وَبَهَائِمُهَا وَعِنْدَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ"(۱)

اے دُعا کرنے والے بے شک تو نے واسع رحمۃ کو محدود کیا بے شک اللہ تعالیٰ نے سو قسم رحمت پیدا فرمائی ہے جن میں سے صرف ایک قسم اِس جہاں میں نازل فرمائی ہے جس کے سبب سے جن و اِنس سے لے کر بہائم تک خلائق ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں جبکہ ایک کم سو اُس کے خزانہ غیب میں ہیں۔

اِس قسم کی روایات حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے موقف پر واضح دلالت کر رہی ہیں کہ رحمتِ الٰہی کی تقسیم، تقدیم، تاخیر، زیادت و کمی جیسے جتنے بھی تغیرات و تفریقات قرآن و سنت میں مذکور ہوئی ہیں یہ سب کے سب اہل استحقاق کے شرح تناسب کے اعتبار سے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تقسیم کی گنجائش ہے نہ مخلوق ہونے کی اور کمی و بیشی کا تصور ممکن ہے نہ حادث اور متغیر ہونے کا۔

فُصوص الحکم کی اِس عبارت میں حضرت شیخ اکبر نے جس رحمت کو اُس کے مستحقین میں پھیلانے کا فرما رہے ہیں یہ رحمتِ الٰہی کی وہ قسم ہے جو رُموز و اسرار اور معارف سے متعلق ہے جسے الٰہیات کا حصہ بھی کہا جا سکتا ہے جو نبوۃ و رسالت اور اُس کی تعلیمات و احکام سے لے کر علم الموہبت اور عرفان کی ایک ایک شکل کو محیط ہے رحمتِ الٰہی کے استحقاق کے حوالہ سے نا سمجھ دُنیا کے غلط معیار پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا"(۲)

چوتھا افادہ:۔ رحمتِ الٰہی کے ظہور کا کیا ہے، اِس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ اسماء اللہ غیر متناہی ہونے کی طرح صفات اللہ بھی غیر متناہی ہیں بلکہ ہر صفت اپنے اپنے دائرہ میں لا بدایہ ولا

---

(۱) تفسیر روح المعانی، ج:9، ص:77، مطبوعہ بیروت دارالمعرفہ بیروت۔

(۲) الزخرف:32۔

نہایت ہے اِسی طرح اِن کے متعلقات ومظاہر کی بھی کوئی نہایت نہیں ہے اور ہر صفت کا تعلق بھی اپنے مخصوص متعلقات کے ساتھ خصوصی انداز میں ہوتا ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتا مابہ الاشتراک کے اِس انداز کے علاوہ صوفیاء کرام کی ایمانی بصیرت اور اشراقی وجدان کے مطابق جملہ اسماء وصفات میں صفتِ رحمت سب سے مقدم ہے جسے اِسم ذات ''اللہ'' کے بعد باقی تمام اوصاف سے اسبق واقدم اور قرین ذات کہا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں وحدۃِ استحقاقِ عبادت کے حوالہ سے اللہ اور الرحمٰن کو یکساں قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا'' (۱)

اُس میں رحمٰن کو اللہ کے ساتھ یکساں لائق عبادت بتانے اور اِن میں سے کسی بھی عنوان سے اُس وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اِن کو بھی اسماءِ حسنٰی میں شمار کیا گیا ہے جبکہ حسن میں اِس اشتراک کے باوجود کسی دوسرے اِسم وصفت کے عنوان سے عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اِسی طرح قرآن شریف کے دوسرے مقام پر فرمایا ''اُسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ'' (۲) یہ ایسا ہی ہے جیسا فرمایا ''فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا'' (۳)۔

پانچواں افادہ:۔ رحمتِ الٰہی کی وسعت کی طرف کیا ہے کہ یہ اسماءِ الٰہی کے تمام مظاہر کو شامل اور سب کو محیط ہے جس کی تفصیل کو سمجھنے کے لیے عرفاء وکاملین کے مطابق مندرجہ ذیل حقائق کو جاننا ضروری ہے:

❶ ذاتِ الٰہی کی شئون واعتبارات کی نہایت نہیں ہے جیسا آیت کریمہ ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ'' (۴) سے معلوم ہو رہا ہے جبکہ صوفیاء کرام اور خاص کر حضرت شیخ اکبر نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ

---

(۱) الاسراء:110۔

(۲) الفرقان:60۔

(۳) النجم:62۔

(٤) الرحمن:29۔

الشـــریف کے مکتب میں افہام وتفہیم کی سہولت کے لیے مندرجہ ذیل بنیادی مراتب بیان کیے جاتے ہیں، جنہیں اُمہات المراتب کہا جاسکتا ہے جیسے 99 اسماء الحسنٰی میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں لامتناہی اسماء کو شامل ہے۔ اِسی طرح مندرجہ ذیل بارہ مراتب بھی جملہ مراتب اور غیر متناہی شئونات کو محیط ہیں۔

1. ذاتِ الٰہی بشرط لاشئی کے اعتبار سے کہ کسی بھی اسم اور صفت سے مطلق ومعری ہے جسے مرتبہ احدیت، مرتبہ جمع الجمع اور مرتبہ حقیقۃ الحقائق جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے یہ اسم ''ھُو'' کا مرتبہ ہے۔

2. ذاتِ الٰہی لابشرط شئی کے اعتبار سے یعنی کسی بھی اسم وصفت کے اعتبار وعدم اعتبار سے مطلق تصور کیا جاتا ہے جسے مرتبہ الھویۃ، الحقیقۃ الجامعہ الساریۃ فی جمیع الحقائق جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

حاشیتی افادہ:۔ شانِ الٰہی کا یہ رُتبہ مرتبہ ھو کے مقابلہ میں قابلِ فہم ہے جبکہ اُس کی فہم کی قطعاً کوئی سبیل نہیں ہے بلکہ اُس حوالہ سے حیرت ہی حیرت ہے، اُس کے ادراک سے عجز کو ہی ادراک کہا جاتا ہے یعنی ''اَلْعَجزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ'' حدیث شریف میں ذاتِ الٰہی سے متعلق تفکر نہ کرنے کا جو حکم آیا ہے اُس کا مصرف بھی یہی حیثیت ہے جو ''ھُـــو'' کا مرتبہ ہے جبکہ مقام حیرت کے اُس مرتبہ کے سوا باقی مراتب کی پہچان ممکن ہے اِسی وجہ سے عرفاء کاملین نے حسب استعداد سب کی رسائی پائی ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ دوسرے مرتبہ تک رسائی فہم کی سعادت اور اِس کے رموز واسرار کی معرفت نصیب ہونے کے بعد باقی کی پہچان آسان ہو جاتی ہے اِسی فلسفہ کے پیشِ نظر حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی رہنمائی کے لیے اُن کے مرشد حضرت قاضی ابوسعد المخز می المبارک نے رہنما اُصول کے طور پر مستقل کتاب لکھ کر دی جس کا نام التحفۃ المرسلہ ہے جو دستیاب ہے میرے تجربہ کے مطابق سلوک وعرفان کے متلاشیوں کے لیے اُسے سبقاً پڑھنا ضروری ہے۔ حضرت شیخ اکبر نے ذات حق کی اِن تمام بنیادی شئون واعتبارات سے متعلق معارف کی بڑی

روشنی دنیا کو دی ہے اگر ان بنیادی شئون واعتبارات کو اُن کی جملہ تصنیفات کا محور کہا جائے غلط نہ ہوگا تاہم حضرت موصوف کی تحقیقات کا زیادہ حصہ ان دو سے متعلق ہے ان میں سے اولین اعتبار یعنی بشرط لا کے مرتبہ کو جملہ خلائق کے لیے منبع قرار دیتے ہوئے فتوحات مکیہ کے آغاز میں فرمایا:

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِی اَوْجَدَالْاَشْیَآءَ عَنْ عَدَمٍ وَعَدَمِهٖ"

اہل علم جانتے ہیں کہ عدم کا عدم وجود ہوتا ہے اور عدم یہاں پر مطلق ہے لہٰذا اُس کا نقیض یعنی وجود بھی مطلق ہوگا جبکہ الوجود المطلق عین ذات حق ہے جو بشرط لاشئی کے مرتبہ میں ہے۔ اِسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

"سُبْحٰنَ مَنْ اَظْهَرَ الْاَشْیَآءَ وَهُوَ عَیْنُهَا"

پاک ہے وہ ذات حق جس نے جملہ خلائق کو ظاہر کیا دراں حال کہ وہ اُن کا منبع ہے، اصل الاصول ہے اور بنیادو سرچشمہ ہے۔

اور تیسرے مقام پر فرمایا:

کُنَّا حُرُوْفًا عَالِیَاتٍ لَمْ نُقَلْ   مُتَعَلِّقَاتٍ فِی ذُرَی اَعْلَی الْقُلَلِ

اَنَا اَنْتَ فِیْهِ وَنَحْنُ اَنْتَ اَنْتَ هُوَ   وَالْکُلُّ فِیْ هُوَهُوَ فَسَلْ عَمَّنْ وَصَلْ

اِس سے واضح مقصد یہی ہے کہ ذات حق جل جلالہ بشرط لاشئی کے مرتبہ سے ہی سب کے لیے بنیاد و منبع ہے لیکن اِسے سمجھنا ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ اِس کے لیے واصلین بالحق کی صحبت درکار ہے جس سے جھوٹے مدعیان سلوک یکسر محروم ہیں۔ (اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِی نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ)

حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے دوسرے مقام پر شانِ الٰہی کے اس دوسرے اعتبار یعنی لابشرط شئی کی جامعیت اور جملہ خلائق میں اس کے سریان اور سب میں ظاہر، سب میں باطن ہونے کو بیان کرنے کے ساتھ پہلے اعتبار کو نا قابلِ فہم بتاتے ہوئے فرمایا:

حَـقِيْـقَةُ الْـحَقِ لَاتُـحَـدُّ　　　　وَبَـاطِـنُ الـرَّبِّ لَايُـعَـدُّ

فَبَـاطِـنٌ لَايَـكَـادُيَـخْـفٰـى　　　　وَظَـاهِـرٌلَايَـكَـادُيَـبْـدُو

فَـاِنْ يَّـكُـنْ بَـاطِـنًـا فَحَقٌّ　　　　وَاِنْ يَّـكُـنْ ظَـاهِـرًا فَـعَـبْـد

حاشیتی افادہ کے سلسلہ میں کلام قدرے طویل ہو گیا جو ناگزیر تھا کیوں کہ اِن دو حیثیتوں کو علی وجہ البصیرت سمجھنا باقی حیثیات کی فہم کے لیے کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔

3 بشرطِ شئی اِس کی پھر دو قسمیں ہے؛

پہلی قسم:۔تمام اسماء وصفات کے ساتھ مسمّٰی وموصوف تصور کیا جاتا ہے جسے مرتبۃ الاسماء والصفات، مرتبۃ الجمع اور واحدیت جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم:۔کسی ایک چیز کا لحاظ کیا جاتا ہے اِس میں مندرجہ ذیل مراتب ہیں؛

- ذاتِ الٰہی بشرطِ شئی یعنی اِس اعتبار سے کہ کائنات کی صورت نوعیہ اور اُن کی مختلف صفات وتقاضوں کو قبول کرنیوالا ہے جسے قابل اور رب الھیولٰی اور رب الکلیات جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ قرآن شریف کی زبان میں اِسے ''رَقٍ مَّنْشُوْرٍ'' (۱) کہا گیا ہے۔
- بشرطِ شئی یعنی صور نوعیہ کی تاثیرات کو قبول کرنا یہ وہ حیثیت ہے جس کے اعتبار سے خالق وموجد کہلاتا ہے۔
- بشرطِ شئی یعنی من حیث النور ہے اِس اعتبار سے علیم ومدبر کہلاتا ہے اور یہ ''اَللّٰـهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲)، یُدَبِّرُالْاَمْرَمِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ (۳)، یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَاتُخْفِی الصُّدُوْرُ'' (۴) جیسی آیاتِ مقدسہ سے مفاد ہے۔

---

(۱) الطور:3۔

(۲) النور:35۔

(۳) السجدہ:5۔

(۴) غافر:19۔

○ بشرطِ شئ یعنی اشیاءِ محسوسہ غیبیہ کے خالق ہونے کے اعتبار سے، اشیاءِ محسوسہ غیبیہ سے مراد اِس عالمِ ناسوت یعنی اربعہ عناصر کے اِس جہاں کی وہ چیزیں ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئی بلکہ آئندہ اپنے ظہور کے لیے مقررہ اوقات میں ظاہر ہوں گے اُن کا خالق و مصور ہے جس کی ایک جھلک آیت کریمہ ''هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ''(۱) میں پائی جاتی ہے۔

○ بشرطِ شئ یعنی اشیاءِ محسوسہ عیانیہ کے خالق ہونے کے اعتبار سے اِن اشیاء سے مراد بالفعل وجودِ خارجی کے ساتھ موجود اشیاء ہیں، اِس حیثیت سے رب الملک اور الظاہر کہلاتا ہے۔ جس کی ایک جھلک آیت کریمہ ''مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ''(۲) سے ظاہر ہو رہی ہے۔

○ بشرطِ شئ یعنی صورِ علمیہ مفصلہ کے جزئیات متبائنہ کے اصل ہونے کے اعتبار سے اِس حیثیت سے محی و ممیت کہلاتا ہے۔ اِس کی ایک جھلک آیت کریمہ ''يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ''(۳) میں پائی جاتی ہے۔ اِس رُتبے کو لوح المحو والاثبات کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

○ بشرطِ شئ یعنی مطلق صورِ علمیہ کی اصل اور اُن پر متجلی ہونے کے اعتبار سے اِس حیثیت سے رب الاعیان الثابتہ کہلاتا ہے جو اسم ''اَلْبَاطِنِ الْمُطْلَق، اَوَّلُ'' اور ''اَلْعَلِيْم'' جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

○ بشرطِ شئ یعنی جزئیات مفصلہ متبائنہ اپنی کلیات کے واسطہ سے اُس کے ساتھ مربوط ہونے کے اعتبار سے یہ اسم ''اَلرَّحِيْمُ'' کا مرتبہ ہے جسے لوح القدر و القضا اور لوح محفوظ اور

(۱) آل عمران:6۔

(۲) آل عمران:26۔

(۳) الرعد:39۔

کتاب مبین جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جو آیت کریمہ "کُلٌّ فِی کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ "(۱) کی ایک جھلک ہے۔

○ بشرط شیٔ یعنی تمام اشیاء کی کلیات کے لیے اصل الاصول ہونے کی حیثیت سے یہ اسم "اَلرَّحْمٰنُ" کا مرتبہ ہے جو قلم اعلیٰ، روح القدس اور اُم الکتاب جیسے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

شؤون الٰہی کی اِس بنیادی تفصیل سے جہاں متعدد معارف کے دریچے کھلتے ہیں وہاں رحمتِ الٰہی کے عموم وشمول بھی معلوم ہو رہا ہے کیوں کہ تمام اشیاء کی کلیات کے لیے بنیاد و اصل الاصول قرار پانے کے بعد اُن کے تمام جزئیات کو آپ ہی محیط ہوتا ہے جو فرمانِ الٰہی "وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِھِمْ مُّحِیْطٌ "(۲) سے مستفاد ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ کائنات کی کوئی شے کلیات وجزئیات کے دائرہ سے خارج نہیں ہے۔ نیز کلیات سے مراد یہاں پر عام ہے جو کلیات صوفیہ اور کلیات منطقیہ دونوں کو شامل ہیں۔ کلیات صوفیہ وہ جنہیں حضرات الٰہیہ بھی کہا جاتا ہے جن میں:

اول **حضرت الغیب المطلق** ہے یہ اطلاق اللہ تعالیٰ کی نسبت سے نہیں بلکہ خلائق کی نسبت سے ہے کہ جملہ ماسوا اللہ کی نسبت غیب ہے اِس کا عالَم اور مظہر ومصداق اعیان ثابتہ ہیں جنہیں صُور علمیہ بھی کہا جاتا ہے۔

دوسرا **حضرت الشہادۃ المطلقہ** ہے اِس کا عالَم اور مظہر ومصداق عالَم ملک ہے یعنی اربعہ عناصر سے وجود پانے والی جملہ خلائق اپنے خارجی وجود کے ساتھ جنہیں محسوسات کی دنیا بھی کہا جاتا ہے اور عالَمِ ناسوت بھی۔

تیسرا **حضرت الغیب المضاف الاقرب الی الغیب المطلق** ہے اِس کا عالَم عالَم جبروت اور عالَم ملکوت کہلاتا ہے عام اِس سے کہ عالَم شہادت میں یعنی خارجی وجود میں

(۱) ھود:6۔

(۲) البروج:20۔

آنے سے پہلے اعیانِ ثابتہ کی مختلف استعدادات اور مخصوص صورتیں ہوں یا اربعہ عناصر کے اِس عالَم ناسوت میں آنے کے بعد مخصوص حرکات وسکنات اور عقائد واعمال سے باطنی صورت پاکر عالَم غیب اور ملکوت میں محفوظ ہونے والی صورتیں ہوں یہ تعمیم اِس لیے ہے کہ عالَم ملکوت کے دو حصے ہیں:

پہلا حصہ:۔ اعیان ثابتہ کی غیبی استعدادات وجودِ خارجی میں آنے سے قبل۔

دوسرا حصہ:۔ جن کی عملی صورتوں کے عکوس جو عالَم غیب اور ملکوت کو منتقل ہو کر قائم ودائم رہتی ہیں۔

یہ دونوں مجردات کی نسبت سے نہیں بلکہ مادیات کی نسبت سے غیب ہیں جس وجہ سے غیب مطلق نہیں بلکہ غیب مضاف کہلاتے ہیں اور تمام مجردات کو بھی اِن کا ادراک نہیں ہوتا بلکہ صرف وہی انہیں جانتے ہیں جن کی مناسبت اِن کے ساتھ اتم واکمل ہوتی ہے اِس لیے اِن کے غیوب کی جہت اِن کی شہادت کی جہت پر غالب ہے جس وجہ سے انہیں اقرب الی الغیب المطلق کہا جاتا ہے تاہم نفوسِ ناطقہ کے وہ کاملین جو اسفارِ اربعہ سلوک میں سے سفرِ اول مکمل کرنے کے بعد فنا وبقا کے کمال تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اُنہیں کبھی کبھی حسبِ منشاءِ الٰہی اِن پر اطلاع ہوتی ہے لیکن ادراک کا یہ پہلو اُن کے غیوب کے پہلو کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

چوتھا **حضرت الغیب المضاف الاقرب الی الشهادة المطلقه** ہے اِس کا عالَم اور مظہر ومصداق عالَم مثال ہے اِس کا معاملہ تیسری قسم سے برعکس ہے جسے سمجھنا اُس کے مقابلہ میں آسان ہے کیوں کہ اِن کے مابین نسبت تضاد ہونے کی وجہ سے اِس کی پہچان مشہور اُصولِ فطرت "تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا" کے ماتحت ہے، اِس لیے اِس کی تفصیل میں جانا ہم مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔

پانچواں **الحضرة الجامعه** ہے جس کا عالَم اور مظہر ومصداق عالَم انسانیت ہے کیوں کہ

انسان جملہ خلائق اورالکون الجامع کے جملہ اجزاء پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جو عالمِ صغیر کہلاتا ہے مذکورہ چاروں حضرات کو جامع ہے اور یہ جملہ عالَم کی بنسبت ایسا ہے جیسا انسان کے لیے روح کا عمل۔ وصف رحمانیت کے اِس عموم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ''(۱)

حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اِس کے عموم وشمول سے متعلق فرمایا:

''لِاَنَّ الرَّحْمَةَ لَمَّاسَبَقَتِ الْغَضَبَ فِی الْوُجُوْدِ عَمَّتِ الْکَوْنَ کُلَّهٗ وَوَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَلَمَّاجَآءَ الْغَضَبُ فِی الْوُجُوْدِ وَوَجَدَالرَّحْمَةَ قَدْ سَبَقَتْهُ وَلَابُدَّمِنْ وُجُوْدِهٖ فَکَانَ مَعَ الرَّحْمَةِ کَالْمَآءِ مَعَ اللَّبَنِ اِذَاشَابَهٗ وَخَالَطَهٗ فَلَمْ یَخْلُصِ الْمَآءُ مِنَ اللَّبَنِ کَذٰلِكَ لَمْ یَخْلُصِ الْغَضَبُ مِنَ الرَّحْمَةِ''(۲)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ دُنیا کی ہر شے رحمتِ الٰہی کی مرہون منت ہے یہاں تک کہ جن کاموں کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے جانے والے والے قہر و غضب بھی رحمت الٰہی سے خالی نہیں ہوتا کیوں کہ رحمتِ الٰہی وجود کے اعتبار سے غضبِ الٰہی سے سابق ہونے کی بنا پر پوری ہستی کو شامل ہو کر ہر شے کو اپنے اندر سمایا تو اُس کے بعد غضبِ الٰہی وجود میں آ کر دیکھا کہ رحمتِ الٰہی اُس سے پہلے وجود پا چکی ہے جبکہ اِس کا وجود بھی ضروری ہے تو پھر رحمتِ الٰہی کے ساتھ ایسا ہوا جیسا پانی دودھ کے ساتھ مل کر ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ اِسی طرح غضبِ الٰہی بھی رحمتِ الٰہی سے جدا نہیں ہوسکتا۔

فُصُوص الحکم شریف کی مذکورہ عبارت میں حضرت شیخ اکبر نے رحمتِ الٰہی کے جس عموم و شمول کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کی اِس توضیح کے علاوہ اِس سے آسان انداز سے بھی وضاحت کی

(۱) الاعراف:156۔

(۲) الفتوحات المکیہ، ج:3، ص:333، باب:366۔

جاسکتی ہے وہ اِس طرح ہے کہ اِس کائنات میں جو کچھ بھی ہے یہ سب اسماء الٰہی کے مظاہر ہیں یعنی اسماء حسنیٰ میں سے اِسم ذات ''اللہ'' کے علاوہ ہر اسم اپنے اشتقاقی مفہوم کے دائرہ میں اور اُس کے مطابق مخصوص متعلقات کے مقتضی ہے مثلاً اِسم اللہ ''اَلْمُنْتَقِمُ'' جو ''نقم'' یعنی (ن،ق،م) کے مادہ سے اِسی ترتیب کے ساتھ اشتقاق ہوکر ''اَلْمُنْتَقِمُ'' کی خاص صورت میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اِس کا مقتضا اِس کے لُغوی مفہوم یعنی کراہت وانتقام کے دائرہ سے خارج نہیں ہوسکتا ورنہ اللہ تعالیٰ کا وصف ''اَلْمُنْتَقِمُ'' کے ساتھ متصف اور موسوم ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا اور اہل اطاعت کے حوالہ سے منتقم ہونے کا بھی کوئی تصور نہیں ہے تو پھر اس کا مصرف عصاۃ ونافرمانوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے جیسا اِسم ''اَلْمُنْتَقِمُ'' کا مصرف و متعلق عصاۃ ونافرمانوں کے سوا کوئی اور نہیں ہیں اِسی طرح اسم اللہ ''اَلْغَفَّارُ'' کا مصرف و متعلق بھی بخشش کے قابل حضرات کے سوا کوئی اور نہیں ہیں یعنی ہر ایک کے متعلق و مظاہر بنیادی طور پر جدا ہیں اِسی طرح اسم اللہ ''اَلْوَهَّابُ'' کے مظاہر اور اسم اللہ ''اَلْمَانِعُ'' کے مظاہر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں علیٰ ہذا القیاس ہر اسم کا دائرہ عمل وتقاضے دوسروں سے مختلف ہیں اور فرمانِ الٰہی ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَفِي شَأْنٍ ''(۱) کے عین مطابق نہ کسی اسم کے تقاضوں کی کوئی حد ہے نہ اُن کے مظاہر کے وجود میں آنے کی کوئی نہایت ہے بلکہ اُمہات الاسماء (99) اسماء الحسنٰی میں سے ہر ایک کے تقاضوں کے مطابق اِن کے لانہایت ذیلی اسماء اپنے نت نئے جنم پانے والے مظاہر ومصارف میں اثر دکھا کر عالم ظہور سے عالم بُطون کو یعنی اربعہ عناصر کے اِس عالم ناسوت سے عالم ملکوت کو منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ الغرض نہ کسی اسم کی نہایت ہے نہ اُس کے مظاہر ومصارف کی اور یہ سب کے سب شئی کہلاتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اسماء اللہ کی شیئیت اپنے مظاہر میں باطن ہے جبکہ مظاہر کی شیئیت ظاہر ہے۔ نیز ذات حق جل جلالہ پر شے کا اطلاق بھی اسماء کے اعتبار سے ہوتا ہے ورنہ اِن سے قطع نظر یا اِن کے عدم کے اعتبار سے یعنی لابشرط شئی اور بشرط لاشئی کے مرتبہ میں ذات حق کی پہچان ہی ممکن نہیں ہے تو پھر اُسے شیئیت کے

(۱) الرحمن:29۔

لیے موضوع قرار دینے کا کیا جواز ہے؟

حاصل الکلام:۔ اسمآء اللہ اور اُن کے مظاہر کے طبائع، اثرات اور دائرہ کار ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود رحمتِ الٰہی سے خالی ایک بھی نہیں ہے جیسا (اَلْوَھَّابُ، اَلْغَفُوْرُ، اَلنَّافِعُ) جیسے اسمآء اور ان کے مظاہر خالی نہیں ہیں۔ اِسی طرح اِن کے اضداد (اَلْمَانِعُ، اَلْقَھَّارُ، اَلضَّارُ) کو بھی رحمتِ الٰہی سے خالی نہیں کہا جا سکتا فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر میں رحمت کی موجودگی کو ہر شخص سمجھتا ہے کہ اِن میں فائدہ ہی فائدہ اور آسائش ہی آسائش ہے جو رحمتِ الٰہی کا مفاد ہے بخلاف ثانی الذکر کے کہ اِن میں رحمتِ الٰہی کی موجودگی کی پہچان ہر ایک نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص ایک چیز کو اپنے لیے سود مند سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اُس کا سوال کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ وہ اُسے نہیں دیتا جس کے پیچھے اسم اللہ ''اَلْمَانِعُ'' کارفرما ہے اور اِسم ''اَلْمَانِعُ'' کی یہ کاروائی رحمتِ الٰہی کی بنا پر ہے جس کا مکمل فلسفہ قرآن شریف میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

''وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''(۱)

اِس کی مثال ایسی ہے جیسا نافہم بچہ انگارہ ہاتھ میں لینا چاہتا ہے اور اُسے پکڑنے کے لیے روتا ہے لیکن والدین اُس کی مقصد برآری کرنے کے بجائے اُسے منع کرتے ہیں جس کا فلسفہ اُن کے دل میں موجود رافت و رحمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہی حال اسماء اللہ (اَلْقَھَّارُ، اَلضَّارُ، اَلْمُنْتَقِمُ) جیسے تمام اسمآء کا بھی ہے کہ قہرِ الٰہی کا مظہر چاہے کوئی فردِ واحد ہو یا جماعت، دارِ دنیا میں ہو یا دارِ آخرۃ کے حصہ جہنم میں، بہر حال رحمتِ الٰہی سے خالی نہیں ہے اور نہ سہی یہ کیا کم ہے کہ زیادہ سے زیادہ قہر و غضب کرنے اور عذاب دینے پر قادر ہونے کے باوجود اُس سے زیادہ نہیں دیتا جتنا دیا ہے حالاں کہ اِس سے ہزار گنا زیادہ دینا بھی اُس عظیم القدرۃ وحدہ لاشریک کے لیے مقدور تحت القدرت ہے۔ نیز قہاریت و منتقمیت اور اِن کے مظاہر دراصل عدلِ الٰہی کے مظاہرہ ہیں جو رحمتِ

---

(۱) البقرۃ:216۔

الٰہی سے خالی نہیں ہے۔ نیز اسمآءِ الٰہی کی اِن قسموں اور اِن کے مظاہر میں عدل کا اظہار ہونے کے ساتھ مفادِ عامہ کا تحفظ بھی ہے جو رحمتِ الٰہی کی ایک صورت ہے جیسے فرمایا:

''وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ''(۱)

نیز فرمایا:''وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَّ مَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا''(۲)

ایسے میں رحمتِ الٰہی کے عموم اور اسمآءِ الٰہی کے دونوں طبقوں کو شامل ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے جسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت شیخ اکبر نے عبارت کا مذکورہ انداز''هٰذِهِ الرَّحْمَةَ الَّتِي وَسِعَتْكُمْ فَوَسِّعُوْا''اختیار فرمایا ہے جس میں لفظ''هٰذِهِ الرَّحْمَةَ''کے اشارہ سے تین چیزیں مراد ہیں:

پہلی چیز:۔ مفہومِ قریب ہے، جو فصوص الحکم شریف کے مندرجات سے عبارت ہے جو رحمتِ الٰہی کے کرشمے ہیں۔

دوسری چیز:۔ اِس کے مفہومِ بعید ہے جو اِس کتاب کے مندرجات سے مستفید ہونے والے اور علم و عمل کی بدولت رحمتِ خاص کا استحقاق پانے والے خوش بختوں کو شامل ہونے والی رحمت ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ''(۳)

نیز فرمایا:''اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ''(۴)

---

(۱) البقرة:251۔

(۲) الحج:40۔

(۳) الاعراف:156۔

(٤) البقرة:157۔

تیسری چیز:۔ رحمتِ الٰہی کا عمومی مفہوم ہے جس سے کوئی اسمِ الٰہی خالی ہے نہ اُس کا کوئی مظہر بلکہ سب میں جاری اور سب میں موجود عام رحمت ہے جو وصف رحمانیت کی مقتضا ہے۔

حاشیتی افادہ:۔ کتاب کی پیشِ نظر عبارت ''هٰذِهِ الرَّحْمَةَ'' کی توضیح کے سلسلہ میں یہ سب کچھ لکھنے کے بعد مزید اطمینان قلبی کی غرض سے فصوص الحکم شریف کی شروح کی طرف رجوع کیا تو امام الکاملین وقدوۃ الواصلین جامع بین الشریعہ والطریقہ حضرت الشیخ عبدالغنی النابلسی الشامی کو اور فخر العرفاء والمحققین داؤد القیصری کو اپنے اِس موقف کے قریب پایا کہ اول الذکر نے جواہر النصوص میں اِس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اَیِ الْحَضَرٰتِ الْاِلٰهِیَّةِ الَّتِیْ فَصَلْتُمُوْهَا بِاَفْهَامِكُمْ مِنْ مُجْمَلِ هٰذَاالْكِتٰبِ وَ جَمَعْتُمُوْهَافِیْ بَصَائِرِكُمُ الْمُنَوَّرَةِ هِیَ الرَّحْمَةُ الرَّبَّانِیَّةُ الَّتِیْ وَسِعَتْكُمْ وَجَمِیْعَ الْمَخْلُوْقَاتِ كَمَاقَالَ تَعَالٰی ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ فَوَسِّعُوْابِهَا عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِهٰذِهِ الطَّرِیْقَةِ الَّتِیْ شَرَحْتُهَا لَكُمْ فِیْ هٰذَاالْكِتٰبِ وَلَا تُضَیِّقُوْاعَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ''(۱)

اور ثانی الذکر نے لکھا ہے:''اَیْ هٰذِهِ الْاَسْرَار وَالْمَعَانِی فَاضَتْ عَلَیْكُمْ مِنَ اللّٰهِ رَحْمَةً مِنْهُ عَلَیْكُمْ وَسِعَتْكُمْ وَشَمَلَتْكُمْ فَوَسِّعُوْااَنْتُمْ اَیْضًا تِلْكَ الرَّحْمَةَ عَلَی الطَّالِبِیْنَ لِتَكُوْنُوْا شَاكِرِیْنَ لِنِعَمِهٖ،مُؤَدِّیْنَ لِحُقُوْقِهٖ مُقْتَدِیْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ فِیْمَا قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ وَارْزُقْ اُمَّتِیْ فَتَلْحَقُوْابِالْوَارِثِیْنَ''(۲)

اِن دونوں کا موازنہ کرنے سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اول الذکر نے اِس سے مراد مفہومِ قریب اور مفہوم البعد دونوں لیا ہے کیوں کہ ''فَصَلْتُمُوْهَابِاَفْهَامِكُمْ مِنْ مُجْمَلِ هٰذَا الْكِتٰبِ'' کے الفاظ مفہوم قریب میں صریح ہیں اور اِس کے بعد کے الفاظ ''وَسِعَتْكُمْ وَجَمِیْعَ

---

(۱) جواھر النصوص، ج:1،ص:52،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت۔

(۲) شرح دائود القیصری، ج:1،ص:3-2،مطبوعہ مکتبہ بوستان کتاب، قم ایران۔

اَلْمَخْلُوْقَات'' مفہوم ابعد میں صریح ہے ورنہ جمیع المخلوقات کہنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہتا۔ کیوں کہ جمیع المخلوقات کو شامل ہونے والی رحمت وہی ہے جو وصفِ رحمانیت کی مقتضا ہے اور تمام اسمآء الٰہی اور اُن کے جملہ مظاہر کو شامل ہے جو یہاں پر کتاب کے سیاق وسباق کی روشنی میں دوسرے مفہوم سے بھی بعید ہے جس وجہ سے ہم نے اُس کی تعبیر مفہومِ ابعد سے کی ہے۔ جبکہ ثانی الذکر کی مذکورہ عبارت مفہوم قریب میں صریح ہے جس میں دوسرے یا تیسرے مفہوم کا احتمال ہی نہیں ہے۔ ایسے میں اِن دونوں کو ہمارے موقف سے قریب کہے بغیر نہیں رہا جاتا کیوں کہ ہم نے متن کے مذکورہ اشارہ ''هٰذِهِ الرَّحْمَةَ'' کو تینوں کو شامل قرار دیا ہے جو سیاق وسباق کی روشنی میں احتمال قریب، بعید اور ابعد کہلانے کے زیادہ مناسب ہیں۔

حاشیتی افادہ کے اِس اضافہ کے بعد مذکورہ عبارت کے اجتماعی مفاد و مقصد کی توضیح اِس طرح ہوگی کہ پہلے احتمال کی صورت میں اِس سے مصنف کا مقصد کتاب کے مندرجات کو اُن کے اہل اور استفادہ کرنے کے درپے حضرات سے منع نہ کرنے کی نصیحت کرنا ہے کیوں کہ رحمتِ الٰہی کے اِن کرشموں کو جیسا نااہلوں کے سامنے بیان کرنا ظلم و ناجائز اور ممنوع ہے اِسی طرح اہل کو نہ بتانا یا اُن سے چھپانا اور بُخل کرنا بھی ظلم و ناجائز اور ممنوع ہے جبکہ رحمتِ الٰہی کے یہ کرشمے ہر اہل کو شامل ہونے کے مقتضی ہیں اور دوسری صورت میں مقصد کسی بھی طالبِ حق اور اپنی قوتِ فکری و عملی کے کمال کی بدولت رحمتِ الٰہی کی اِس قسم کا استحقاق پانے والوں سے منع اور بخل کرنا ظلم و ناجائز کہنا ہے اور تیسری صورت سے مقصد اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت جو جملہ اسمآئے الٰہی اور اُن کے تمام مظاہر کو شامل ہونے سے بخل و انکار نہ کرنے کی نصیحت ہے کہ قہار، مانع اور الضار جیسے اوصاف و اسمآء الٰہی اور اُن کے مظاہر بھی رحمتِ الٰہی سے خالی نہیں ہیں تو پھر کسی بھی مخلوق کو محروم الرحمۃ کہنے کا جواز نہیں بنتا۔ ہاں عرف کی بات جدا ہے کہ کسی کو مرحوم اور کسی کو مغضوب کہا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں غضب الٰہی کی کوئی ایک صورت بھی رحمتِ الٰہی سے خالی نہیں ہے اِسی فلسفہ کے مطابق حضرت

ابو یزید البسطامی نے آیت کریمہ ''اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ'' (۱) سن کر کہا:

''بَطْشِي اَشَدُّ مِنْ بَطْشِهٖ لِاَنَّ بَطْشَهٗ مَشُوْبٌ بِالرَّحْمَةِ وَبَطْشِي لَا رَحْمَةَ فِيْهِ'' (۲)

اِس کے علاوہ کتاب کی مذکورہ عبارت کی ایک توضیح اِس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ اس مشارٌ الیہ یعنی رحمتِ الٰہی سے متعلق جو کہا گیا ہے کہ ''وَسِعَتْكُمْ'' یہ قرآن شریف سے اقتباس ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ'' (۳) جبکہ رحمتِ الٰہی کے حوالہ سے یہ آیت کریمہ صنعت استخدام کے قبیل سے ہے کہ اِس کے اول حصہ یعنی ''وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ'' کے ضمیر فاعل سے مراد عام رحمتِ الٰہی ہے جو رحمانیت کی مقتضا ہے اور ہر شے کو شامل ہے جس کے بعد ''فَسَاَكْتُبُهَا'' کے ضمیر مفعول بہ سے مراد وہ نہیں بلکہ رحمتِ الٰہی کی خاص قسم ہے جو انسانوں کے اختیاری اعمال سے حسب استحقاق متعلق ہوتی ہے اور مقتضائے رحیمیت ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ اقتباس ہمیشہ مقتبس عنہ کے مطابق ہوتا ہے فصوص الحکم شریف کی مذکورہ عبارت میں بھی ایسا ہی ہے۔ اِس میں اور آیت کریمہ کی صنعتِ استخدام میں جو فرق ہے وہ صرف ترتیب کا ہے کہ آیت کریمہ میں ضمیرِ عام پہلے اور ضمیرِ خاص بعد میں ہے جبکہ فصوص الحکم کی اِس عبارت میں خاص پہلے اور عام المراد ضمیر بعد میں ہے جو کسی بھی بلاغت شناس سے پوشیدہ رہنے کی چیز نہیں ہے۔

آیت کریمہ سے اقتباس کی روشنی میں فصوص الحکم شریف کی مذکورہ عبارت کی ایک آسان توضیح اِس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ بشمول انسان تمام کائنات یعنی جمیع مافی الکون اسماءِ الٰہی کی مرہونِ منت ہے کیوں کہ وہ اِن میں موثر ہیں جس وجہ سے اِن کے مابین ظاہر و مظہر کی نسبت ہے جس کے مطابق اسماء اللہ ظاہر اور خلائق اُن کے مظاہر ہیں لیکن ظاہر و مظہر کا یہ ربط ایسا نہیں ہے کہ

---

(۱) البروج: 12۔

(۲) مقدمہ جواهر النصوص، ج:1، ص:53، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

(۳) الاعراف:156۔

ظاہر ہونے کی حیثیت سے اسمآ ءاللہ محسوس ہو سکے یا اُن کے عمل کا مشاہدہ ہو سکے، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہاں پر معاملہ برعکس ہے کہ مظاہر محسوس کیے جاتے ہیں جبکہ اِن میں ظاہر کہلانے والے اسمآ ءاللہ باطن ہوتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا خود ذاتِ حق ﷻ جملہ خلائق میں ظاہر اور تمام خلائق اُس کے مظاہر ہیں، ظاہر ایسا کہ کبھی محسوس نہیں ہوتا اور مظہر ایسا کہ کبھی باطن نہیں ہوتا۔ اِس حقیقت کی عکس بندی کرتے ہوئے حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے فرمایا:

حَقِیْقَۃُ الْحَقِّ لَاتُحَدُّ ‏ وَبَاطِنُ الرَّبِّ لَایُعَدّ

فَبَاطِنٌ لَایَکَادُیَخْفٰی ‏ وَظَاھِرٌ لَایَکَادُیَبْدُو

فَاِنْ یَّکُنْ بَاطِنًا فَحَقٌّ ‏ وَاِنْ یَّکُنْ ظَاھِرًا فَعَبْد

نیز ذاتِ حق ﷻ اپنے اسمآ ء میں ظاہر اور اسمآ ء اُس کے لیے مظاہر ہیں اِسی طرح اسمآ ء صفاتِ الٰہی میں ظاہر اور صفاتِ الٰہی اُن کے لیے مظاہر ہیں۔ نیز اوصافِ الٰہی جملہ خلائق میں ظاہر اور خلائق اُن کے لیے مظاہر ہیں جبکہ اسمآ ء وصفات مصداق کے اعتبار سے اپنے موسوم وموصوف کے عین ہیں جس وجہ سے ذاتِ حق ﷻ کو جملہ خلائق میں ظاہر اور خلائق کو اُس کا مظہر کہا جاتا ہے جو اسمآ ء وصفات کے اعتبار کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ نیز انسان کے ماسوا جملہ خلائق کی مختلف اقسام میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ اسمآ ءاللہ کی انفرادی قسموں کے مظاہر ہیں جبکہ نوعِ انسان تمام اسمآ ء اللہ کی اجتماعیت کا مظہر ہے جس وجہ سے اِسے عالمِ صغیر، صورت الحق، خلاصۃ الکون اور الحقیقۃ الجامعہ لجمیع انواع الخلائق جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ توجسدِ عنصری کی قید میں مقید انسان کا حال ہے جس کے فردِ اعلیٰ اور اصل الاصول حضرت آدم علیہ السلام ہیں جس کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ"

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ صورت الرحمٰن ﷻ کا تصور اُس کے اسمآ ء الحسنٰی کے تصور کے بغیر ممکن

نہیں ہے جبکہ تمام اسمآ ءالٰہی کی اجتماعیت کا مظہر ہونے کا شرف اِسی مقید انسان کے ساتھ خاص ہے کہ اِس کے سوا جتنے بھی خلائق ہیں وہ انفرادی طور پر ایک ایک اسمآ ءالٰہی کے مظاہر ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ کہ انسان کے ماسوا جتنے بھی خلائق ہیں چاہے علویہ ہو یا سفلیہ۔ مجردات ہو یا مادی، کثیف ہو یا لطیف اور ظاہر ہو یا باطن وہ سب کے سب اِس انسان کی تفصیل ہیں جبکہ یہ تنہا اُن سب کا خلاصہ، سب کے حقائق کو جامع اور سب کی تاثیرات کے حامل ہے جس وجہ سے اِسے عالَم صغیر اور اُن سب کے مجموعہ عالَم کو عالَم کبیر کہا جاتا ہے۔ اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ نور اللہ وجہہ الانور نے فرمایا:

دَاؤُكَ فِيْكَ وَمَا تَشْعُرُ   وَدَوَائُكَ مِنْكَ وَمَا تُبْصِرُ

وَتَزْعَمُ اَنَّكَ جَرْمٌ صَغِيْرٌ   وَفِيْكَ انْطَوٰى الْعَالَمُ الْكَبِيْرُ

فَاَنْتَ الْكِتٰبُ الْمُبِيْنُ الَّذِیْ   بِاَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ (۱)

اور حضرت شیخ اکبر نے خود کو انسان کامل کے افراد میں سے ایک فرد اور عالَم صغیر کی ایک شکل ہونے کی حیثیت سے فرمایا:

اَنَا الْقُرْآنُ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِیْ   وَرُوْحُ الرُّوْحِ لَارُوْحُ الْاَوَانِیْ

فُؤَادِیْ عِنْدَ مَشْهُوْدِیْ مُقِيْمٌ   يُشَاهِدُهٗ وَعِنْدَكُمْ لِسَانِیْ

جسد عُنصری کی قید میں مقید انسان کا جب یہ عالَم ہے تو پھر قید و بند کی اِن حدود سے ماوراء انسان کا کیا عالَم ہوگا جو بلا واسطہ ذاتِ حق کا مظہر ہے جسے تعینِ اول کا مظہر بھی کہا جاتا ہے یعنی حقیقت محمدیہ جس کا ثبوت تعین ثانی یعنی اسمآ ءالٰہی کے تعین سے بھی پہلے ہے جس وجہ سے حضرت شیخ اکبر نے اسے اصل الاصول قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

(۱) شرح فصوص الحکم لداؤد القیصری، حصہ مقدمہ، ج:1، ص:112، مطبوعہ بوستان کتب قم ایران۔

"مُحتِدُ التِسعَةِ وَ التِسعِینَ" (۱)

ذاتِ الٰہی کے تعینِ اول کا مظہر ہونے کے ساتھ تمام اسمآ ءالٰہی سے عام اور سب کو شامل اِسم "اَلرَّحمٰنُ" کی اشتقاقی حیثیت سے بھی پہلے بلکہ اِس کے لیے بھی اصل ہے کیوں کہ حضرت شیخ اکبر کی المناقب والی عبارت "مُحتِدُ التِّسعَةِ وَ التِسعِینَ" میں اِسم ذات "اللہ" کے بعد اسم "اَلرَّحمٰنُ" باقی سب سے مقدم اور سب سے اصل اور کسی نہ کسی انداز میں سب کو محیط ہے جیسا فرمانِ الٰہی "وَرَحمَتِی وَسِعَت کُلَّ شَیْءٍ" (۲) سے مفہوم ہو رہا ہے کیوں کہ لفظ "شَیْءٍ" اپنے عموم کی بنا پر تمام اسمآ ءالٰہی کے مظاہر کو شامل ہے جب سب کو شامل ہے تو پھر اسم "اَلرَّحمٰنُ" کے جملہ مظاہر کو بدرجہ اُولیٰ شامل ہوگا۔ ایسے میں حقیقت محمدی میں مضمر رحمتِ الٰہی کے احاطہ وشمول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت شیخ اکبر نے عبارت کا مذکورہ انداز "لَا تَمنَعُوا هٰذِهِ الرَّحمَةَ الَّتِی وَسِعَتکُم فَوَسِّعُوا" اختیار فرمایا جس کے ایک نہیں بلکہ تین رُخ ہیں:

پہلا رُخ:۔ اِس کتاب کے مندرجات فیضِ اقدس کے ثمرات ہیں۔

حاشیتی افادہ:۔ فیضِ اقدس حضرت شیخ اکبر کی زبان میں ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلی ذاتی کو کہتے ہیں جو تعین اول کے ساتھ مربوط ہے جس کی مستحقین تک رسائی کا واحد ذریعہ اِسم ذات "اللہ" کے مظہر "حقیقتِ محمدی" کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اِس کے مقابلہ میں فیضِ مقدس کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو اسمآ ءالٰہی کے تصرف اور اُن کے واسطہ سے مستحقین تک پہنچنے والے مواھب الیہ کا نام ہے۔ کتاب کی مذکورہ عبارت کے اِس پہلو پر دلیل اُس کے لفظ "اَلَّتِی وَسِعَتکُم" ہے جو قرآن شریف کے الفاظ "وَرَحمَتِی وَسِعَت کُلَّ شَیْءٍ" سے اقتباس ہونے کی بنا پر اس سے مراد بھی وہی ہے جو ضمیر مضاف الیہ "اللہ تعالیٰ" کی طرف مضاف ہے۔ عرفان آشنا حضرات جانتے ہیں کہ ذاتِ حق جل جلالہ کی طرف منسوب ہونے والی رحمت فیض اقدس اور اِسم صفتی "اَلرَّحمٰنُ" کی

---

(۱) المناقب، للشیخ الاکبر، ص:4، مطبوعہ بیدقم ایران۔

(۲) الاعراف:156۔

طرف منسوب ہونے والی رحمت فیض مقدس کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

کتاب کی مذکورہ عبارت کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ یہاں پر فیض اقدس امر یقینی ہونے کے ساتھ فیض مقدس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اسمآء صفاتیہ کے زمرہ میں اسم ''اَلرَّحْمٰنُ'' ذاتِ الٰہی کو ہمہ جہت لازم ہے ایسا ہی جیسا ذات حق کو اِسم ذاتی ''اللہ'' لازم ہے۔ نیز حقیقتِ محمدی میں دو(۲) اعتبار ہیں:

پہلا:۔ وہ تعین اول یعنی اسم جلالت کی مظہر ہے اِس اعتبار سے عالَم امر اور عالَم خلق کے مابین برزخ ہے اور تمام اسمآء اللہ کے مظاہر یعنی خلائق میں ساری ہے اور سب کی جان ہے یہ وہ مرتبہ ہے جسے عالَم کبیر یعنی جملہ کائنات میں سُریان کے حوالہ سے عقل اول، قلم اعلیٰ، لوح محفوظ، اُفق مبین، نور، الحقیقۃ الجامعہ، الروح الاعظم النفس الکلیہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے حدیث شریف ''کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ'' ارشاد ہوئی ہے اور اِسی اعتبار سے بشمول آدم علیہ السلام جملہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے بھی اصل الاصول اور سب کے مُمد اور سب کے مربی تھے جیسا کہا گیا ہے:

وَ کُلّ آیٍ اتیٰ الرُّسلُ الکرام بِھَا اِنَّمَا اتصلَتْ مِنْ نُوْرِہٖ بِھِم

اِسی طرح عالَمِ صغیر یعنی نفوس انسانیہ میں ساری ہونے کے حوالہ سے بھی مختلف حیثیات اور اُن کے مطابق مختلف نام ہیں جن میں سے (السر، الخفی، الاخفی، روح، قلب، فُواد، صدر، عقل، نفس، کلمہ، رُوع) جیسے چند نام و حیثیات مشہور ہیں۔ حقیقت محمدی کا اولین وآخرین میں یہ سُریان اور اعیان ثابتہ کے غیوب سے لے کر عالَم شہادت کے اِس ظہور تک یہ سب کچھ رحمت ہی رحمت ہے جو عرشِ الٰہی سب پر محیط ہونے کی طرح اولین سے لے کر آخرین تک سب پر محیط ہو رہی ہے۔

اِس اعتبار سے حقیقتِ محمدی ﷺ جسدِ عُنصری اور اُس کے جملہ لوازمات سے ماوراء ہے نبی اکرم سید عالم ﷺ نے اِسی کے متعلق فرمایا ہے:

''اِنِّی لَسْتُ مِثْلَکُمْ''(۱)

بے شک میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

جبکہ دوسرے اعتبار سے متعلق آیت کریمہ ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ''(۲) فرمایا گیا ہے۔

اِس پہلے اعتبار کے مقابلہ میں **دوسرا اعتبار** جسد عنصری اور آدمیت کے لوازمات میں مقید ہونے کا ہے اِن دونوں کے مابین سب سے بڑا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ اعتبارِ اول حضرات الٰہیہ خمسہ کے زمرہ میں الغیب المطلق کے قبیل سے ہے جبکہ اعتبار ثانی الشہادۃ المطلقہ کے قبیل سے ہے۔ نیز رحمت ہونے کے حوالہ سے بھی فرق ہے کہ اول کی رحمت کلیاتِ خمسہ یعنی الغیب المطلق، الشہادۃ المطلقہ، الغیب المضاف الاقرب الی الغیب المطلق، الغیب المضاف الاقراب الی الشہادۃ المطلق، الحضرت الجامعہ (حضرت الانسان) اِن سب کو محیط ہے جبکہ دوسرے اعتبار کی رحمت بشمول حضرت الانسان الشہادۃ المطلقہ کے ساتھ خاص ہے۔ جس کی صرف ایک جھلک یعنی رسالت سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ''(۳) فنِ اعراب سے آگاہی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہاں پر اعراب کے حوالہ سے بنیادی احتمالات تین ہیں:

پہلا احتمال:۔ اعم الاحوال سے استثنٰی ہے اور رحمةً ضمیر فاعل سے حال ہے جس کے مطابق محصل عبارت یوں ہوگی ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ فِی حَالٍ مِن اَحْوَالِی وَشَانٍ مِنْ شُئُوْنِی اِلَّا حَالَ کَوْنِی رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ''

دوسرا احتمال:۔ ضمیر منصوب سے حال ہوگا جس کے مطابق محصل عبارت یوں ہوگی ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ فِی حَالٍ مِن اَحْوَالِكَ وَشَانٍ مِنْ شُئُوْنِكَ اِلَّا حَالَ کَوْنِكَ رَاحِمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ'' اِن دونوں صورتوں میں اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کی رحمت کا عموم اور جمیع خلائق

---

(۱) بخاری شریف، ج:1، ص:263، کتاب الصوم، باب صوم الوصال۔

(۲) الکہف:110۔

(۳) الانبیاء:107۔

کو شامل ہونا کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

تیسرا احتمال:۔ ''الا'' کا استثنیٰ اعم الاحوال سے نہیں بلکہ اعم العِلَلِ والمقاصد سے ہے جس کے مطابق محصل عبارت یوں ہوگی ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ لِمَقْصِدٍ مَا اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' ترکیب کا یہ انداز مشہور مثال ''مَاضَرَبْتُکَ اِلَّا تَادِیْبًا'' کے قبیل سے ہوگا جس کے مطابق وصفِ رسالت سے واحد مقصد جملہ خلائق کو رحمۃ و آرام اور آسائش و راحت پہنچانا ہے اِس صورت میں رحمتِ نبوی ﷺ کا عموم اور جملہ خلائق کو شامل ہونا پہلی دو صورتوں سے بھی زیادہ واضح ہے جبکہ فصوص الحکم شریف کے مندرجات عطیہ نبوی ﷺ ہونے کی حیثیت سے اِس کے عموم وشمول میں داخل ہیں جو کتاب کی پیشِ نظر عبارت ''هٰذِهِ الرَّحْمَةَ الَّتِی وَسِعَتْکُمْ فَوَسِّعُوا'' کا واضح مفاد ہے۔

اِس کے علاوہ کتاب کی مذکورہ عبارت کا **تیسرا رُخ** اِسے وجود میں لانے کے فلسفہ پر مشتمل ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فصوص الحکم کی شکل میں یہ سب کچھ عطا فرمانے کے بعد اس سے لوگوں کو مستفیض کرنے کا جو حکم فرمایا، حکمِ نبوی ﷺ کا یہ انداز اپنی جگہ مستقل رحمۃ ہے اور اُن تمام حضرات کو شامل ہے جو اِس سے مستفیض ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں جیسا فرمایا ''ثُمَّ مُنُّوا بِهِ عَلٰی ...... طَالِبِيهِ لَا تَمْنَعُوا'' یعنی اہل پر سخاوت کرنا اور نا اہلوں سے چھپانا بھی رحمت ہے اہل کو بتانا اور اُنہیں مستفیض ہونے کا موقع دینا اِس لیے رحمت ہے کہ وہ اِس کے انوار سے اپنے سینے منور کرتے ہیں جبکہ نا اہلوں سے چھپانے میں اُن پر شفقت ہے کہ انکار کر کے گناہ گار ہونے سے بچیں کیوں کہ مشہور اُصولِ فطرت ''اَلْاِنْسَانُ عَدُوٌّ لِّمَا جَهِلَ'' سے مفر کسی کو بھی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ شفقت بھی رحمت کی خاص قسم ہے جس کا تعلق دفعِ مضرت سے ہے۔ گویا کتاب کے جملہ مندرجات رحمت ہونے کی طرح اُن سے متعلق اہل کو بتانا اور نا اہلوں سے چھپانا بھی رحمت ہے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ خطبہ کی جس حد تک ہم نے وضاحت کی اِسے سمجھ کر پڑھنے والوں کے لیے فُصوص کے مندرجات کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

آخر میں قارئین کی آگاہی کے لیے اِس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے تجربہ کے مطابق اِس کتاب کا خطبہ ہی جملہ فُصوص کو سمجھنے کی بنیاد ہے اخلاص کے ساتھ اسے علیٰ وجہہ البصیرت سمجھ کر پڑھنے والوں کو آگے چل کر کسی بھی فص میں مشکلات کا سامنے نہیں رہے گا۔ حضرت امام المکاشفین شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ مَرقَدَہُ الشَّرِیف کے جانشین اور اُن کے تربیت یافتہ و بلا واسطہ شاگرد صدرالدین قونوی جو مولانا جلال الدین رومی اور شیخ نصیرالدین طوسی جیسے متالہین کے مرشد و رہنما بھی ہیں اُنہوں نے بھی حضرت شیخ اکبر سے حصہ خطبہ ہی پڑھا تھا جس کی بدولت جملہ فُصوص کے تمام عُقدے اُن پر کُھل گئے جس کا اعتراف اُنہوں نے فکوک شرح فصوص میں کیا ہے جو حضرت شیخ اکبر کی وفات کے بعد اِس کتاب پر لکھی گئی اولین شرح ہے۔ اِس سلسلہ میں حضرت امام قونوی نَوَّرَاللّٰہُ مَرقَدَہُ الشَّرِیف کے اپنے الفاظ ہیں:

"مَعَ اَنِّیْ لَمْ اَسْتَشْرِحْ مِنْ هٰذَا الْكِتٰبِ عَلٰى مُنْشِئِهٖ ﷺ سِوٰى الْخُطْبَةِ لَا غَيْرَ لٰكِنْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَىَّ بِبَرَكَتِهٖ اَنْ رَزَقَنِیْ مُشَارَكَتَهٗ فِى الْاِطِّلَاعِ عَلٰى مَا اطَّلَعَ عَلَيْهِ وَالْاِسْتِشْرَافَ عَلٰى مَا اَوْضَحَ لَدَيْهِ وَالْاَخْذَ عَنِ اللّٰهِ دُوْنَ وَاسِطَةٍ سَبَبِيَّةٍ بَلْ بِمَحْضِ عِنَايَةٍ اِلٰهِيَّةٍ وَرَابِطَةٍ ذَاتِيَّةٍ يَعْصِمُنِیْ فِيْمَا اُوْرِدُهٗ" (۱)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ باوجود اِس کے کہ میں نے کتاب کے مصنف سے اِس کے خطبہ کی تشریح کے سوا کسی اور حصہ کی تشریح نہیں پڑھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس کی برکت سے مجھ پر فضل کیا کہ جن رُموز و اسرار پر اُنہیں مطلع کیا گیا تھا اور جو باریک مسائل اُن پر واضح کیے گئے تھے اُن سب میں مجھے اُن کے ساتھ مشارکت کی توفیق بخشی بلکہ یہ سب کچھ محض عنایتِ الٰہی اور روحانی ارتباط کا نتیجہ ہے جو اُن تمام مسائل میں مجھے بے اعتدالی سے بچاتا ہے جو اِس شرح میں درج کر رہا ہوں۔

---

(۱) فکوک شرح فصوص، مطبوعہ استشارات مولیٰ تہران۔

فُصوص الحکم شریف کے مندرجات سے مستفیض ہونے کے درپے حضرات پر یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کہ اِس کتاب کا کوئی مسئلہ نا قابلِ حل اور ماوراء الفہم نہیں ہے۔ میں ایمانی بصیرت اور کامل یقین سے کہتا ہوں کہ جن حضرات نے اِس کے کچھ مندرجات پر اعتراض اُٹھائے ہیں وہ حضرت شیخ کے مقصد تک نارسائی کا نتیجہ ہے کیوں کہ اُصولِ فطرت ''اَلْاِنْسَانُ عَدُوٌّ لِمَا جَهِلَ'' کے تقاضوں سے بچنا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔ میں نے حضرت الشیخ کی تحقیقات بالخصوص الفتوحات المکیہ اور فصوص الحکم شریف سے استفاضہ کے حوالہ سے اپنے پچاس سالہ تجربہ میں یہ دیکھا ہے کہ اِن کی حقیقت تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ موقوعلیہ علوم وفنون پر مکمل عبور حاصل ہو ورنہ خرط القتاد کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ نیز اسرار ومعارف کے اِن انوار سے اپنا سینہ منور کرنے کے لیے جز ووقتی نہیں بلکہ ہر وقت شیخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے اور مطالعہ میں انہماک کا یہ عمل بھی عزم بالجزم کے ساتھ ہو جن حضرات نے اِن شرائط کے ساتھ حضرت شیخ اکبر کی کتابوں سے اور خاص کر الفتوحات المکیہ اور فُصوص الحکم شریف سے استفادہ کی کوشش کی اُنہیں اُن کے اوقات سے بھی زیادہ روشنی ملی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو فُصوص الحکم شریف کا ایک ایک مسئلہ بر سرِ منبر بیان کروں اور ہر مسئلہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے پیش کروں۔ اِس سلسلہ میں اُن کے ہونہار بیٹے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریر اس طرح ہے:

> ''حضرت ایشان شیخ محی الدین ابن عربی را بسیار تعظیم می کردند ومی فرمودند اگر خواہم فصوص را بر سر منبر تقریر کنم وجمیع مسائل آن را بآیات واحادیث مبرہن سازم وبوجہی بیان نمایم کہ ہیچ کس را شبہہ نماند''(۱)

---

(۱) انفاس العارفین، ص:80، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کچہری روڈ ملتان۔

خطبہ سے متعلق جہد المقل کی اِس کاوش کے بعد کتاب کی تشریح شروع کرنے سے پہلے فُصوص الحکم شریف کی فہم میں ہماری اِس کاوش سے استفادہ کرنے والے حضرات سے ملتمس ہوں کہ ہماری اِس پیشکش سے استفادہ کرنے کے بعد اپنی دُعاؤں میں ہمیں نہ بھولیں۔

والسلام

وَاَنَاالعَبدُ الضَّعِیفُ

پیر محمد چشتی

10 ستمبر 2014

☆☆☆☆☆

﴿انتظار کی گھڑیاں ختم﴾
علم وعرفان اور خاص کر سلوک وتصوف کے ساتھ دل چسپی رکھنے والے جملہ اہل بصیرت کی آگاہی
کے لیے اظہار کیا جاتا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ پیر طریقت رہبر شریعت استاذ العلماء والمشائخ
شیخ المشائخ مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ
کی معرکۃ الآراء تصنیف
اَلْاِرْشَادُ وَالْاِسْتِرْشَادُ فِی الْاِسْلَامِ
پیری مریدی کی شرعی حیثیت
شائع ہو کر مارکیٹ میں آچکی ہے۔500 صفحات کی اِس کتاب میں:
(۱) شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت کی جدا جدا حقائق ومظاہر واضح کیے گئے ہیں۔
(۲) فرضی سلوک اور نفلی سلوک کی جدا جدا حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔
(۳) فلاحِ تقویٰ اور فلاحِ احسان کی حقیقتوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔
(۴) پیری مریدی کی اصل حقیقت اور اُس سے غرض وغایت کا دورِ حاضر کے افسردہ رواج کے ساتھ تقابل کر کے اصل کو نقل کی غلاظت سے بچانے کی تدبیر بتائی گئی ہے۔
(۵) منازلِ سلوک کی تعداد اور اُن کی از اول تا آخر حقیقت اور عملی مشق وتمرین کی سبیل واضح کی گئی ہے۔
(۶) حضرت علی ہجویری نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کی کشف المحجوب اور حضرت عبداللہ الانصاری (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ) کی صد میدان کے بعد حضرت مولانا پیر محمد چشتی علیہ الرحمہ کی یہ تصنیف اصل ونقل کے مابین وہ حدِ فاصل ہے جسے پڑھنے کے بعد متلاشیانِ عرفان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ دجل کاروں سے بچنے کی توفیق ملنے کے ساتھ اصل کی پہچان میسر آجاتی ہے۔
• تقویٰ کی حقیقت 36
• سلوکِ تقویٰ اور سلوکِ احسان 45
• مرشد خاص کا معیار 48
• اولیاء اللہ کے طبقات کی پہچان 54
• کیا ہر ولی اللہ پیر ومرشد ہو سکتا ہے 58
• سچے اولیاء اللہ کی پہچان 63
• حقیقی پیر ومرشد اور مرید صادق کے لیے 96
• جعلی پیروں کو پذیرائی ملنے کے اسباب 104
• ولی اللہ ہونے کے لیے مخصوص لباس ضروری ہے نہ مزار 114
• جعلی پیروں کی وجہ سے طریقت کی بدنامی 145
• منازلِ سلوک 154
• کشف المحجوب سے مغالطہ کا ازالہ 239
• جعل سازوں کے خلاف اہلِ حق کا کردار 283
• شریعت، طریقت، معرفت 297
• مقاماتِ تصوف 304
• ناقص پیر کی بیعت حرام 338
• علماءِ حق پر جاہل پیروں کو ترجیح دینے کا عمل 403
• علماءِ سوء اور مشائخِ سوء کا موازنہ 435
• حقیقی اور عوامی کرامت کا موازنہ 443
• جعلی پیروں کے مختلف طریقۂ واردات 450
• علمِ لدنی کی حقیقت 490

الرسائل والمسائل: یہ کتاب حضرت شیخ المشائخ پیر طریقت رہبر شریعت شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اُن مقالات پر مشتمل ہے جولاینحل اور معرکۃ الآراء مسائل پر لکھے گئے ہیں۔ تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب ہر مکتبۂ فکر علماء کرام کی ضرورت ہے اور مدرسین سے لے کر مفتیانِ کرام تک، حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات سے لے کر قرآنی علوم اور تفسیر کے ساتھ شغف رکھنے والے حضرات تک اور اُصولِ دین سے لے کر سلوک وعرفان کے شائقین تک سب کی ضرورت کے معارف میسر ہیں۔

الارشاد والاسترشاد فی الاسلام: یہ کتاب جہاں شریعت وطریقت کی جامع ہے وہاں ولایت کی حقیقت اور پیری مریدی کی شرعی حیثیت سے بھی پردہ اُٹھاتی ہے۔ حضرت شیخ المشائخ مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شہکار تصنیف تصوف کی ضرورت، اہمیت اور اُس کی حقیقت کے اِدراک کا بہترین ذریعہ ہے جس میں سلوکِ تقویٰ اور سلوکِ احسان کے جدا جدا مراسم کی نشان دہی کرنے کے ساتھ فرضی سلوک اور نفلی سلوک کی بھی تفریق کی گئی ہے۔ یہ ہر عالم، ہر حقیقی صوفی اور ہر متلاشی عرفان کی ضرورت ہے۔

اسبابِ زوالِ اُمت اور ان کا علاج: حضرت شیخ المشائخ مولانا پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اُن چند تحریرات میں سے ایک ہے جس میں حضرت نے اُمتِ مسلمہ کی موجودہ حالت کا نہ صرف تفصیلی تجزیہ پیش کیا ہے بلکہ موجودہ زوال وانحطاط سے نکلنے کا ایک جامع اور منظم حل بھی پیش کیا ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو اس تحریر کو اس موضوع پر لکھی جانے والی دوسری تحریرات سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ کتاب اس موضوع سے متعلق اُن تمام دردِ دل رکھنے والے قارئین کے ممکنہ سوالات کا نہ صرف جامع حل پیش کرتی ہے بلکہ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے زوال وانحطاط سے نکلنے کا راستہ بھی متعین کرتی ہے۔

اُصولِ ترجمہ: قرآن شریف کا ترجمہ سب سے مشکل اور سب سے اہم ترین عبادت ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن شریف کا معیاری ترجمہ جس زبان میں بھی کیا گیا ہو وہ اُس زبان میں "معنوی قرآن" کہلاتا ہے اور بعض احکام کے حوالہ سے یہ بھی لفظی قرآن جیسا ہوتا ہے۔ اُصولِ ترجمہ، حضرت شیخ المشائخ مولانا پیر محمد چشتی نور اللہ مرقدہ کی ایسی تصنیف ہے جس میں انہوں نے ترجمہ قرآن کے حوالہ سے نہ صرف مترجم کیلئے لازمی اصول وشرائط بیان کئے ہیں بلکہ موجودہ اردو تراجم میں موجود خطرناک علمی واعتقادی غلطیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس کتاب کے عمیق مطالعہ سے نہ صرف فنِ ترجمہ کے ضروری قواعد سے شناسائی حاصل ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے آخری الہامی کتاب قرآن مجید کے نص کو سمجھنے کی نئی راہیں کھل جاتی ہیں۔